شیعہ کتب "البلاغ المبین" وغیرہ کا مُسکت جواب

سبائی سبز باغ

تالیف

عُزیز احمد صدیقی

ناصبی بھائیوں اور ٹھیٹ مسلمانوں کے مطالعے کیلئے

قیمت صرف دو روپیہ پچیس پیسے۔

طبع اوّل ایک ہزار

مولف — عزیز احمد صدیقی

ناشر — ۱۶/۴ ناظم آباد ع۱۔ جے۔ کراچی

مطبوعہ — باب الاسلام پریس کراچی

تعداد — ایک ہزار

کتب استفادہ

نمبر	کتاب	مصنف	مطبوعہ
۱	ابوتراب جلد اوّل و دوم	علامہ جزایری	مطبوعہ ادارۂ آل محمد لاہور
۲	البلاغ المبین حصہ اول و دوم	آغا محمد سلطان مرزا دہلوی	مطبوعہ لاہور
۳	اموی دور خلافت	محمد باقر کھجوہ بہار	مطبوعہ دائرہ تحقیق کراچی
۴	زاد الصالحین آٹھ جلد	مولوی سید محمد تقی	مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
۵	قران السعدین	مولوی عابد حسین سہارنپوری	مطبوعہ دہلی
۶	اصلاح الرسوم بکلام المعصوم	مولوی سید محمد مرتضیٰ جونپوری	مطبوعہ لکھنؤ
۷	اخلاق المعصومین	علامہ سید امداد حسین کاظمی	ادارۂ معارف اسلام لاہور
۸	تحفۃ العوام مقبول	مولوی سید نجم الحسن کراروی	مطبوعہ لاہور
۹	مجالس الشیعہ	مولانا سید کلب حسین	مطبوعہ لاہور
۱۰	عقاید الشیعہ	مولانا سید ظفر حسن	مطبوعہ کراچی
۱۱	کنز المطاعن	سید برکت علی شاہ گوشہ نشین	مطبوعہ لاہور
۱۲	مناقب مرتضوی جدید	مولوی سید غلام عباس بہاری	" لاہور
۱۳	شواہد الصادقین جواب	فرضی مولوی سید احمد شاہ (اصلی نام مخفی)	لاہور
۱۴	رسالۂ معراجیہ	مولوی سید حشمت علی	مطبوعہ لاہور
۱۵	موعظۂ حسنہ	علامہ سید علی حائری	" "
۱۶	شمس الضحیٰ جواب	فرضی مولوی شیخ احمد (نام مخفی) "	لکھنؤ
۱۷	گنج مقفل	سید محمد ظفر علی خاں رئیس جائس	
۱۸	عین حق نما	مولوی مرزا رضا علی	
۱۹	شیعہ بچوں کی نماز	مولوی فرمان علی	مطبوعہ کراچی
۲۰	تفریح الشیعہ	سید محمد جعفر حسن	لاہور
۲۱	قبہ و قبور	سید علی نقی نقوی	لاہور
۲۲	دعائے سباسب	صاحب عصر	حیدرآباد دکن
۲۳	سیرت زینب	سید احمد حسین ترمذی	لاہور
۲۴	تاریخ اسلام	امیر علی	لاہور
۲۵	تاریخ ملت عربی	حقی ترجمہ ہاشمی	کراچی
۲۶	متفرق تراجم قرآن	مولانا اشرف علی و نذیر احمد دہلوی وغیرہ	

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

انتساب

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا

یعنی جن لوگوں نے دین کے کام میں کوشش کی ہم ان کو اپنے راستے دکھاتے ہیں

تاریخ گواہ ہے کہ ملت اسلام پر جب کبھی ادبار کے بادل منڈلائے اللہ تعالےٰ نے کوئی ہادی ورہنما بھیجدیا جس نے مذہبی اجارہ داروں اور ایمان فروشوں کی مخالفت کے باوجود اپنی خدمات سرانجام دیں۔ ہندو پاکستان کی تاریخ میں مجدد الف ثانیؒ سید احمد شہیدؒ سر سید احمد خانؒ۔ مولینا حالی۔ شبلی نعمانی۔ محسن الملک۔ ڈاکٹر اقبال۔ حتی کہ قائد اعظم محمد علی جناح بھی ملاؤں کے کفروالحاد کے فتووں سے محفوظ نہ رہ سکے خود مولینا حالی اُن کا رونا رو گئے ہیں ؎

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین ۔۔۔ سنتے سنتے یہ ہوگیا ہم کو یقین

مومن سے ضرور ہوگا مرقد بن آل ۔۔۔ تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

جب بے لوث اور سچے خادم ورہنما کے لئے نام نہاد مولویوں کی مخالفت ناگزیر ہو اور ان کا فتوئے کفر اعتراف خدمت کا ضامن ہو تو جو کام خلوص نیت سے کرنا ہے اُسے کر گزرنا چاہیئے۔

مورخ اسلام جناب محمود احمد صاحب عباسی نے تاریخ اسلام کے صفحات سے کذب و افترا الکا گرد صاف کرکے ملت اسلام کی جو خدمت کی ہے۔ وہ قوم نے آج بھی مان لی ہے، اور رہتی دنیا تک مانتی رہے گی۔

میں اپنی اس حقیر تالیف کو اُن سے منسوب کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ قبول فرمائیں تو زہے نصیب۔

بندۂ گنہگار: عزیز صدیقی

۱۶/۲۔ ناظم آباد۔ جے (۱) کراچی

مورخہ یکم ماہ جولائی ۱۹۶۳ء

وجہ تالیف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوا را تلخ ترمیزن چو ذوق نغمہ کم یابی
حُدی را تیز ترمیخواں چو محمل را گراں بینی

عباسی صاحب کی کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" چھپی تو سبائیوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ اور یہ ہونا بھی چاہیئے تھا۔ اُن کا بھانڈا پھوٹا تھا۔ تقیہ اور جھوٹ کے فلک بوس محل جو تیرہ سو سال کی انڈر گراؤنڈ کوششوں سے سبائی فقہ کالم نے بنا کر کھڑے کئے تھے دھڑ دھڑا کر اُن کے قدموں میں آ گئے تھے۔ مگر اس آہ و واویلا میں ایک کریہہ آواز سب سے اونچی تھی جیسے غول غزالاں میں گھس کر حمار رینگنے لگے۔ یہ ایک نام نہاد سُنی ملا تھا۔ خیال ہوا کہ شاید اُس نے کچھ تحقیق کی ہو اور اس نتیجے پر پہنچا ہو کہ عباسی صاحب نے یزیدؒ و معاویہؓ کی تعریف کر کے زیادتی کی ہے۔

مگر یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ یہ سُنی ملّا پڑھا لکھا بہت کم ہے۔ لا نمیت محض اُس کا پیشہ ہے۔ جو چند روائتوں کو یاد کر کے میلاد و مجالس میں بیان کر دینے سبب معاش کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کے اخباری بیان کی تائید میں کسی تحریری مواد کی اُمید رکھنا فضول ہے۔

مجبوراً تلاش کے لئے نکلا۔ یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ اصل کتاب تو سرکار نے ضبط فرمالی ہے مگر اس کے جوابات سے بازار پٹا پڑا ہے۔ اُن میں سے دو کتابیں خرید لیں پہلی تو "اریخ المعاویہ" جسے کسی گوتا صاحب نے شاید جلدی میں اپنے خاندانی پوتھی سے نقل کر کے شائع فرما دیا ہے۔ اور دوسری "اموی دورِ خلافت" از محمد باقرؒ ملی جسے ادارہ تحقیق کراچی کے مفروضہ ناشروں نے شائع کرایا ہے۔ ان دونوں ناپاک کتابوں سے

کسی ذی شعور انسان کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ بلکہ پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے گویا اُسے قید خانے میں بند کر کے غلاظت صاف کرنے پر تعینات کر دیا گیا ہے جو ورق الٹو ایک پھاوڑا ہے جس کی ہر ضرب زیادہ سے زیادہ غلاظت نکال کر سامنے رکھدیتی ہے۔ عفونت سے دماغ پھٹنے لگتا ہے اور کراہت سے اعصاب میں کھنچاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ البتہ اتنا فائدہ ضرور رہا کہ عباسی صاحب کے موقف کی دل میں وقعت بڑھ گئی اور یقین واثق ہو گیا کہ اُنھوں نے صحابہ کرام کے صحیح حالات پیش کیے ہیں اور یہ بات سبائی مشن کے لئے ناقابلِ برداشت ہے جو صحابۂ رسول کا دشمن ہے۔ جب وہ ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہم کو نہیں چھوڑتے تو معاویہؓ و یزید رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔

چنانچہ شوق پیدا ہوا کہ اُس مذہب کا حال معلوم کیا جائے جو بانیٔ اسلام کے ساتھی والذین معہٗ یعنی صحابہ کرام کی تعریف برداشت نہیں کر سکتے۔ اپنے شیعہ دوستوں سے ان کی مذہبی کتابیں مانگیں تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب معلوم ہوا کہ مذہبی کتابیں رکھنے اور پڑھنے کی اُنھیں ضرورت نہیں ہوتی، اُن کی مذہبی تعلیم بچپن میں سینہ بہ سینہ منتقل کر دی جاتی ہے۔ پھر سالانہ مجالس میں مجتہد صاحبان ضروری معلومات سے (جو بہت مختصر ہوتی ہیں) اُن کا ایمان تازہ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اور اس سے زیادہ ایک شیعہ کے لئے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں رہتی یعنی ہندو پجاریوں کی طرح اس مذہب کی اجارہ داری بھی صرف مجتہدوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں اور عوام کچھ نہیں جانتے اتنا ہی جانتے ہیں جو وہ بتا دیتے ہیں۔

انیسویں صدی میں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے۔ ہندو قوم پجاریوں اور پنڈتوں کا وقار ختم کر کے رگ وید اور اتھر وید کے ترجمے پڑھنے لگی ہے جو ایک مردہ زبان میں تھے اور معدوم ہو چکے تھے مگر مسلمانوں میں اب بھی ایک ایسا گروہ موجود ہے جو اپنے زندہ و لافانی قرآن سے نابلد ہے۔ بلکہ اُس کی تفہیم و تعلیم کا منکر ہے۔ اُس سے احکام اخذ کرنے اور ہدایت حاصل کرنے کے بجائے مجتہدوں اور ذاکروں کی جاہل و سفیہانہ تاویلوں پر آنکھ بند کر کے ایمان لائے ہوئے ہے۔ سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنے اور پرکھنے سے یکسر معذور ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب اپنے مبلغوں کو بلا منفعت و اجرت اشاعت دین کی ہدایت کرتے ہیں اور تبلیغ کو عام اور آسان کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔ عیسائی اپنی مطبوعات مفت بانٹتے پھرتے ہیں۔ مسلمان چھوٹے چھوٹے رسالے اپنے مذہب سے متعلق دو دو چار چار آنے میں گلیوں اور سڑکوں پر بیچتے ہیں۔ مگر ہمارے یہ مہربان اپنے آبائی مذہب سے کچھ ایسے شرمندہ اور مجبور ہیں کہ سرِ عام خود کو شیعہ ظاہر کرتے بھی جھینپتے ہیں مذہب کا پرچار تو بڑی بات ہے۔

اسلام کہتا ہے "اے پیغمبر جو احکام تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئے ہیں لوگوں کو پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ تم نے اپنا فرض ادا نہیں کیا ہے۔ کافروں سے نہ ڈرو اللہ تمہیں اُن کے شر سے محفوظ رکھے گا"

(المائدہ ۔ ۶۷)

مگر ان کے اماموں نے ان کو اشاعت دین سے منع فرما دیا ہے چنانچہ ان کے امام جعفر (صادق) سے حدیث منقول ہے ۔ فرمایا:۔

یا سلیمان انکم علیٰ دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ	یعنی اے بھائی سلیمان تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ اس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

شیعہ مذہب کے بارے میں سُنا تھا کہ امامت اور خلافت کے جھگڑے میں وہ سوادِ اعظم سے یعنی مسلمانوں کے اکابرِ دین کی شان میں دریدہ دہنی اور گستاخی سے پیش آتے ہیں۔ اور وہ عقاید کچھ ایسے مکروہ ہیں کہ اُن کا چھپا رہنا ہی بہتر ہے۔ اور بات بھی معقول تھی۔ ایسی باتیں لکھ کر شائع کر دینا جن سے اکثریت کے جذبات کو ٹھیس لگے شرافت سے بعید ہے۔

لیکن یہ خیال غلط نکلا۔ کسی کتب فروش کی دکان پر جائیے اور مذہب اثناعشری کا لٹریچر مانگئے۔ صدہا کتابیں نکال کر ڈھیر کر دے گا۔ اور یہ سب اسلامی مملکت خداداد پاکستان کے اندر ہے جسے مسلمانوں نے اسلامی معاشرے کے احیا کے لئے حاصل کیا۔ یہاں البلاغ المبین کی دو دو جلدیں ہزار ہزار صفحوں کی لکھی جاتی ہیں اور تیسری بار

شائع ہو کر بک جاتی ہیں جس کا ایک ایک لفظ اسلام اور بانیانِ اسلام کے خلاف بغاوت کا نعرہ ہے "کنز المطاعن" چھپی ہے جو اپنے نام سے خباثت کی بو دے رہی ہے "تفریح الشیعہ" چھاپی جاتی ہے جس میں مسلمانوں کے بزرگوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ "عقاید الشیعہ" ننگ اسلام معتقدات پیش کرتی ہے۔ اور ایسی ہی سینکڑوں کتابیں شیعہ ادارے (جن میں سے اکثر اپنا نام بھی دھوکا دینے کے لئے ایسے رکھتے ہیں جن سے شبہ نہ ہو سکے جیسے ادارۂ معارفِ اسلام۔ ادارۂ علوم آلِ محمد۔ ادارہ تحقیق وغیرہ وغیرہ) بازار میں بھیج رہے اور بے دینی پھیلا رہے ہیں۔ مگر نہ کوئی ملّا یا مولوی انگلی اٹھاتا ہے نہ حکومت اعتراض کرتی ہے نہ عوام کو شرم آتی ہے۔

ہمارے نام نہاد ہادیانِ قوم حکومت سے لڑتے مرتے ہیں۔ عائیلی قوانین پر شور مچا رہے ہیں۔ عید بقرعید کے چاند دیکھنے پر جھگڑتے ہیں اور اسلام کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ مگر سبائی فتنہ پردازی پر زبان نہیں کھولتے جو مسلمانوں کے خدا اور رسول پر پھبتیاں کستے ہیں۔ رسول کی تین صاحبزادیوں کے نسب پر طعن کرتے ہیں انہیں دوسروں کی بیٹیاں بناتے ہیں اللہ تعالےٰ تو رسول کی بیٹیوں کو بنات بصیغہ جمع فرماتا ہے یعنی کم سے کم تین اور حقیقت میں چار۔ خلفاء و صحابۂ رسول پر لعنت بھیجتے ہیں۔ عام مسلمانوں پر ملامتیں کرتے اور ان کے باپ دادا کو گالیاں دیتے ہیں۔ اسلام کو رسوا اور عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان باتوں سے ان کے جذبات کیا مجروح نہیں ہوتے۔ مگر تاریخ کے حوالوں سے حضرت معاویہؓ کو جنھیں رسولؐ نے کاتب وحی مقرر فرمایا تھا امیرالمومنین کہدیا جائے تو چراغ پا ہو جاتے ہیں اور امیرالمومنین یزیدؒ کی مدافعت و تعریف کر دی جائے تو ماتم و شیون بپا ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ حکومت پر زور ڈال کر اس کتاب کو ضبط کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ کیا محض ایک اقلیت کی (جو کل مسلم آبادی کی آٹھ فیصد ہے) دلداری میں ہو رہا ہے۔ اور گیا اقلیت کو کھلی چھٹی دے دی گئی ہے کہ جو چاہے بکے اور جس طرح چاہے اس کا پرچار کرے۔

ہمارے علماءِ کج فہم جو بیشتر قربانی کی کھالوں اور فاتحہ کے پلاؤ پر ایصال ثواب کر کے دستار فضیلت حاصل کر لیتے ہیں اور خود کو خدائی فوجدار سمجھنے لگتے ہیں۔ کہیں کوئی نئی بات سن پاتے ہیں جو یتیم خانے کے ماحول میں (جہاں آپ نے تعلیم پائی ہے)

نہ دیکھی تھی نہ سنی تو ناک بھوں چڑھا کر کاٹنے دوڑتے ہیں، بدعت، ترک، کفر اور ناصبیت کے فتوے دینے لگتے ہیں۔ بیچارے موری کے کیڑوں یا تالاب کے مینڈکوں کی طرح باہر کی دنیا سے بے خبر کونے کونے رینگتے پھرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہفت اقلیم سرکر آئے ہیں۔ اُن کو کون سمجھائے کہ علم اب یتیم خانوں اور خانقاہوں کی چار دیواری سے نکل چکا ہے اُسے میلاد شریف اور مجالس عزا کے مواعظ میں محدود نہیں رکھا جاسکتا۔ تحقیقی کاموں پر ڈھول جھونکنے اور شور مچانے سے ان کی افادیت ختم نہیں ہوسکتی۔ ذی علم اور ذی شعور دنیا کو ان کی ضرورت ہے۔ اور وہ اُسے حاصل کر کے رہے گی۔ ایک کتاب کے ضبط ہوجانے سے حقیقت معدوم نہ ہوجائیگی۔ اُس کا مضمون لوگوں کے دل و دماغ میں پیوست ہوچکا ہے اور اب وہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا اور پھیلتا رہے گا۔ خود اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ سچ کے سامنے جھوٹ نہیں ٹک سکتا۔

چنانچہ ایک ایسے ہی مُلّاجی جو غالباً اپنے پیشہ کی کساد بازاری کی وجہ سے ایک رسالہ نکالنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ بجائے دینی اور علمی مضامین لکھنے کے نکتہ چینی اور تنقید کو ذریعہ کامیابی سمجھ کر کبھی عائلی قوانین کی دھجیاں اُڑاتے ہیں، کبھی عشر پرویزی کی تکفیر پر بغلیں بجاتے ہیں اور کبھی ناصبیت اور تحقیق پر غُرّاتے ہیں کسے معلوم ان خدمات کا صلہ انھیں کہاں سے مل رہا ہے اور کون اُن کا سرپرست بن گیا ہے۔ آپ کو غم ہے کہ مستشرقین کی کتابوں سے استفادہ کر کے مسلمانوں کی نظریں خیرہ ہوچکی ہیں اور وہ ایسے مذہبی اجارہ داروں کی تحقیق کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔

اِس بیچارے مُلّا کو کون بتلائے کہ تمہارا سرمایۂ حیات اور تمہاری تحقیق تو محض وہ خرافات ہے جو بغداد اور کوفے کے نہہ خانوں میں خاص مقاصد سے تیار کی گئی تھی جس میں کسی کو بڑھایا تو خدا کا ولی، خدا کا بیٹا بنا دیا اور گرایا تو شیطان سے بھی بدتر بنا کر پیش کیا۔ پھر آپ اور آپ کے اسلاف اس کو سینوں سے لگائے چھپائے چھپائے پھرتے رہے تاکہ آپ کی مذہبی اجارہ داری قائم رہے۔ محرم کے حلوے اور رجب کے کونڈے چلتے رہیں اور آپ کا پیٹ پلتا رہے۔

مستشرقین کا بے شک ہم پر احسان ہے جنھوں نے آپ کے اسی ذخیرہ خرافات یعنی طبری کی تاریخ اور یعقوبی و مسعودی کی کتابوں سے کچھ جواہر ریزے چن کر فراہم

کردیئے ہیں جن سے مسلمان کا جھکا ہوا سر پھر ایک بار اُٹھنے کے قابل ہو سکا ہے۔ ورنہ آپ کی تاریخ جس میں خلافت کے لئے صحابہ ایک دوسرے سے دست و گریباں دکھائے گئے ہیں ہر غیور مسلمان کے لئے شرمناک اور اندوہناک ہے۔ آپ کہتے ہیں پہلی صدی ہجری کے سچے اور دل لگتے حالات لکھ دینا ظلم ہے۔ معاویہؓ اور بنی اُمیہ کے وہ احسانات جو ملّت اسلام پر اُنھوں نے کئے یعنی افریقہ اور ایشیا کے کونے کونے میں اللہ اکبر کے نعرے لگا دیئے۔ ان کے وہ کارنامے گنوانا اور اُن پر ناز کرنا معیوب ہے۔ اس سے آپ کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے۔ یعنی مجالس ماتم حسین کے معاوضے اور اجرت جو آپ کو ملا کرتے ہیں بند ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اُن سے واقف ہونا مناسب نہیں۔ تو بتلایئے کہ آپ کے پیٹ پالنے کے لئے اسلام کو اس طرح ذلیل رکھنا کب تک برداشت کیا جائے۔ آپ اپنا پیشہ تبدیل کر کے کسب معاش کا کوئی اور ذریعہ نکالیں۔ ورنہ وہ دن دور نہیں کہ پاکستان میں بھی کوئی اتاترک یا جمال ناصر آ جائے اور آپ کو اُسی راستے پر روانہ کر دے جس پر مصر اور ترکی کے مُلّا بھیجے جا چکے ہیں۔

میں اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کے باوجود اُسی چھپے ہوئے لٹریچر کو منظر عام پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں جو ان مذہبی اجارے داروں کا سرمایۂ حیات ہے۔ جن سے جاہل مسلمان اپنے اعتقادات اخذ کرتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ سبائی شرارتوں کا اصل مدعا کیا ہوتا ہے۔ وہ مجلسوں میں جا کر بیٹھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ قرآن (معاذ اللہ) گونگی، بہری، اندھی کتاب ہے جو ہر کس و ناکس کی سمجھ سے بعید ہے۔ مگر حضرت علی اور حضرت حسین چلتا پھرتا اور بولتا قرآن تھے۔ پھر مسجدوں میں آ کر کہنے لگتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں اس لئے اے بھائی مسلمانو! اپنی نجات کے لئے اگر علی اور حسین نہ ملیں تو کوئی مرشد کامل تلاش کر لو۔ کسی کو پیر بنا لو کسی سے بیعت کر لو کہ تمہارے لئے جنت کا الاٹمنٹ کروا دے۔ قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔ بغیر ہادی اور مرشد کے راہ نجات تلاش کرنا ناممکن ہے۔ گویا قرآن میں رشد و ہدایت کی صلاحیت ان پیشہ وروں کے نزدیک باقی نہیں رہی ہے۔

پہلی شیعہ کتاب جو میرے ہاتھ آئی: علامہ جزایری مفتی سید طیب آغا مولوی مجتہد العصر امام الجمعہ والجماعت جامع حائری لاہور کی لکھی ہوئی ابوتراب تھی۔

اسے ادارۂ علوم آلِ محمد لاہور نے شائع کیا ہے۔ بڑی دیدہ زیب۔ بڑی خوبصورت چھوٹی سی کتاب گردپوش میں لپٹی ہوئی۔ لے کر آیا اور پڑھنے بیٹھا تو ششدر رہ گیا۔ یہ کسی مسلمان کی لکھی ہوئی کتاب ہے یا کسی ہندو یا سکھ نے بانیان اسلام کا مضحکہ اڑانے کے لیے کسی مسلمان کے نام سے چھپوا دی ہے۔ کتاب بند کر دی۔ اعصاب میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا غم و غصہ سے جی چاہتا تھا اٹھا کر نالی میں پھینک دوں۔ مگر سوچا کہ میں اسے عام مسلمانوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے تاکہ انھیں معلوم ہو سکے کہ ہماری یہ اقلیت اسلامی معاشرے میں کس طرح زہر پھیلا رہی ہے اور پھیلاتی رہی ہے۔ مجبوراً پھر اٹھایا اور عرض مؤلف پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

"علی کی سوانح حیات پڑھنے سے شاید کچھ رازہائے سربستہ فاش ہوں۔ جس سے حق کے متلاشی حُبِ علی کے سفینے کے سہارے نجاتِ ابدی کے کنارے آلگیں لیکن شرط ہے کہ حق کو حق شناسی کی آنکھوں سے دیکھیے۔ تعصبات کے گھروندے میں پھنس کر نہ رہ جائیے ورنہ شاید اس سے تنویر کے بدلے کدورت ہو۔

" حالانکہ مؤلف کا مقصد ہرگز کسی کی دل آزاری نہیں ہے۔ (ابوتراب جلد اوّل)

عجب حیرانی ہوئی۔ علی کی منقبت میں کتاب لکھی جارہی ہے اور اس کے پڑھنے سے کدورت کا اندیشہ ہے۔ متعصب لوگوں سے خطرہ ہے کہ وہ پڑھ کر رنجیدہ ہوں گے۔ یعنی علی کی تعریف میں ایسی باتیں بھی ہیں جن سے عام مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ چنانچہ مؤلف صاحب نے خود پر ظلم کرتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

سبحان اللہ کیا منطق ہے۔ اور کیسی دلداری ملحوظ رکھی گئی ہے۔ مسلمان قوم جو ہندوستان میں ایک ہزار سال سے گائے، بیل، ہاتھی، بندر، سانپ اور چوہے کی منقبت پر انگشت نما نہ ہوئی اپنے خلیفہ چہارم۔ داماد رسول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت ایک نام نہاد پرستار اہل بیت کی زبان سے سنکر دل ریش اور رنجیدہ ہوگی

کتاب ختم کی اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کوئی حکایت اور کوئی روایت ایسی نہ تھی جس میں خلفاء عظام کے ساتھ ساتھ حضرت علی کا مضحکہ نہ اڑایا گیا ہو۔ ہر واقعہ ہتک آمیز اور رکیک درج کر دیا اور اس پر دعوے ہے کہ حُبِ علی کے سفینے کے سہارے

نجات ابدی کی تلاش ہے مگر عام مسلمانوں کے لئے شرط ہے کہ حق کو حق شناسی کی، آنکھوں سے دیکھیں ورنہ تنویر کے بدلے کدورت ہوگی یعنی جل بھن جریں گے۔ اور کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔

وہی مثل ہوئی کسی مسخرے نے ایک بادشاہ کے کپڑے اتروا دیئے اور جھوٹ موٹ ہاتھوں کے اشاروں سے ایک خاص پوشاک پہنا دی جس کے بارے میں بتلایا کہ اس لباس فاخرہ کو صرف صحیح النسب یعنی اصلی باپ کی اولاد دیکھ سکے گی۔ بیچارہ بادشاہ اپنی ولدیت کا راز چھپانے کے لئے سارے شہر میں ننگا گھوم آیا اور کوئی متنفس اپنی ماں کا بھرم گنوانے کے ڈر سے زبان نہ کھول سکا۔

دوسری کتاب کی نشاندہی ان ہی علامہ صاحب نے فرمائی جس کا نام "البلاغ المبین" رکھا گیا ہے تا کہ لوگ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب کے دھوکے میں خرید کر گمراہ ہوں۔ اس کے مولف آغا محمد سلطان مرزا۔ ایم اے۔ ایل ایل بی۔ سابق سشن جج پنجاب۔ صدر شیعہ مجلس اوقاف۔ صدر انجمن شیعۃ الصفا و پرونشل شیعہ کانفرنس اور جسٹس آف دی پیس کراچی ہیں، آپ نہ مجتہد ہیں نہ علامہ۔ نہ شمس العلما۔ مگر بڑے بڑے مجتہد اور علامہ آپ کے آگے زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں، چنانچہ مذکورہ علامہ جزائری صاحب نے اپنی کتاب "ابو تراب" پر آپ سے مقدمہ لکھوایا ہے۔ آپ کو نہ صرف شیعہ مذہب پر عبور تامہ حاصل ہے بلکہ سنیوں کے مذہب اسلام کا کچا چٹھا کھولنا اور اس کا تار پود ادھیڑنا بھی آتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"ہماری تحقیقات کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اس اسلام کو نہ سمجھا اور نہ قبول کیا جو رسول خدا لے کر آئے تھے۔ اور یہ تو قطعی ہے کہ اگر آنحضرت کی حیات میں قبول بھی کر لیا تھا تو وفات پر جب اس کا تصادم دنیاوی حکومت سے ہوا تو دنیا کے مقابلے میں اس دین کو چھوڑ کر وہ اسلام قبول کر لیا جو ان کے رہنماؤں (یعنی عمرؓ و ابو بکرؓ) نے مرتب کیا تھا۔ یہی وہ اسلام ہے جو آج کل نکبت و ذلت کی حالت میں پایا جاتا ہے۔ اس اسلام نے کبھی اکملیت کا دعویٰ کیا ہی نہیں۔ لہذا اس کا نقص پذیر ہونا باعث تعجب نہیں۔ اس اسلام کے پاس کوئی نعمت ہی نہ تھی۔ مسلمانوں کو کیا دیتا (ص۱۲ البلاغ المبین)

آگے لکھتے ہیں۔ "جو سیاسی اصول و مذہبی عقاید کارکنان سقیفۂ بنی ساعدہ (ابوبکرؓ عمرؓ و عبیدہ بن الجراح وغیرہم) نے مرتب کئے اور جس طرح اسلام کو ترمیم و تنسیخ کیا وہ ساری دنیا میں پھیلا اور رائج ہے جس میں کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ (یعنی خلفاء کرام) نے حسب ذیل اعتقادات داخل کر دیئے۔ توہین رسالت۔ توہین رسول۔ توہین و تحقیر آل رسول تغیر و ترمیم و تنسیخ اسلام۔ حکومت الٰہیہ کا انکار نعمت عدل سے اعراض۔ کفران نعمت۔ حکومتِ یونانیہ کا رواج۔ اسلام میں تفرقہ" (البلاغ المبین ص۱۳)

میرا ایسا مسلمان جو محض مسلمان گھرانے میں پیدا ہو کر خود کو مسلمان سمجھتا ہو اسلام کی اس شان کو سمجھنے سے قاصر ہے جس کا نقشہ آغا صاحب نے کھینچا ہے کیونکہ نہ سالانہ مجالس میں شریک ہو کر کسی بدایونی کی طرح ہم خرما و ہم ثواب کے مزے لوٹے نہ کسی یتیم خانے کی درسگاہ میں بیٹھ کر قال اللہ و قال رسول سنتا۔ کیسے جانوں آغا صاحب کس اسلام کی تعریف کر رہے ہیں جس میں توہین رسول۔ تحقیر رسول۔ اور کفرانِ نعمت اور اسلام میں تفرقہ سکھایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آغا صاحب نے ان ہی ملاؤں کا مذہب دیکھا ہوگا جو حلوے اور شربت کے لالچ میں ہر مجلس میں موجود رہتے ہیں اور باوجود نکل جانے کے حکم کے اقرار رسائی کر کے کھا جاتے ہیں۔

ہم نئی روشنی کے مسلمانوں کا اسلام تو کلمۂ توحید اور قرآن کے ترجمے پر منحصر ہے۔ اور وہی کافی ہے جو بتلاتا ہے کہ "الدین یسر" یعنی دین بے حد آسان نظامِ زندگی کا نام ہے جس میں دُنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ جو کام نیک نیتی سے کیا جائے ثواب ہے۔ محنت مزدوری کرنا اور بچے پالنا بھی دین کا جز ہے۔ ہمارا اسلام کہتا ہے لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں زبردستی کو دخل نہیں ہے۔ بندہ اپنے خدا سے جس طرح چاہے رجوع کرے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے احسانوں کو نہ بھولے۔ اور یہ دین رسول اللہ کی زندگی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ اس میں نہ امامت کو دخل تھا نہ خلافت کو ورنہ اللہ تعالیٰ کیوں فرماتا:۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ یعنی آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔

لیکن آغا صاحب فرماتے ہیں اسلام نے اکملیت کا دعوےٰ کیا ہی نہیں وہ ناقص

ہے۔ مسخ شدہ ہے۔ اسی لئے ذلت و نکبت میں مبتلا ہے اور ہمارے ہادیانِ قوم مذہبی اجارے دار خاموش ہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ ان میں کچھ خامیاں ضرور رہوں گی۔ جن کی وجہ سے عباسی صاحب کی کتاب کے خلاف شور مچانے والے ملا بھی دم سادھے بیٹھے ہیں اِن کتابوں کو ضبط کرانے اور بند کرانے یا ان کے مولفوں پر مقدمہ چلانے کے لئے ایک لفظ بھی نہیں بولتے۔

تیسری کتاب "موعظہ حسنہ" ملی جسے پنجاب شیعہ مشن لاہور نے چھٹی بار شائع کر کے ملک میں تقسیم کیا ہے۔ اس میں اسلام کا خوب بھانڈا پھوڑا گیا ہے خلفائے عظام کو اچھی طرح مطعون کیا ہے۔ مسلمانوں کے دلوں سے ان کی عظمت کو گرانے کی بڑی کامیاب کوشش فرمائی ہے۔ اور ہمارے جیسے اسلام کے نام لیواؤں کی گردنیں شرم سے جھکا دی ہیں۔ مگر ساتھ ہی مؤلف صاحب کا یہ دعوے بھی درج ہے:۔

> "حضور نے فرمایا کہ یہ سراسر اتہام ہے۔ سنی اور شیعہ میں نفاق قطعاً نہیں ہے اسلام کا داہنا ہاتھ سنی ہیں اور بایاں ہاتھ شیعہ۔ میں نے اکثر اپنے وعظوں میں کہا ہے کہ ہمارا خدا ایک رسول ایک اور قرآن ایک تو پھر نفاق کیوں ہو" (موعظہ حسنہ ص ۱۳)

یہ قول ایسے بڑے مجتہد کا ہے جس کا نام کتاب پر حجۃ الاسلام والمسلمین سرکار علامہ سید علی الحائری مجتہد العصر والزمان درج ہے وہ کہتا ہے کہ شیعہ سنی میں نفاق کی کوئی وجہ نہیں ہے' دونوں اسلام کے دو ہاتھوں کی طرح ہیں۔ شیعہ اسلام کا بایاں ہاتھ ہیں (یعنی حزب مخالف ہیں) مگر آغا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ اسلام ذلیل و خوار ہے جسے سنیوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اب خدا معلوم اِن دونوں بڑوں میں سے کون جھوٹا ہے اور کون سچا ہے۔

اس لئے چلئے اس مذہب کا مطالعہ وہاں سے شروع کیا جائے جہاں سے یہ اپنے بچوں کو سکھانا شروع کرتے ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ صحیح اسلام معلوم کر کے آپ کے عقاید بھی درست ہو جائیں اور نجات کی صورت نکل آئے۔ ہمارے رسول نے کہا ہے کہ طلب علم میں اگر چین بھی جانا پڑے تو دریغ نہ کرنا۔ پھر کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔ کہ اصلی اسلام ایک آٹھ فی صدا قلیت والے فرقے کے قبضہ میں رہے اور بانوے

فیصد والی اکثریت اُس سے نابلد رکھی جائے؟ ہمیں دوزخ کا نوالہ بننے کے لئے چھوڑ دیا جائے ہم یہ ظلم ہرگز برداشت نہیں کر سکتے محض آپ کی نجات کے لئے لنگوٹ باندھ کر اس چہ بچے میں کود رہے ہیں کہ شاید تہ میں رکھے ہوئے کچھ موتی اور لعل نکال کر آپ کی عاقبت سُدھار سکیں۔

ناظرین کو شاید ہمارے تند و تلخ اندازِ بیان پر اعتراض ہو۔ مگر ہمیں یقین ہے کہ جو لٹریچر ہم نے گزشتہ چند ماہ میں پڑھا ہے جسے پڑھنے کے لئے شیطانی دل و دماغ کی ضرورت تھی جو بھی غیور مسلمان پڑھے گا اسی انداز پر مجبور ہو جائے گا۔ اور ہماری طرح زیبِ عنوان شعر پر عمل پیرا ہوگا۔ جس میں کہا گیا ہے کہ :۔

" اہلِ محفل میں جب ذوق کی کمی دیکھو تو ساز پر ذرا زور سے ہاتھ چلاؤ
اور کاروانِ زندگی کو جب (کفر و الحاد سے) گراں بار محسوس کرو تو حُدی کو بلند آواز سے پڑھنے لگو" یعنی نعرۂ اللہ اکبر بلند کرو۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ بھی فرماتا ہے لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط یعنی اللہ کو پسند نہیں کہ کسی کو بُرا بھلا کہا جائے مگر جس پر کوئی ظلم ہوا وہ معذور ہے۔

اور اس سے زیادہ ظلم اکثریت پر اقلیت کی طرف سے کیا ہو سکتا ہے کہ ایسا لٹریچر ملک میں پھیلایا جا رہا ہے جو اسلام اور نظامِ اسلام کا دشمن ہے۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔

شیعہ مذہب کے عقائد و رسوم پر قلم اُٹھانے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقے کی مختصر تاریخ بھی پیشِ نظر رہے تاکہ اُن عقائد کو اختیار کرنے کی وجہ بھی معلوم ہوتی جائے۔ اس کام کیلئے ہم ایک بے لاگ مورخ کی کتاب سے استفادہ کریں گے جو نہ شیعہ ہے نہ سُنّی تاکہ اُس پر کسی فرقے کی طرفداری کا الزام نہ عاید ہو سکے۔ پروفیسر فلپس حتی سے تاریخ داں طبقہ واقف ہے۔ اُن کی تاریخ ملّت عربی سے سُنیئے:۔

"شیعت کا بانی عبداللہ بن سبا گزرا ہے جو ایک یمنی یہودی تھا وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اسلام لایا۔ وہ عجیب پرپیچ آدمی تھا اس کی حد سے زیادہ عقیدتمندی سے خود حضرت علی گھبرا جاتے تھے۔

ملّت اسلامی کی پہلی تفریق خلافت کے قضیے سے پیدا ہوئی۔ مسلمان دو گروہوں میں اسی فتنہ کی بنا پر بٹ گئے۔ شیعوں کا اساسی عقیدہ یہ ہوگیا کہ حضرت علی اور اُن کے فرزند امام برحق ہیں، جس طرح کیتھولک فرقے کے لوگ پطرس ولی اور اُن کے جانشینوں کے باب میں اپنے عقیدے پر جمے ہوئے ہیں۔ اُسی طرح شیعہ بھی مذکورہ بالا اعتقاد پر قائم ہیں۔ حالانکہ بانیٔ اسلام نے خدا اور بندے کے درمیان صرف وحی الٰہی یعنی قرآن مجید کو واسطہ بنایا تھا۔ شیعوں نے ایک انسان یعنی امام کو اپنا واسطہ بنالیا۔

امامت کا عقیدہ دراصل اسلام کی دُنیاوی قوت کی مخالفت

کے جذبے نے پیدا کر دیا۔ امامیہ مذہب کی رو سے امام خدا کی طرف سے اس منصب جلیلہ پر معمور ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف روحانی اور دینی بلکہ دنیاوی پیشوا بھی مانا جاتا ہے۔ آسے اپنے پیش رو سے ایک پُراسرار طاقت ورثہ میں ملتی ہے اس لئے وہ جملہ بنی نوع انسان سے افضل اور عصمت کی صفت سے متصف ہوتا ہے۔ انتہا پسند شیعہ یہاں تک بڑھے کہ امام کو اُس کی ربانی صفات اور نورانی وجود کے باعث خود اللہ کا اوتار سمجھنے لگے اُن کی دانست میں حضرت علی اور اُن کی اولاد جو امام ہوئے وہ انسانی صورت میں خدا تھے یا خدا کا کلام تھے جسے یہ لوگ قرآنِ ناطق کہتے ہیں یعنی بولتا ہوا قرآن۔ ایک اور فرقے کا قول ہے کہ حضرت جبرئیل نے غلطی سے پیغمبر اسلام کو علی سمجھ لیا ورنہ دراصل وحی حضرت علی پر آنے والی تھی۔"

جبرئیل چو آمد ز بر خالق بیچوں در پیش محمد شد و مقصود علی بود"

یہ شعر اسی غالی فرقے کا عقیدہ پیش کرتا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ:۔

"شیعت کی ابتدا اور نشوونما کس حد تک ایرانی خیالات کی مرہون منت ہے اور کس حد تک یہود و نصاریٰ کے افکار کی۔ اس کی تحقیق کرنا مشکل ہے۔"

"مہدی موعود کا مفروضہ جس نے آگے چل کر امام منتظر و قائم آل محمد کی شکل اختیار کرلی جو دنیا کے نجات دلانے والے ہیں اور آزادی و خوش حالی کا نیا دور لائینگے بے شبہ ظہور مسیح اور اس سے متعلقہ تخیلات کا پرتو ہے" (مگر قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے)

"ملاحدہ کے متعدد گروہ جو پہلی صدی ہجری میں نمودار ہوئے وہ سب دراصل عرب کے دین غالب کے خلاف ڈھکی چھپی مخالفت کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے جسے بھی سواد اعظم یعنی سنیوں سے کوئی مذہبی سیاسی عمرانی یا معاشی اختلاف ہوتا وہ ان جماعتوں میں شریک ہو جاتا (اور اسلام کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیتا تھا) جو تدریجاً

سب شیعیت کے دائرے میں کھنچ آئے اور متحدہ محاذ بنا لیا۔ اب شیعہ جماعت مسلمہ طور پر نظامِ اسلامی کی حزب مخالف ہو گئی تھی"
(یعنی اسلام کی اصلی دشمن)

"یہ لوگ بنی امیہ کو غاصب اور ظالم کہنے لگے۔ حضرت علیؓ اور حسینؓ کے ساتھ انھوں نے جو کچھ کیا تھا اُسے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرتے اور پیغمبر اسلام کی اولاد سے عقیدت کے فریب سے عام مسلمانوں کو بھی اپنا حامی بنا لیتے تھے۔ اس طرح عراق کی بیشتر آبادی اُن کے زیرِ علَم آکر شامیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوششیں کرنے لگی۔" (ص ۲۴۰)

"اہلِ ایران سامی نسل سے نہ تھے وہ آریائی تھے۔ صدیوں سے اپنی علیٰحدہ تہذیب اور قومیت کے مالک تھے۔ ان کی مفتوح روح اپنی قدیم برتری کے لئے بے چین تھی۔ وہ بھی اس جماعت کے حامی ہو گئے۔ قرامطہ کی تحریک میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور اگلے چند سال میں خلافت کی بنیادیں تک ہلا کر رکھ دیں۔ شیعہ عقاید کو تیار کرنے اور فاطمی حکومت بنانے میں ایرانی ہمیشہ پیش پیش رہے۔" (ص ۲۴۲)

"ساری عربی تاریخیں عباسی عہد میں شیعہ اثرات کے تحت تالیف کی گئیں اس لئے اموی دور کے حالات مسخ شدہ صورت میں پیش کئے گئے۔" ص ۳۰۵

مذکورہ بالا حوالوں سے ظاہر ہے کہ شیعہ فرقہ مذہبی یا اعتقادی وجوہ سے معرض وجود میں نہیں آیا۔ یہ خالصتاً سیاسی اغراض سے یہودیوں مجوسیوں اور عراقیوں کی ملی بھگت سے تیار ہوا ہے۔ اسی لئے جہاں آتش پرستوں کا نوروز منایا جاتا ہے۔ عیسائیوں کی طرح امام مہدی کا انتظار کیا جاتا ہے۔ یہودیوں کی طرح عشرہ محرم بھی منایا جاتا ہے اور ان غیر مذاہب کے عقاید اپنے مذہب میں شامل کرنے سے ان کے اسلام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

اس جماعت کو پہلے بنو اُمیہ کا زور توڑنے کے لئے انتقام حسین کا نعرہ دیا گیا پھر عباسیہ حکومت برباد کرنے کے جتن کئے گئے اور اصل مذہب اسلام کی بیخ کنی کے لئے

امامت اور خلافت کا جھگڑا ختم دبا گیا۔ جو کمیونسٹ تحریک کی طرح پوشیدہ طور پر پھیلایا جاتا رہا۔ اس کی مزید تنظیم کے لئے ایک نیا مذہب تیار کیا گیا۔ نئی حدیثیں گڑھی گئیں۔ اماموں کا تازہ بتازہ کلام تصنیف ہوتا رہا۔ اور آج تک ہو رہا ہے جس کی بیچارے اماموں کے فرشتوں تک کو خبر نہ ہو سکی۔ اس مذہب کی تفصیل ہر کس و ناکس کو نہیں بتائی گئی جتنا جس کے لئے ضرور سمجھا گیا بتایا گیا اور کام نکالا گیا۔ حسن بن صباح نے ایک جنت بنا ڈالی اور اپنے فدائیوں کے ذریعہ مسلمانوں کو تباہ کرتا رہا۔ بڑے بڑے اہل علم اور اہل فضل و اہل سیف قتل کئے جاتے رہے۔

چنانچہ آج بھی اس مذہب کی مکمل تعلیم کسی ایک کتاب میں تلاش کرنا ناممکن ہے سیکڑوں کتابیں ہیں اور ہر کتاب میں مختلف باتیں ہیں جو ایک دوسرے کو جھٹلاتی ہیں۔ مگر ان سے اس مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا شیعہ عوام کو ان کے پڑھنے سے منع کیا جاتا ہے ان کا ایمان صرف مجالس عزا سے تازہ ہوتا رہتا ہے اور خواص جانتے ہیں کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے۔ کس لئے ہے۔ اسی لئے اس مذہب کو چھپانے کی بار بار تاکید کی جاتی ہے ہر کتاب پر لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ کتاب امامیہ مذہب کی ہے۔ غیر نہ دیکھیں اور اماموں کے قول سے اس کی تصدیق کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ ان کے امام کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

مذہبی پردہ پوشی

"فرمایا جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے۔ "کفوا عن الناس ولا تدعوا احدا الی امرکم" یعنی باز رہو تم لوگوں سے اور مت بلاؤ کسی کو اپنے دین کی طرف"

ایک مجتہد صاحب اس کی توضیح فرماتے ہیں "اگر امام صاحب نے ایسا فرمایا تو کیا بیجا ہے۔ کیونکہ وہ علم امامت سے اس امر کو بخوبی جانتے تھے کہ گروہ نواصب ایسا شدید گمراہ ہے کہ بغیر تر ڑا ترط پڑنے کے ہرگز راستے پر نہ آئیگا۔ اور یہ غلبہ منحصر ہے۔ ظہور قائم آل محمد پر اس لئے درمیان میں کوشش کرنا بیکار ہے"

(شمس الضحیٰ جواب اظہار الہدیٰ)

یہاں نواصب اور ظہور قایم توضیح طلب الفاظ استعمال ہوئے ہیں لیکن ان کو سمجھنے کے لئے آپ کو اس مذہب کی تفصیل میں جانا پڑے گا۔ اس لئے صبر فرمائیے۔

جہاں تفصیل کا موقعہ ہوگا پیش کی جائیگی"۔ یہاں ایک دوسری حدیث سُن لیجئے۔

"وسائل شیعہ ابواب احکام اولاد میں جناب صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ فرمایا کہ جلدی کرو اپنے نوخیزوں کو حدیث سکھانے میں قبل اس کے کہ سبقت کریں ان کی طرف پہلے تمہارے مخالفین اور حدیث اربعاۃ میں جناب امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے۔ فرمایا کہ تعلیم کرو اپنے بچوں کو ہمارے علوم سے جس سے خدا انھیں نفع پہنچائے نہ غالب ہوں اُن پر مخالفین ساتھ اپنے راویوں کے (اصلاح الرسوم صفحہ ۶۵)

گویا حضرت علی بھی جانتے تھے کہ یہ مذہب اگر بچپن ہی میں خوب سکھا پڑھا نہ دیا گیا تو ایسا نہیں ہے کہ کچھ آنے کے بعد کوئی ذی شعور انسان اسے قبول کر سکے۔ خاص کر مخالفین یعنی سنیوں کی روائتیں سننے کے بعد تو ناممکن ہے کہ کوئی انسانی دل ودماغ رکھنے والا لڑکا یہ گالی گلوچ اور رونے رُلانے کا مذہب قبول کر سکے اس لئے بچپن ہی میں پڑھا سکھا کر تیار کر دو تاکہ بڑا ہوکر عقل سے کام نہ لے سکے۔ بس آنکھ بند کر کے گالیاں دیا کرے اور نہ سوچے کہ ان کا اثر کس پر پڑتا ہے خواہ خود ان کے مفروضہ اہلِ بیت ہی کیوں نہ ہوں، البتہ زبان پر ہمیشہ یا علی اور یا مولا رہے۔

چنانچہ محسن الملک مہدی علی صاحب فرماتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ حضراتِ شیعہ نے دین کو مسخرہ پن اور ٹھٹھے میں ڈال دیا ہے۔ پیغمبر خدا کی احادیث اور کلام اللہ کی آیات کو تغیر و تحریف کرکے بدل دیا ہے نہ خدا کے کلام کو کلام مبین جانتے ہیں نہ پیغمبر صاحب کی حدیث کو صاف سمجھتے ہیں۔ سب کو ذو جہتیں اور ذو معنیٰں جانتے ہیں۔ چونکہ بنا مذہب تشیع کی نفاق اور جھوٹ پر ہے اس لئے سب کو اپنی ہی طرح کا جانتے ہیں۔ (آیات بینات صفحہ ۱۳۱)

اس سے بہتر فیصلہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ جب ایک شیعہ اپنے آبائی مذہب کو سمجھنے کے بعد کہدے کہ اس مذہب کی بنا جھوٹ اور نفاق پر ہے یعنی تقیہ اور تبرا پر۔ البلاغ المبین کے دو ہزار صفحے صرف ان ہی دو موضوع پر سیاہ کئے گئے ہیں اور بکمال بے حیائی اور بیباکی سے تشہیر عام کے لئے اُسے بازار میں بھیجدیا گیا ہے۔ تاکہ خاموشی کے ساتھ عوام کے ذہنوں کو مسموم کرلے۔ اور دین سے بیزار

کر دے۔

سبائی دروغ گوئی

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دروغ گوئی تقیہ کی ایک معمولی مثال ناظرین کے سامنے پیش کر دی جائے تاکہ زیر مطالعہ کتاب کے مقصد اور مفاد کا کچھ اندازہ لگا سکیں اور اس کو پڑھنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

اظہار حقیقت لاہور نے اعتراض کیا کہ سر محمد فتح علی نے مفتاح الفتح کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا اور مفت تقسیم کیا جس میں دعاؤں کے اندر بعض صحابہ مثلاً ابوسفیان اور حضرت معاویہ کو نام لے کر لعن کیا تھا اور خلفائے راشدین کو بجائے خلیفہ اول و خلیفہ ثانی کہنے کے اپنی اصطلاح میں ظالم اول ظالم ثانی و ظالم ثالث لکھا تھا۔

مجتہد العصر علامہ حائری کا جواب موعظہ حسنہ صـ ۳۳ پر یوں درج کیا گیا ہے۔

"ان فقرات کو پڑھنے کے بعد جناب قبلہ و کعبہ مدظلہ نے فرمایا کہ اراکین دائرہ نے جناب نواب پر بلا تحقیق کئے اتہام لگا دیا ہے۔ ظالم اولی۔ ظالم ثانی۔ ظالم ثالث وغیرہم سے خلیفہ اول و دوم و سوم سمجھ لینا عجیب منطق ہے۔ چاہئے تھا کہ ذریعہ تحریر نواب صاحب سے دریافت کر لیا جاتا کہ یہ لعن آپ نے کن ظالموں پر کیا ہے۔ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اعمال روز عاشورہ میں جب یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں تو کیوں دائرے نے یزید شمر اور عمر سعد وغیرہ کا مفہوم نہیں لیا"

مگر مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ پہلے مجتہد نہیں ہیں جنھوں نے دروغ گوئی پر بھٹے تو سے کام لے کر دائرہ کو بھی جھٹلا دیا اور تقیہ کا ثواب بھی لوٹ لیا۔ صدیوں پہلے ان کے بزرگ بھی اسی طرح جھوٹ بولتے اور جھٹلاتے رہتے ہیں۔ ایک شیعہ لطیفہ سنیئے:……

"ایک دفعہ لوگوں نے خلیفہ بغداد سے مخبری کی کہ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن بن علی الطوسی شیعہ ہے۔ اور سب صحابہ کو جائز جانتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی کتاب مصباح میں زیارت عاشورہ میں یہ فقرہ لکھا ہے اللھم خص اول ظالم یا للعن منی و ابداً بہ اولاً ثم ثانی ثم الثالث والرابع واللھم لعن یزید خامسا (یا اللہ اول ظالم پر میری لعنت مخصوص کر ہمیشہ کے لئے پھر دوسرے پر تیسرے پر چوتھے پر پھر پانچویں یزید پر) خلیفہ نے یہ سن کر اس وقت شیخ صاحب کو طلب کیا اور کہا آپ سب صحابہ کو جائز جانتے ہیں۔ شیخ صاحب نے کہا اے خلیفہ یہ الزام بالکل غلط ہے۔ میرے

کسی دشمن کی شرارت ہے۔ خلیفہ نے کتاب کھول کر فقرہ مذکورہ دکھایا۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ اس جگہ ظالم اول سے مراد قابیل ہے۔ قاتل ہابیل اور ثانی سے مراد عاقر ناقہ صالح۔ ثالث سے مراد قاتل یحییٰ ذکریا۔ رابع ابن ملجم ہے۔ خلیفہ یہ تاویل سنکر بہت خوش ہوا۔ (تفریح الشیعہ مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور (ص ۴۲)"

ناظرین کو غالباً معلوم ہو گیا ہو گا اوّل ثانی وثالث سے دراصل خلفائے راشدین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ مگر وقت اور موقعہ کے لحاظ سے اُسے جھٹلا دینا بھی اُن کا مذہبی فریضہ ہے۔ چنانچہ دو بڑے مجتہدوں نے اپنے اپنے وقتوں کے بادشاہ سے لے کر عامیوں تک کو کس طرح جھٹلایا اور بیوقوف بنایا۔ دلچسپی سے خالی نہیں۔

آج کل جو اشاعت عام ہو رہی ہے اس میں احتیاط سے کام لیا جانے لگا ہے علامہ جزایری صاحب خود ابوتراب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ دل آزاری کے خوف سے اکثر عبارتیں حذف فرما کر منقبت علی میں کتاب لکھی ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات پرانی کتابوں سے انکار بھی کر دیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اُن کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے ضروری نہیں ہے کہ صحیح مانا جائے۔ چنانچہ ایک مجتہد صاحب لکھتے ہیں :-

"شیعہ اپنے زندہ مجتہدوں کے فتوے پر عمل کرتے ہیں۔ جو مجتہد مر گیا۔ اُس کا فتویٰ بھی مر گیا۔"

یعنی مرے ہوئے مجتہدوں اور مصنفوں کی کتابوں سے حوالے دے کر اُن کے مذہب کی پول کھولنا ٹھیک نہیں ہے۔ لہٰذا ہم کوشش کریں گے کہ جو کچھ پیش کیا جائے حتی المقدور زندہ مجتہدوں کی کتابوں سے پیش ہو اور بتلایا جائے کہ ان کے پاس نہ مذہب مذہب ہے نہ دین دین ہے۔ یہ نہ رسولؐ کی کوئی عزت کرتے ہیں نہ اماموں کی نہ علی سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں نہ اہلِ بیت سے۔ ان کا مذہب محض تبرّا یعنی گالیاں دینا اور تقیّہ یعنی جھوٹ بولنا ہے اور بس۔

ہمارے دعوے کے ثبوت میں صرف ایک قطعہ کافی ہے جو کسی ایرانی شاعر نے بڑی بیباکی سے اپنے جذبات کی ترجمانی کے لئے موزخوں مجتہدوں اور مذہبی اعتقادوں کے فریب کے باوجود اس طرح نظم کر دیا ہے۔۔

بشکست عمر پشتِ ہزبرانِ عجم را | برباد دو فنا داد رگ وریشۂ جم را
ایں عربدہ برغصب خلافت ز علی نیست | باآلِ عمر کینۂ قدیم است عجم را

یعنی عمرؓ نے ناموران ایران کی کمر توڑ ڈالی اور شاہنشاہ جمشید کی آل اولاد بلکہ اس اس کی نسل کا خانہ خراب کر کے رکھدیا۔

ہمارا جھگڑا عمر اس سے اس بات پر نہیں کہ علی کو خلافت سے کیوں محروم کیا۔ وہ علی کے ساتھ جو چاہتا کرتا۔

ہمیں تو تا قیامت عمر اور اس کی اولاد سے نفرت صرف اس لئے ہے کہ اس نے ہماری جیسی قدیم تہذیب۔ ہمارا تمدن، ہمارا مذہب حتی کہ ہماری تاریخ اور جغرافیہ تک بدل ڈالا اس لئے ہم تولائے اہل بیت کا جھنڈا لٹکائے اسلام کی نفرت کو اپنے سینوں میں چھپائے پھرتے ہیں۔ مجوسیت کی آگ ہمارے آتش کدوں میں سرد ہو چکی ہے تو کیا ہوا۔ ہمارے دلوں میں ابھی اس کی چنگاریاں موجود ہیں۔ صرف ذرا باد موافق کا انتظار ہے پھر دیکھئے کس طرح بھڑکتی ہے۔ ہمیں آگ پوجنے سے روکا گیا تھا اس لئے اہلِ بیت کے نور کو پوجنے لگ گئے تھے۔ جس دن ہماری آگ بھڑک اٹھے گی ہم اس نور کو بھی اسی میں جھونک دیں گے۔ اور اسلام سے بدلہ چکائیں گے ذرا جنابِ قائم کو ظہور فرما لینے دو۔

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ جب موقعہ ملا انھوں نے اپنے عزائم کا برملا اظہار کیا۔ پاکستان میں دور سکندری۔ ظہور صاحب العصر سے کم نہ تھا۔ بغداد میں ابن العلقمی کا کردار اور بنگال میں میر جعفر کے اعمال عبرت کے لئے کافی ہیں۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک نیک نفس خداشناس اور پختہ شیعہ سے اس کا اقبال جرم سن لیجئے شاید رشد و ہدایت کی روشنی کسی وقت آپ کے قلب میں بھی اسی طرح چمک اٹھے اور آپ توبہ کہنے پر مجبور ہو جائیں۔

سبائی مذہب ایک شیعہ کی نظر میں

نواب محسن الملک سید مہدی علی خانصاحب جو ریاست حیدرآباد۔ دکن میں محکمہ مالیات کے سکرٹری تھے۔ سر سید احمد خانصاحب کے فیض صحبت سے وسیع النظری پر مائل ہوئے۔ دونوں مذہبوں کا مطالعہ کیا اور اپنے آبائی دین سے

ایسے بیزار ہوئے کہ ایک جامع اور مدلل کتاب لکھ ڈالی۔ تمہید کتاب میں لکھتے ہیں۔

"بہت کم ایسے ہیں جنھوں نے حق پر نظر کر کے اپنے آبائی دین کو چھوڑا ہو اور دوسرے مذھب کو صرف اپنی نجات کے لئے اختیار کیا ہو لیکن میں خدائے عزوجل کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ میں چند آدمیوں میں سے ہوں جنھوں نے اپنی نجات کی امید پر دونو مذاہب کے اصول پر انصاف سے غور کیا اور مذہب اہل سنّت کو مطابق کلام الہی کے پاکر اور مذہب امامیہ کو اُس کے مخالف دیکھکر اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں اور تمام کنبہ قبیلے سے جدا ہونے میں کچھ کسی کا لحاظ وخیال نہیں کیا۔ امامیہ مذہب جو بقول اُئے مصرعہ۔ برعکس نہند نام زنگی کا فور کے مخالف عقاید آیہ کرام علیہ السلام کے ہے چھوڑ کر اہل سنّت وجماعت کا سچا مذہب اختیار کیا۔ میرے عزیز اقارب، بھائی بھتیجے اپنے مذہب پر ہیں اور مجھے گمراہ سمجھتے ہیں اس لئے میں ان کے سامنے وہ عقلی دلائل پیش کرتا ہوں جنھوں نے میرے دل کو امامیہ مذہب سے متنفر کیا۔ اور وہ شواہد نقلی بیان کرتا ہوں جن کے سبب میں نے مذہب اہل سنت وجماعت اختیار کیا۔ خدا کرے کہ میرے اور بھائی اس کو نظر انصاف سے دیکھیں اور اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑیں" (آیات بینات ج ۱ ص ۱ مطبوعہ کراچی ۱۹۰۴ء)

آیات بینات کی تین جلدیں ہیں مزید اقتباسات درج کرنا باعث طوالت کا ہے "گھر کے بھیدی" کے عنوان سے تو ایک محسن الملک کے عزیز نے جو نظم لکھی تھی اس کے چند شعر سنئے:۔

واقف ہے زمانہ کہ ہم اثنا عشری ہیں ۔۔۔ سو پشت سے لعنت زدہ نوحہ گری ہیں
ہر چند تبرے کی تلاوت میں جری ہیں ۔۔۔ واللہ ہم الزام شجاعت سے بری ہیں
شیعوں نے کبھی جنگ میں تیغ سنبھالی ۔۔۔ اس داغ سے تاریخ کے اوراق ہیں خالی
ان ہاتھوں نے چھوئی نہیں شمشیر ہلالی ۔۔۔ کی جنگ بھی ہم نے تو لسانی وخیالی
ہم اہل نہیں معرکہ رزم دوغا کے ۔۔۔ استاد ہیں ہم فلسفۂ مکر ودغا کے
دھوکے میں ہے جو ہم کو سمجھتا ہے مسلماں ۔۔۔ کب شیعۂ خالص کا ہے اسلام پر ایماں
مسلم کا تو ہے لفظ بھی اپنے لئے بہتاں ۔۔۔ قرآن کو ہم کہتے ہیں بازیچۂ عثمانؓ
کچھ واسطہ نبی سے نہ تعلق ہے خدا سے ۔۔۔ وابستہ ہیں ہم سلسلۂ ابن سبا سے

ہم علقمی و نعمت عالی کے ہیں فرزند ۔ محسن کش و غدار و بد اندیش خداوند
جس گھر میں اماں پائیں اُسے آگ لگادیں ۔ مہماں جو ہمارا ہو اُسے زہر کھلادیں
دھو کے دے حیدر کو حریفوں سے لڑا کے ۔ شبیر کو مقتول کیا ہم نے بلا کے

ہمارا خدا ایک ہے

شیعہ اُصول دین ایمان شیعوں کا اصول دین پر ہے۔ یعنی دین کی جڑیں جو پانچ ہیں۔
۱۔ توحید۔ ۲۔ عدل ۳۔ نبوت۔ ۴۔ امامت۔ ۵۔ قیامت

(صٰ۳ شیعہ بچوں کی نماز از۔ فرمان علی)

ہم ان پانچوں اصول پر بحث کرنے کے لئے پانچ مختلف باب قایم کریں گے جن میں پہلے مولوی فرمان علی صاحب کی وہ تعریف ہو گی جو انھوں نے بچوں کو سمجھانے کے لئے لکھی ہے۔ پھر دوسرے مجتہدوں اور عُلما شیعہ کی توضیحات پیش کریں گے تاکہ ہر جڑ یعنی اصول کا مطلب اور مدعا صاف ہو جائے۔

مقابلے کے لئے سُنی اعتقاد بھی سن لیجئے تاکہ اندازہ میں دقت نہ ہو۔

سُنی اساس دین دین اسلام توحید اور نبوت کی دو بنیادوں پر قایم ہے۔
۱۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۲۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ۔

پہلی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی معبود نہ ٹھیرایا جائے یعنی کسی مخلوق سے ویسی عظمت و محبت نہ کی جائے جیسی اللہ سے کی جاتی ہے نہ کسی مخلوق سے کوئی اُمید لگائی جائے۔ نہ کسی مخلوق سے ڈرا جائے کیونکہ اِن باتوں میں کسی مخلوق کو خالق کے برابر سمجھنا اللہ کی نظیر قایم کرنے اور اللہ کا شریک ٹھیرانے کے برابر سمجھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود اختیار کر لیتے ہیں اور اُن سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں۔ مگر جو ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت رکھتے ہیں" (۲ ۱۶۸)

دوسری بنیاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کی عبادت اُسی طرح کریں جس طرح اُس نے اپنے رسول کے ذریعہ ہمیں بتائی ہے۔ اور امر و نواہی کی حسب الحکم پابندی کریں۔

اس کے بعد شیعہ اصول دین کی توضیحات دیکھئے اور علامہ حائری کے دعوے سے مقابلہ فرمائیے جس میں کہا گیا ہے کہ ہمارا خدا ایک ہے اور رسول ایک ہے۔ مگر اصول دین مختلف ہیں اور فروع دین تو ان کا کہنا ہی کیا۔ آپ خود دیکھئے۔

شیعہ مذہب کی پہلی جڑ

توحید۔ یعنی خدا ایک ہے۔ اگر کئی خدا ہوتے تو جہان کے انتظام میں بکھیڑا ہوتا۔ ایک خدا کچھ کہتا۔ دوسرا کچھ کہتا۔ اس سے آپس میں تکرار ہوتی اور کوئی چیز پیدا نہ ہو سکتی (شیعہ بچوں کی نماز)

کتنی خوبصورتی سے اور کتنی سادہ اور آسان زبان میں شیعہ مولوی نے توحید یعنی اللہ تعالٰے کے یکتا و تنہا ہونے کا مسئلہ بچوں کو سمجھا دیا۔ اب تو ہر شیعہ بچہ صرف ایک ہی خدا کو مانے گا۔ اگر ایک سے زیادہ خدا مان لئے جو اس کا اختیاری امر ہے تو وہ دونوں آپس میں لڑنے جھگڑنے لگیں گے۔ جس طرح سمجھدار والدین دو یا زیادہ مرغ ایک دربے میں نہیں بند کرتے۔ جانتے ہیں کہ وہ آپس میں لڑنے لگتے ہیں۔ وہ منظر ہمیں اچھا نہیں لگتا۔ اس لئے سمجھدار شیعہ بچے بھلا کیوں پسند کریں گے کہ ایک سے زیادہ خدا مان لیں۔ خاصکر جب خداؤں کے لڑنے سے جہان کے انتظام میں بکھیڑا پڑنے کا بھی ڈر ہو۔ اور چیزوں کا پیدا ہونا بھی بند ہو جائے۔ مثلاً دودھ۔ انڈا۔ مٹھائی چاکلیٹ وغیرہ کا پیدا ہونا بند ہو جانا تو بڑا ہی بُرا ہوگا۔

یہ توحید کی تعلیم ہے جو بچوں کو دی جا رہی ہے۔ آپ کہیں گے مولوی صاحب کا مقصد ہرگز یہ نہ ہوگا جو تم نے سمجھ لیا ہے۔ وہ بچوں کو اپنی سمجھ کے مطابق توحید کا مطلب سمجھا رہے تھے لیکن یہ محض آپ کی خوش اعتقادی ہوگی۔ حقیقت کچھ اور ہے۔ ایک حدیث سنئے۔

"اصلاح الرسوم بکلام المعصوم ص۸۲ سید مرتضےٰ بحوالہ کافی فرماتے ہیں جناب صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ فرمایا کہ ادنیٰ عقوق اُف ہے اور اگر جانتا خدا کوئی چیز خفیف اس سے تو منع کرتا اُس سے"

یعنی اللہ تعالٰے کو جو آپ کا قادر مطلق بھی ہے اُف سے کمتر لفظ معلوم نہ تھا۔ ورنہ اُسے بھی والدین کی شان میں استعمال کرنے سے منع فرماتا۔

"دیگر ص۳۰۲ الجواہر السنیہ میں جناب رسولِ خدا سے منقول ہے فرمایا کہ خدا

فرماتا ہے کہ جو شخص نہ راضی ہو میری قضا پر اور نہ ایمان لائے میری قدر پر تو چاہیئے کہ دوسرا خدا طلب کرے سوائے میرے"۔

یعنی خدا کی تعداد بڑھانے گھٹانے کا اختیار ہر شیعہ کو حاصل ہے۔ خود رسول خدا نے خدا کی طرف سے اجازت دے رکھی ہے کہ جسے ان کا خدا پسند نہ آئے وہ دوسرا خدا ڈھونڈھ لے۔ پھر ہمارے مولوی فرمان علی کا کیا قصور وہ تو جیسا مذہب ہے ویسی تعلیم دے رہا ہے۔

وجود باریتعالیٰ میں شبہات

مولینا ظفر حسن صاحب نے شیعہ عقائد ایک کتابچے کی صورت میں جمع کر دیئے ہیں جو بے حد ایمان افروز ہیں۔ یہاں اُن میں سے بعض معتقدات پیش کئے جاتے ہیں جو شیعہ مذہب کا نچوڑ ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا مرکب نہیں ہے۔ یعنی کسی چیز سے مل کر نہیں بنا۔ نہ اس کے جسم ہے۔ نہ صورت ہے۔ نہ اعضا۔ نہ جوارح نہ انسانوں کی طرح عناصر اربعہ سے بنا ہے۔ نہ جنوں کی طرح آگ سے بنا ہے نہ ملائکہ کی طرح نور سے نہ اُس کا جسم لطیف ہے نہ کثیف۔ نہ اُس میں تغیر ہے۔ نہ تبدل۔ وہ جسم و جسمانیات۔ زماں و زمانیات۔ مفردات و مرکبات سب سے منزہ ہے۔ (عقائد الشیعہ ص ۹)

مرزا غالب نے شاید ان ہی معتقدات کو ایک شعر میں پیش کیا ہے ؎

ہاں کھائیو مت فریب ہستی　　　　ہر چند کہیں کہ "ہے" نہیں ہے

اور یہاں ہستی سے مراد ہستی باریتعالیٰ ہے جسے تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ یعنی اُن کی سبائی روح بول رہی ہے۔

اتنا غور فرمایئے کہ اللہ تعالےٰ کی کوئی ایسی صفت بیان نہیں کی گئی ہے جو اس میں موجود ہے صرف وہ خوبیاں بیان ہوئی ہیں جو اُس میں نہیں ہیں حالانکہ اسلام چاہتا ہے کہ اس کی تعریف اُس کی صفات سے کی جائے جو اُس کے ننانوے ناموں سے ظاہر کی جاتی ہیں۔ مثلاً الرحمان۔ الرحیم۔ الغفار۔ الرزاق۔ السمیع اور البصیر وغیرہ مگر مذہب شیعہ ان سب اوصاف کا منکر ہے جو مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔

خدا کے عالم الغیب ہونے سے انکار

"ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا اپنی مصلحت سے جس بات کو

چاہتا ہے بدل دیتا ہے۔ اسے بدا کہتے ہیں۔ وہ کسی امر میں مجبور نہیں۔
ہر وقت مختار ہے۔ اس تغیر و تبدل کے لئے اُس نے لوح محو و اثبات
بنائی ہے۔ یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت و عندہٗ علم الکتاب۔
یعنی اللہ جو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے
اور اُس کے پاس علم کتاب ہے۔ ہاں جو لوح محفوظ میں ثبت کر دیتا
ہے اُس میں تغیر نہیں ہوتا" (عقائد الشیعہ صـ۱۱)

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ خُدا کچھ ہے ضرور مگر اس کا حافظہ کمزور ہے اس لئے وہ اپنے احکام پہلے ایک سلیٹ پر لکھ لیتا ہے جو پورے ہو جاتے ہیں اُن کو لوحِ محفوظ پر منتقل کر دیتا ہے۔ لوح محفوظ پر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ مٹتا نہیں غالباً یہ پتھر کی پلیٹ ہوگی۔ یہاں ایک نیا لفظ بداء آگیا ہے یہ ہمیں بھی نہیں معلوم۔ موجودہ مجتہدین و علمائے شیعہ نے اپنی کتابوں میں اس کی تفصیل نہیں لکھی ہے۔ اچھا چلئے تاریخ مذہب شیعہ مولفہ منشی امتیاز علی صاحب فیض آبادی سے رجوع کریں ــــ

"شیعہ فرقے کا عقیدہ ہے کہ خدا کو سب باتوں کا علم نہیں ہے
اسی وجہ سے جب اس کی پیشینگوئیاں غلط ہو جاتی ہیں تو اس کو اپنی
رائے بدلنا پڑتی ہے۔ اسی کو بدا کہتے ہیں۔ مثلاً خدا نے امام جعفر صادق
کے ذریعہ سے اعلان کیا کہ امام جعفر کے بعد اُن کے بیٹے اسمٰعیل امام
ہوں گے۔ مگر اسمٰعیل سے کچھ حرکات ناشایستہ صادر ہوئیں جن کی
خدا کو اُن سے توقع نہ تھی۔ ورنہ وہ اسمٰعیل کے امام ہونے کا اعلان
نہ کرتا۔ اس طرح خدا نے اپنی رائے بدل دی۔ اور امام جعفر کے دوسرے
بیٹے موسیٰ کاظم رضا کو امام بنایا۔ کہتے ہیں کہ ایسا بڑا بدا خدا کو کبھی
نہیں ہوا تھا" (فتنۂ ابن سبا صـ۱۳۹)

چنانچہ امام اسمٰعیل کو ماننے والوں نے امام جعفر اور اُن کے نئے امام کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور خود اسماعیلیہ فرقہ بن گئے۔ ان کے امام ماشاء اللہ اب تک ہوتے چلے آرہے ہیں۔ حال میں اُن کے وہاں بھی ایسی ہی صورت پیش آگئی تھی اسے اسی طرح حل کیا گیا کہ امامت دادا سے پوتے میں منتقل ہوگئی اور بیٹا بوجوہ لبسیار امامت سے

محروم ہو گیا۔ شاید آپ سمجھ گئے ہوں کہ یہ آغا خان اور پرنس علی خاں کی امامت کا ذکر ہے جو بالآخر کریم آغا کو مل گئی۔

دیدار باریتعالےٰ سے انکار

"ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا دیکھنے میں نہیں آتا۔ نہ دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے نہ آخرت میں دیکھا جا سکے گا۔ کیونکہ اس کو دیکھنے کے لئے اُس کا جسم تسلیم کرنا ہو گا۔ اور جسم موجودات سے ہے۔ اور تمام موجودات خدا کی مخلوق ہے۔ اور مخلوق حادث ہے اس سے ثابت ہوا کہ رویت باریتعالےٰ ممکن نہیں ہے۔" (عقاید الشیعہ)

یعنی قیامت میں بھی ان کو خدا کا جلوہ میسر نہ آئیگا۔ اور ہو بھی کیسے جب اُن کے اعتقاد کے مطابق خدا کچھ ہے ہی نہیں۔ ہوتا تو دکھائی دیتا۔ یہ صریحاً اللہ تعالےٰ کے اُس وعدہ کی تکذیب کی گئی ہے۔ جس میں اُس نے اپنے دیدار کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ خود قرآن کہتا ہے۔

"کیا ان لوگوں نے کبھی اپنے دل میں اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار و عبث نہیں بنایا۔ حکمت و مصلحت کے ساتھ بنایا ہے۔ اور ان کے لئے ایک مقررہ وقت ٹھہرا دیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے پروردگار کی مُلاقات سے منکر ہیں۔ اور یہی وہ کافر ہیں جن کے لئے عذاب جہنم ہے"۔

شرک کا جواز

"ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام خلق کے مشکل کُشا ہیں جب کوئی مومن اُن کو مشکل کے وقت پکارتا ہے تو وہ اس کی مدد کو آتے ہیں" (عقاید الشیعہ)

غالباً شیعہ توحید کا یہ لب لباب ہے۔ ورنہ کوئی مسلمان جو اپنی نمازوں میں سیکڑوں بار سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کہتا ہے۔ جس کے معنی ہیں ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ایسے لغو عقیدے کو برداشت نہیں کر سکتا۔

۲۔ دیگر آیات قرآنی و احادیث سے ثابت ہے کہ سوائے مومن کے دوسرا شخص بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ پس سوائے مذہب اثنا عشری کے کوئی شخص دوسرے مذہب کا بہشت نہیں جا سکتا۔ اور جو لوگ بغیر سزائے جہنم کے بخش دیئے جائیں گے وہ اسی فرقہ اثنا عشری کے ہوں گے"
(صفحہ ۲۷۶ زاد الصالحین)

اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

" کہہ دو ان کو پکارو جنہیں تم خدا کے علاوہ خیال کئے بیٹھے ہو وہ تم سے نہ مصیبت اٹھا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں جنھیں یہ پکارتے ہیں۔ وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون سا اُن میں سے زیادہ نزدیک ہے اور اُس کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تیرے رب کا عذاب ضرور ڈرنے کے لائق ہے" (۱۷ - ۵۶ - ۵۷)

شیعوں کا وسیلۂ نجات

مولوی سید محمد تقی نقوی لکھنوی جنھوں نے کہا جاتا ہے نظام حیدرآباد کو رافضی بنالیا تھا۔ زاد الصالحین جلد اول صفحہ ۲۰۷ پر لکھتے ہیں :-

عام مومنین سمجھے ہوئے ہیں کہ شہادت جناب امام حسین کی ہماری بخشش کے لئے ہوئی ہے یعنی محض شہادت وسیلہ نجات کا ہو گیا۔ اب چاہے جہاں تک گناہ کریں کسی گناہ کا ہم سے مواخذہ نہ ہوگا۔ حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ شہادت اور نیز وسیلۂ نجات وہ چیز ہے جس چیز کے لئے شہادت واقع ہوئی۔ اگر شہادت نہ ہوتی تو قطعی دین باقی نہ رہتا۔ اور جب دین باقی نہ رہتا تو پھر کوئی راستہ نجات کا ہمارے لئے نہ رہتا۔ پس دین کے قائم رہنے کے لئے جو ہمارے لئے وسیلہ نجات ہے شہادت امام حسین کی واقع ہوئی"

یہ گورکھ دھندے والی عبارت جو غالباً انجیل سے ماخوذ ہے جہاں حضرت عیسٰی کے صلیب پر چڑھنے سے یہی فوائد عیسائیوں کو حاصل ہوئے تھے۔ ہماری سمجھ سے بعید تھی مگر مولوی صاحب نے ازراہِ کرم حاشیہ پر اس کی وضاحت فرما دی ہے اور بہت سلیس عبارت میں فرمائی تا کہ مندرجہ بالا معمہ صاف ہو جائے لکھتے ہیں :-

"احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ جو شخص روئے یا رلائے مصیبت امام حسین پر تو بہشت اس پر واجب ہوتی ہے۔ مگر واجب سے مراد یہ نہیں کہ گناہانِ کبیرہ کا مواخذہ نہ ہوگا۔ بلکہ بعد سزائے اعمال بد ضرور داخل بہشت ہوگا۔ البتہ اگر گناہ اُس کے اس لائق ہیں، کہ جو محض غم حسین ہی سے دُور ہو سکتے ہیں تو غم حسین سے قطعی معاف کر دیئے جائیں گے۔ ورنہ گناہانِ کبیرہ کی سزا کے بعد وہ شخص بخش دیا جائے گا۔ اس سبب سے کہ بہشت اس پر واجب ہو چکی تھی، جمیع اعمال نیک ہیں۔ یہی ایک عمل نیک یعنی غم حسین موجب نجات کا پایا جاتا ہے۔ کیونکہ جو عمل خالص خدا کے واسطے ہوگا۔ وہی قبول ہوگا۔ کیونکہ حدیث جبل میں ہے:۔

"غم حسین ریا سے پاک ہے۔ اس سبب سے کہ آنسو نہیں نکلتا جب تک قلب کو صدمہ نہ پہنچے میں نے جب ان احادیث پر غور کیا کہ جو اعمال نیک میں وارد ہیں تو مجھکو کوئی عمل نیک اس سے عمدہ معلوم نہ ہوا کہ ایک آنسو غم حسین میں نکل جائے۔ چنانچہ جتنے عمل نیک قبل فرائض کے ہیں جیسے نماز روزہ۔ حج وغیرہ اگر کوئی ادا کرے تو اُس شخص کا احسان جناب رسول خدا و جناب فاطمہ و جناب امیر صلوات اللہ علیہم پر نہیں ہو سکتا اور غم حسین وہ عمل نیک ہے کہ جس کا احسان جناب فاطمہ و جناب امیر پر ہوتا ہے اور جناب رسول خدا اور ان کے اہل بیت کے ساتھ احسان کرنا کوئی معمولی عمل نیک ہے۔ بلکہ یہ عمل اعمال میں افضل ہے۔ اسی لئے علمانے مجالس امام میں جا کر رونے جائز قرار دیا ہے۔"

(ص۲۰۷ ج ۱)

ناظرین کو یقین آگیا ہوگا کہ شیعہ معتقدات دین اسلام سے زیادہ سروکار نہیں رکھتے ان کے پاس نماز روزہ اور حج سے زیادہ حُسنِ عمل غم حسین ہے۔ جس سے نہ صرف رسول اللہ اور ان کا سلسلہ گنبہ مرہون احسان ہو جاتا ہے بلکہ خود خدا بھی بندے کے احسان سے لدا جاتا ہے پھر اسی شرم سے بندے کے سارے گناہ معاف کر کے بہشت میں

داخل کرنا پڑتا ہے۔ بس یہ لیجئے آپ بھی مجلسوں میں جاکر بھوں بھوں روئے اور خدا و رسول کو اپنے احسانوں سے لاد کر بخشش کا پٹہ لکھوا لیجئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

"اُن لوگوں نے کہا ہمیں جہنم کی آگ کبھی چھونے والی نہیں اور اگر چھوئے بھی تو اس سے زیادہ نہیں کہ چند دنوں کے لئے چھوئے اے پیغمبر اُن سے پوچھو کہ کیا تم نے خدا سے قول و قرار کر لیا ہے کہ وہ اس سے نہیں پھر سکتا۔ تم خدا کے نام ایک جھوٹی بات لگا رہے ہو۔ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ کسی نسل اور کسی گروہ کا انسان ہو لیکن جس نے بُرائی کمائی اور گناہوں میں گھر گیا۔ وہ دوزخی گروہ سے ہے ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا۔ اور جس نے ایمان کی راہ اختیار کی اور نیک عمل کئے تو وہ بہشتی گروہ میں سے ہے (ص۲-۸۰-۸۲)

شیعہ خدا اور رسول خدا کا حال

تفریح الشیعہ مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور ص۳ پر ایک لطیفہ درج ہے۔ قبیلہ بنی قشر کے لوگ نہایت متعصب و سخت درجہ کے ناصبی تھے۔ ایک دفعہ ان لوگوں نے ابوالاسود پر چند کنکریاں پھینکیں۔ آپ نے کہا اے دشمنان خدا! کیوں بندۂ خدا کو ستاتے ہو۔ انھوں نے کہا پتھر بھی خدا مارتا ہے۔ آپ نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تمھارا خدا بھی غلط کار ہے۔ ایک پتھر بھی ٹھیک نشانہ پر نہ لگا۔

یہاں کن دو خداؤں کا مقابلہ ہوا ہے عام سنیوں کے لئے سمجھنا محال ہے۔ مگر چونکہ شیعہ روایتوں میں خدا اور رسول خدا کا ذکر بار بار آتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی سی وضاحت کر دی جائے۔

شیعوں کے رسول خدا ایک خاص شخصیت کے مالک تھے۔ وہ شاہ ابن سعود کے رسول السلام (یعنی پنڈت جواہر لال پیغامبر صلح) کی طرح ایک نئے مذہب کے بانی تھے۔ جو کوفہ میں پھلا پھولا اور پھر ساری اسلامی دنیا میں طفیلی کیڑوں کی طرح پھیل گیا اُن کا اور اُن کے خدا کا حال خود شیعہ روایتوں سے سنئے۔

خدا کے معنی فارسی میں مالک کے ہیں۔ خداوند بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اس کا مخفف خاوند بمعنی شوہر عام طور پر بولا جاتا ہے۔ نظام حیدر آباد اور دیگر مغلیہ بادشاہوں کو اہل دربار خداوند یا خاوند سے مخاطب کرتے تھے۔ اب آئیے آپ کو اس نئے خدا سے ملائیں جس کا بندہ آپ کے خدا کو غلط کار کہتا ہے۔

"شیخ کشی نے روایت کی ہے کہ ایک روز قنبر حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی دروازے پر کچھ آدمی کھڑے ہیں جو حضور کو اپنا رب سمجھتے ہیں۔ حضرت نے اُن سے پوچھا کہ کیا کہتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ ہمارے رب (خدا) ہیں۔ آپ ہی نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ اور آپ ہی ہم کو رزق دیتے ہیں۔ یہ سن کر امام نے فرمایا وائے ہو تم پر یہ نہ کہو میں تو تمہاری طرح مخلوق ہوں۔ لیکن وہ اپنی بات پر مصر رہے امام نے پھر فرمایا وائے ہو تم پر میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔ اسی میں خیریت ہے کہ توبہ کر لو۔ اور اپنے اس فاسد اعتقاد سے پلٹ جاؤ۔ اُن لوگوں نے جواب دیا۔ ہم ہرگز اپنے عقیدے سے نہ پلٹیں گے۔ کیونکہ ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب و خالق ہیں اور رازق ہیں۔ یہ سنکر حضرت نے حکم دیا کہ آگ روشن کی جائے۔ چنانچہ لکڑیاں ڈال کر آگ روشن کر دی گئی اور تھوڑی دیر بعد شعلے بھڑکنے لگے اُس وقت آپ نے پھر اُن سے کہا کہ اب بھی پلٹ آؤ اور توبہ کر لو لیکن پھر بھی وہ اپنی بات پر قایم رہے اور کہا کہ ہم نہیں پلٹیں گے۔ تب آپ نے ان کو آگ میں ڈلوا دیا۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ جب آپ نے اُن کو آگ میں ڈال دیا تو وہ کہنے لگے۔ اب تو ہم پر خوب اچھی طرح روشن ہو گیا کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں کیونکہ آپ کے بھائی جن کو آپ نے رسول بنا کر بھیجا تھا وہ کہہ گئے ہیں۔ لا یعذب بالنار الا رب النار (یعنی آگ سے صرف آگ کا خدا ہی عذاب کر سکتا ہے۔ (ابو تراب حصہ دوم صفحہ ۵۵ علامہ جزایری)

اس طرح اس مذہب کے عقیدے کی آخری توثیق ہو گئی۔ مگر علی کے بندوں نے اپنے خدا کا کہنا نہ مانا جھوٹوں بھی اپنے ایمان و ایقان سے نہ پھرے تو بیچارہ خدا کیا کرتا۔

کوئی مخلوق بھی مجبور تھی اُس نے قہرِ خداوندی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا یعنی ساٹھ ستر بندوں اور پرستاروں کو خوشی خوشی جیتے جی آگ میں جلتے دیکھا تو کیسے نہ ایمان لاتے سب کے سب اُسی وقت سے مولا۔ مولا۔ یا علی مولا پکارنے لگے اور ناچنے لگے۔

بیچارے مولا نے سب کچھ دیکھا اور ھلک فی الرجال محب غالٍ و عد و قال کہتے ہوئے گھر کے اندر چلے گئے جس کا مطلب ہے کہ افسوس میری وجہ سے دو لوگ ہلاک ہوں گے۔ خواہ حد سے گزرنے والے دوست ہوں خواہ عداوت کرنے والے دشمن۔

(ابوتراب ص۷۵)

جزائری صاحب نے روایت بڑی احتیاط سے لکھی ہے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ اور بعض تفصیلات حذف فرمادی ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حذف شدہ واقعات تاریخ سے اخذ کر کے لکھ دیئے جائیں۔ یہ نصیریہ فرقے کا ذکر ہے جس کے ستر افراد کو حضرت علی نے زندہ جلا دیا تھا۔ یہودی عبداللہ بن سبا نے خود دعوے نبوت کیا اور حضرت علی کو خدا ٹھیرایا۔ نصیریوں نے اُسے قبول کیا شیعہ کہتے ہیں عبداللہ بن سبا بھی اُن ستر آدمیوں میں جل مرا تھا۔ لیکن تاریخ کہتی ہے کہ وہ موجودہ روسی علاقے کی طرف بھاگ نکلا تھا اور وہاں اپنا مذہب پھیلاتا رہا۔ رحتی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور اسی کو شیعہ مذہب کا بانی قرار دیا ہے۔

عبداللہ بن سبا کی شیعہ توثیق

عبداللہ بن سبا کے وجود سے ہر شیعہ منحرف ہے۔ اور اس کو رسولِ خدا ماننے سے شرماتا ہے۔ اموی دورِ خلافت کا مولف تو سرے سے اس کے وجود ہی کا منکر ہے۔ کہتا ہے کہ سُنیوں نے شیعہ مذہب کو بدنام کرنے کے لئے ایک فرضی کیریکٹر بنایا ہے۔ چنانچہ جزائری صاحب نے بڑی ہوشیاری سے اس کا نام اپنی روایت میں نہ آنے دیا۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ حقیقت کو جھٹلانے سے حقیقت بدل نہیں جاتی۔ دنیا میں ایسے بھی ہیں جو اپنے باپ کو باپ کہتے شرماتے ہیں مگر غرض پڑتی ہے تو اس کے قدموں پر سر بھی رکھ دیتے ہیں چنانچہ ایک مجتہد صاحب کو حضرت علی کی الوہیت ثابت کرنے کے لئے اپنے بزرگ اول کا سہارا اس طرح لینا پڑا۔

"اتنا امر تو ہر شخص جانتا ہے کہ جس کی نسبت آدمیوں کو گمان

الوہیت ہو جائے۔ اُس کے افضل البشر ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ ضرور اُن حضرات میں ایسے فضائل موجود تھے کہ بمقابلہ دیگر صحابہ کے حضرت علی لوگوں کو بشریت سے اعلیٰ درجہ میں دکھائی دینے لگے۔ اگر سب کے سب صحابہ نیک بخت ہوتے تو حضرت علی کی الوہیت کا کوئی قائل نہ ہوتا۔ اس لئے جس امر کی قابلیت ان میں تھی ابن سبا نے بھی اُسی کی طرف ان کو منسوب کیا" (شمس الضحیٰ صـ ۱۴۸)۔

دیگر: "ابن سبا کہتا تھا کہ جناب امیر سے ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں کہ امکانِ انسان سے باہر ہیں۔ مثلاً معجزات۔ کرامات۔ خوارق عادت، علم غیب۔ احیا (زندہ کرنا) اموات (مار ڈالنا) اور بیان حقیقت اللہ بلاغت۔ فصاحت۔ اور حاضر جوابی۔ زہد و تقویٰ۔ قوت و شجاعت جو نہ کسی نے کبھی دیکھی ہو نہ سُنی ہو۔ پھر کون کافر اُن کا مُنکر ہوگا۔ جو بات سچ ہے اُس کے ماننے میں کیا ہرج ہے یہ سب باتیں ابن سبا سچ کہتا تھا۔ اور اُن کا یقین کرنا چاہیئے۔ لیکن جو بات اُس کی خلاف عقیدہ مومنین ہو اُس کو رد کرنا چاہیئے۔"

(شمس الضحیٰ صـ ۱۵۲)

جناب علی کی تعریف میں اُس نے جو کچھ کہا شیعہ سب مانتے ہیں یعنی علی کو خدا سمجھتے ہیں۔ البتہ عبداللہ بن سبا کو رسولِ خدا ماننے میں تھوڑی سی خرابی ہے۔ وہ یہ کہ پھر مسلمانوں میں گھس کر خود کو مسلمان جتلانا مشکل ہو جائے گا۔ وہ مرزائی۔ مہدوی۔ اور خوجوں کی طرح سبائی کہہ کر خود سے دور کر دیں گے۔ اور اُن تخریبی کارروائیوں کا موقعہ ختم ہو جائے گا جو ابھی ساتھ رہنے میں حاصل ہے۔

کلمہ طیبہ میں اختلاف

غالباً بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ شیعہ کلمہ سُنی کلمہ طیبہ سے مختلف ہے اور اُس کی وجہ بھی ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ کہنے والے کے لئے ایسے عقاید رکھنا کفر تھا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ اُن کا کلمہ ہے۔

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللہ۔ وصی الرسول اللہ۔

وخلیفہ بلا فصل" جس کا ترجمہ مولوی فرمان علی نے شیعہ بچوں کو یوں سمجھایا ہے۔
یعنی اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ محمد اللہ کے پیغمبر ہیں۔ علی اللہ کے ولی ہیں اور رسول خدا کے وصی یعنی جانشین۔ اور بلا فصل خلیفہ رسول ہیں۔ (شیعہ بچوں کی نماز)

علیؑ ولی اللہ کے معنی عام طور پر شیعہ ذہن میں یہ ہیں کہ علی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ولی عہد ہیں یعنی حضرت عیسیٰ کے سوتیلے بھائی۔ غالباً اُن کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اللہ میاں نے اپنے بڑے بیٹے حضرت عیسیٰ کو جلدی میں آسمان پر بلا لیا تھا۔ وہ اپنا مشن پورا نہ کر سکے۔ اس لئے دنیا کا کاروبار جب تہ و بالا دیکھا تو ایک اور بیٹا بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی بار ایک باعصمت کنواری لڑکی کو اس کام کے لئے پسند فرمایا تھا اس بار ایک چار بچوں کی ماں فاطمہ زوجۂ ابو طالب کو تجویز کیا۔ اس پیدائش کا منظر ایک زندہ مجتہد العصر سیّد کلب حسین صاحب عرف کبن میاں ساکن کراچی کی زبانی مجالس الشیعہ میں سنئے جس کے بدایونی صاحب عینی گواہ بھی موجود ہیں۔

"جب جناب عیسیٰ کی ولادت کا وقت آیا تو مریم کو حکم ہوا کہ بیت المقدس سے نکلو (وہاں بت نہیں تھے) مگر امیر المومنین کی ماں کو کعبہ میں جانے کا حکم ملا (جس میں تین سو ساٹھ بت ٹھنسے پڑے تھے) اگر عیسیٰ خدا کے گھر میں پیدا ہوتے تو نصرانیوں کو دلیل ملتی کہ خدا کا بیٹا خدا کے گھر میں پیدا ہوا اور علی کعبہ میں پیدا نہ ہوتے تو خانہ زاد خدا اور وارث خلیل اللہ ہونے کا شرف کیونکر ملتا۔ چنانچہ کعبہ میں ولادت کا شرف دیا۔ یعنی علی کا زچہ خانہ خدا کا گھر بنا اور جس طرح شب معراج حبیب و محبوب کے علاوہ کوئی غیر نہ تھا۔ اسی طرح کعبہ کی مہمانی میں بھی کوئی غیر نہ تھا۔ جب ولی خدا مہمان ہو اور اللہ سا کریم و رحیم میزبان ہو تو کیا کچھ سامان نہ ہوا ہوگا۔ رحمت خدا گہوارہ بنی۔ علم الٰہی سے غذا ملی۔ آنکھوں کو عین اللہ کہا۔ کانوں کو اذن اللہ کہا۔ زبان کو لسان اللہ اور ہاتھوں کو ید اللہ کہا۔ جب مہمانی ختم ہوئی تو علی کی ماں خدا کے گھر سے شیر سا بچہ گود میں لیکر نکلی"
(مجالس الشیعہ صفحہ ۱۴۴)

مومنو درود پڑھو۔ اپنے لم یلد و لم یولد کو بھول جاؤ خدا کے گھر بیٹا پیدا ہو گیا اور کیسا بیٹا جو اپنے میزبان کے سامنے پیدا ہوا۔ خود میزبان نے نال کاٹی ہو گی۔ نہلایا دُھلایا ہوگا آلائش دُور کی ہو گی اپنے علم سے غذا دی ہو گی۔ گود میں کھلایا ہو گا۔ اُن کی آنکھوں کو اپنی آنکھیں کانوں کو اپنے کان۔ زبان کو اپنی زبان اور ہاتھوں کو اپنے ہاتھ بھی کس فخر سے کہا ہو گا۔ کیوں نہ کہتا خدا کے ہاتھ پاؤں۔ آنکھ، کان، ناک کہاں اپنے دل میں ہر چیز اتم و اکمل دیکھ کر کتنا خوش ہوا ہو گا۔ کاش ہم جناب ہمبل۔ لات و عزیٰ اور دیگر تین سو ساٹھ دیوی دیوتاؤں سے اُن کا چشم دید منظر سن سکتے مگر انھیں تو جناب امیر نے بڑے ہو کر دوش رسول پر چڑھ کر توڑ پھینکا۔ اسی لئے ناصبیوں کو جناب امیر کی پیدائش کے حالات نہ مل سکے۔ البتہ شیعوں کو امام غائب نے غیب سے معلوم کر کے بتا دیئے یا ہنبل مہاراج کی روح سے پوچھ لیا ہو گا جو اس پیدائش کے عینی شاہد تھے۔

دوسرا دعویٰ وصی رسول اللہ یعنی رسول کا جانشین ہونے کا عجیب ہے ۲۳ سال تک خلافت تیسرے آئی پھر بھی عقیدے کو کیا کہا جائے جسے چاہے اندھا کر دے۔

تیسرا دعویٰ۔ خلیفہ بلافصل دوسرے دعوے کی محض تاکید ہے اور ویسی ہی بے بنیاد اور لغو ہے جو محض کلمہ طیبہ کا مذاق بنانے کے لئے شامل کر دیا ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں جیسے ہندو کہتے ہیں کہ دُنیا گائے کے سینگ پر ٹکی ہوئی ہے جب وہ سینگ بدلتی ہے تو زلزلہ آجاتا ہے۔ اسی لئے وہ گائے کو پوجتے اور اُسے خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ گائے کو کھانے والوں کی جان لینے سے بھی باز نہیں آتے۔ افسوس کہ ہمارے شیعہ بھائیوں کو بیس تیس سال کا فصل کوئی فصل نہیں معلوم ہوتا۔

شیعہ توحید کا یہ حال ہے اور اس پر دعویٰ اسلام بھی ہے بخشش کی اُمید بھی ہے۔ مسلمانوں میں نام بھی ہے اور خدا ایک ہے کا نعرہ بھی بلند کرتے ہیں۔ اب چلئے اُن کے قرآن کا حال دیکھا جائے۔ کہتے ہیں ہمارا قرآن ایک ہے۔

ہمارا قرآن ایک ہے

قرآن پر شیعہ عقاید

افسوس کا مقام ہے کہ سبائی گروہ قرآن سے نابلد ہے۔ نہ اُسے پڑھنے کی توفیق رکھتا ہے نہ سمجھنے کی۔ البتہ مقدس

پردازی کے لیے حوالے پیش کرتا رہتا ہے۔ مثلاً ۱۰ خیر اُمّۃ کا ترجمہ کلب حسین صاحب فرماتے ہیں تم کیا اچھے لوگ ہو اور مجالس شیعہ صلاہ پر لکھتے ہیں اس آیت کے حقیقی مصداق آئمہ معصومین ہی تھے اسی لیے بعض مفسرین نے اس کو خیر ائمۃ بھی پڑھا ہے۔ یعنی اُمت کو آئمۃ پڑھنا تک ان کے ہاں جائز ہے" جب الفاظ بدل سکتے ہیں تو معنی بدلنے سے انھیں کون روک سکتا ہے۔ اب ذرا ان کے عقاید ملاحظہ فرمائیے۔

۱- قرآن کو ہم کلام قدیم نہیں مانتے۔ کیونکہ قدیم کئی نہیں ہو سکتے (عقائد الشیعہ ص۳۲)

بے شک آپ کو حق ہے۔ آپ ہرگز نہ مانئے۔ جب آپ نے خدا نیا بنا لیا۔ رسولِ خدا نیا کھڑا کر لیا۔ مذہب نیا تیار کر لیا۔ تو پھر قرآن کو کلامِ قدیم ماننے پر آپ کو کون مجبور کر سکتا ہے۔ آپ کا قرآن تو بالکل تازہ بتازہ مجالس عزا میں تیار کیا جاتا ہے۔ جہاں نئی نئی آیات پیش ہوتی ہیں اور نئے نئے معنی نکالے جاتے ہیں۔

۲- ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن کا پورا پورا علم حضرت علی علیہ السلام کو تھا اُن کے بعد ہمارے آئمہ کو پورا پورا علم قرآن تھا۔ (عقاید الشیعہ ص۳۲)

یہ عقیدہ دراصل اِس شیعہ حدیث کا ترجمہ ہے۔ قرآن کے اسرار و رموز کو سوائے اہلِ بیت کے کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا۔ فرمایا آنحضرت نے کہ جو شخص حدیث الثقلین کو نہ جانے وہ دین سے خارج ہے۔ (کنز المطاعن)

اور قرآن کہتا ہے" ہم نے قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے" ۵۴-۱۷

حقیقت یہ ہے کہ مفسدہ پردازی کے لیے سارا قرآن تو نہیں بدلا جا سکتا تھا۔ ایک ایک دو دو لفظ بدل کر مجتہد صاحبان جو چاہیں اپنے سامعین کو سمجھا لیں۔ جو خود قرآن سے نابلد ہوتے ہیں اور یہ بات اُسی وقت تک ممکن ہے جب تک وہ خود قرآن پڑھ کر سمجھنے کی کوشش نہ شروع کریں اسی لئے بھولے بھالے حاضرین مجلس سے کہا جاتا ہے کہ اماموں کے بعد کسی انسان کی قدرت میں نہیں کہ قرآن کو سمجھ سکے۔ اور وہ اسے تسلیم بھی کر لیتے ہیں۔

اس عقیدے کے دعوے پر پھر غور فرمائیے کہ پورا پورا علم صرف حضرت علی کو تھا اُن کے بعد دوسرے اماموں کو ہوا۔ مگر اس میں رسول خدا کا کہیں ذکر نہیں کہ انھیں تھا یا نہیں۔

حضرت بی بی فاطمہ کا تو خیر ذکر ہی کیا۔ اُن کے میاں خود قرآن ناطق تھے وہ قرآن صامت کو کیا کرتیں۔ جس طرح ہماری بیگم صاحبہ جب سے ریڈیو آگیا ہے اخبار نہیں دیکھتیں فرماتی ہیں کہ جب تازہ خبریں ریڈیو پر مل جاتی ہیں تو اخبار سے کون آنکھیں پھوڑے ۔

بھائی ظفر صاحب! قرآن کبھی آپ نے دیکھا یا پڑھا ہوتا تو اس میں پاتے کہ یہ قرآن ایک جاہل قوم پر اس کے سوچنے اور سمجھنے کے لئے نازل ہوا تھا جس نے بالآخر اُن کی کائنات اس طرح بدلی کہ آپ کے بزرگ بھی چلا پڑے ۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار   عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیاں را کنند آرزو   تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

یعنی اونٹ کا دودھ پینے والے اور سوسمار کھانے والوں سے ہمارا مقابلہ ہو اور وہ ایران کے تخت و تاج کا حوصلہ کریں۔ اے آسمان تجھ پر لعنت ہے۔

اور یہ اُسی قرآن کا طفیل تھا جس کے احکام کی وہ تعمیل کرتے تھے۔ اگر وہ بھی اُسے آپ کے اماموں کی طرح بغل میں دبا کر غائب ہو جاتے تو عرب قوم اور عربی زبان کو دُنیا میں کون جانتا۔ مجبوراً یہی کہنا پڑتا ہے کہ خدا آپ کو قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دے اور آپ بھی اپنے بزرگوں کی طرح اپنا دین ایمان چھپائے روتے پیٹتے چلے جائیں۔

۳۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو قرآن موافق تنزیل حضرت علی علیہ السلام نے جمع کیا تھا۔ وہ نسلاً بعد نسلاً ہمارے آیمہ کے پاس محفوظ رہا۔ اور اب وہ بارھویں امام علیہ السلام کے پاس ہے۔ (عقائد الشیعہ صـ۳۲ـ)

بسحان اللہ۔ آپ کا قرآن بارہویں امام کے پاس ہے۔ اور عقائد اُس قرآن کے بارے میں تحریر فرماد یئے جسے آپ مانتے نہیں یعنی مصحف عثمان سُنیّوں کا قرآن یہ بھی شرارت کی انتہا ہے مگر آپ بھی کیا کریں گے آپ کا تو مذہب یہی ہے۔

ہم نے سوال کیا تھا کہ جناب رسول خدا کو بھی قرآن کا کچھ علم تھا یا نہیں اس لئے آپ کو اشتیاق ہوگا کہ شیعہ جواب معلوم کیا جائے۔ آیئے مجالس شیعہ سے ایمان تازہ فرمایئے مجتہد العصر جناب کلب حسین صاحب کبن میاں فرماتے ہیں۔

قرآن کیسے اُترا

علی ماں کی گود میں قرآن صامت تھے رسول کی آغوش میں قرآنِ ناطق ہو گئے اگر روح اللہ نے پیدا ہوتے ہی

کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اُس نے مجھکو کتاب بھی دی ہے۔ اور نبی بھی بنایا
ہے۔ تو مولودِ کعبہ کا آغوشِ خاتم النبیین میں آکر کلام کرنا۔ کیونکر مانوں
کہ عقل انسانی کے قبول کرنے کے قابل نہیں۔ وقت ولادت ہی سے جس کا
علم یہ ہو معرفت یہ ہو وہ اگر آغوشِ رسالت میں آیاتِ الٰہی کی تلاوت
کردے تو تعجب کیوں انکار کیوں ہو۔ علی کے منہ میں رسول نے زبان
دے دی۔ یا محمد مصطفےٰ نے لسان اللہ سے زبان مس کردی۔ سب کلام اللہ
جاری ہوگا تو میری زبان سے اور ظاہر ہوگا علی کے دہن سے"
(مجالس الشیعہ صفحہ ۱۴۷ و ۱۴۹ کا ملخص)

ذرا غور سے دیکھئے کیسے رازہائے درون پردہ چاک ہو رہے ہیں۔
آپ کہتے ہیں رسول اللہ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور جبرائیل علیہ السلام نے پہلی
سورت اقرأ باسم ربك الاعلىٰ سکھائی۔ مگر ہمارے مولوی کین صاحب فرماتے ہیں۔
رسول اللہ بڑے مردم شناس تھے علی کے پاؤں گود میں دیکھکر پہچان گئے فوراً دوڑ کر اپنی
زبان اُن کے منہ میں دے دی معلوم تھا علی کی زبان کو اللہ نے اپنی زبان کہا ہے یعنی اپنی زبان
اللہ کی زبان سے مس کرلی۔ اب کلام اللہ جاری ہوگا تو میری زبان سے اور ظاہر ہوگا تو علی
کے دہن سے چنانچہ فوراً ہی حضرت علی قرآن کی آیات پڑھنے لگے اور رسول اس کو یاد کرنے
لگے۔ دس سال میں جب بہت کچھ یاد ہوگیا۔ تو دعوائے نبوت کر بیٹھے۔ لوگوں نے پوچھا
یہ کس کا کلام ہے تم تو اُمی تھے۔ فرمایا مجھ پر وحی آتی ہے۔ جبرئیل لاتے ہیں۔ نعوذ باللہ
من ذالك۔

پھر جناب امیر کو ہوش آتے ہی آپ نے باز پرس فرمائی یا اخی آپ نے یہ کیا کیا میرا
کلام اپنی طرف سے پیش کرکے نبی بن بیٹھے اب میں بڑا ہوا ہوں خود تبلیغ کر سکتا ہوں کیا کروں۔
جناب رسول نے سمجھایا کوئی بات نہیں تم غم نہ کرو تم میرے وزیر ہو۔ میرے بعد
میرے وصی ہوگے۔ میرے کوئی اولاد نہیں۔ سب کچھ تمہارا ہے۔ تم میرے خلیفہ بن جانا
اور اپنا کلام اپنے پاس رکھنا۔ پھر جب حوض کوثر پر ملاقات ہوگی وہاں سب حساب
بیباق کر دوں گا۔ کہیئے کیسی رہی۔

تحریف قرآن کا اعتراض | آغا محمد سلطان مرزا صاحب سابق سشن جج جو مذہب

امامیہ کے مبلغ بن گئے ہیں۔ قرآن پر سینکڑوں اعتراضات کئے ہیں جو خرافات اور بکواس محض ہیں نمونہ دیکھئے۔

"محض لوگوں کے سینوں میں چھوڑ دینے سے تو تحریف کا امکان کئی گناہ ہو جاتا ہے اور اس کا بالکل ضائع ہو جانا بھی آخر کار یقینی ہوتا ہے۔ عقل سلیم اس کو باور نہیں کرتی" (البلاغ المبین حصہ دوم ص ۳۶۹)

مشتشیخ صاحب کی عقل سلیم ملاحظہ فرمایئے۔ جو خرافات صدیوں سے ان کے پیشرو چھپاتے تھے اور جنھیں اپناتے ہوئے شریف شیعے شرماتے ہیں یہ کمال بے حیائی سے ضبط تحریر میں لاکر دنیا کو دھوکا دینے کی کوشش فرمارہے ہیں آپ کا قیاس ہے اور بقول ان ہی کے "أَوَّلُ مَنْ قَاسَ إِبْلِيسُ" یعنی پہلا قیاس سے کام لینے والا ابلیس تھا۔ کہ مسلمانوں کا قرآن جو صرف سینوں میں محفوظ رہا یعنی حفاظ کے ذہنوں میں وہ دراصل تلف ہو گیا اور بدل گیا مگر اصلی قرآن جس پر ان کو بھروسہ ہے وہیں رہا جہاں اُسے ہونا چاہیئے۔ یعنی امام غائب کی بغل میں۔ اور ان کو تا قیامت نصیب نہ ہوگا۔

معاذ اللہ اس رافضی کی جسارت کو دیکھئے خدا کے کلام کو جھٹلا رہا ہے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ اے پیغمبر آپ قبل اختتام وحی اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے کہ جلد زبان پر چڑھ جائے یہ ہمارے ذمہ ہے کہ اسے آپ کے قلب میں محفوظ کر دیں اور ٹھیک پڑھوا دیں۔ جب پڑھ دیا جائے تو آپ اس کو دہرایا کیجئے۔ پھر اُس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

(القیامۃ آیۃ ۱۵ - ۱۸)

مگر یہ اُسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ کہتا ہے کہ ذہن میں محفوظ رکھنے سے تلف ہو جانا یقینی ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب تیرہ سو سال میں ایک رافضی بھی حافظ قرآن نہ ہو سکا۔ اس بیچارے کو کیسے یقین آئے کہ قرآن ایک، دو، دس نہیں لاکھوں اور کروڑوں کی بندگان خدا کو لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف آج بھی یاد ہے اور وہ کسی جھوٹے رافضی کی تحریف برداشت نہیں کر سکتے۔ الّا اس کے کہ محرم کی شیرینی کے لالچ میں بدایونی جیسے چند ملا کیں حیالی کی تحریف کو مَن کر بی جائیں اور دم بخود رہیں۔

جمع قرآن پر مفسدہ

"علماء شیعہ کا قول ہے کہ قرآن شریف کے جمع کرنے کی طرف جناب رسول خدا نے شروع ہی

سے توجہ دی۔ حضرت علیؓ کے پاس آ سے جمع کرتے جاتے تھے اور اُمت کو
مطلع کرتے جاتے تھے کہ قرآن علی کے پاس ہے۔ یہ قرآن اور میری
عترت قیامت تک ساتھ رہیں گے۔ جو قرآن کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے
وہ علی کے پاس آئے" (صـ۳۷ البلاغ المبین حصہ دوم)

یعنی رسولؐ اصلی قرآن تو علی کو دیتے جاتے تھے اور معاذ اللہ تحریف شدہ قرآن سنیوں اور اپنی بیبیوں کو سناتے تھے۔ جس میں سے بھول چوک ہوتی تو وہ خود بھی گھٹاتے بڑھاتے رہتے۔ مگر اصلی قرآن علی کے پاس جمع ہوتا رہا تھا غالباً ابابیہ سیف ڈیپازٹ لاکر کے اندر۔ اور رسول اللہ رافضیوں سے چپکے سے بتا دیتے تھے کہ قرآن کا علم سیکھنا ہو تو علی کے پاس جاؤ۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ سنیوں کے لئے ہے اور غلطیوں سے پر ہے۔

پھر علیؓ نے اُس قرآن کا کیا حشر کیا اسی رافضی سشن جج کی قانونی زبان میں سُنئے :-

"کیا آپ کا خیال ہے کہ جناب رسول خدا اسی طرح لاپروائی کے ساتھ قرآن شریف کو بکریوں کے حوالے کر کے دنیا سے رُخصت ہو گئے۔ کیا انھوں نے اپنے وصی و جانشین و باب المدینۃ العلم کے ذمہ جمع قرآن کا فرض نہیں لگایا تھا۔ ضرور لگایا تھا جب ہی تو حضرت علیؓ نے اس فرض کی ادائیگی میں اس کام کو سب سے اوّل کر کے حکومت کے سامنے پیش کیا۔ مگر حکومت نے بوجوہ چند در چند جو ظاہر ہیں اس قرآن کو قبول کرنے اور شائع کرنے سے انکار کر دیا جس پر حضرت علی نے فرمایا کہ اب تم قیامت تک قرآن کو نہیں دیکھو گے"

(البلاغ المبین صـ۳۷ حصہ دوم)

یعنی وہی مثل ہوئی۔ دھوبی پر بس نہ چلا گدھے کے کان اینٹھے۔ جناب امیر کو غصہ تو آیا اہل حکومت پر مگر پھاڑ ڈالا اصلی قرآن۔

اس بے حیا سشن جج کو لکھتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ پڑھا لکھا ہے عقل سلیم رکھنے کا بھی دعویٰ کرتا ہے۔ مگر اپنے خبیث پیشرووں کی مفسدانہ روایتوں پر غور نہیں کرتا۔

بس لکھتا چلا جاتا ہے، اور نہیں سوچتا جو چیز کتاب میں لکھدی جائے گی وہ پڑھے لکھے لوگوں کے ہاتھ میں جائیگی اور وہ اس بھونڈی جہالت پر کتنا کڑھیں گے۔

ہمارا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ غلام محمد نے پاکستان کی پہلی مقننہ توڑی تو قوم نے آفت مچادی اس کی زندگی دو بھر کردی۔ پھر جنرل ایوب نے سد سکندری یعنی پہلا دستور کہہ لیجئے رافضیوں کا قلعہ البرز تھا۔ منسوخ کیا تو شور مچا ہوا ہے۔ بچہ بچہ چلا رہا ہے۔ ہمیں ہمارا پرانا آئین دو۔

اور مولا صاحب نے اُمت مسلمہ کا آئین۔ شریعت کا دستور ایک نئی زندگی کا نظام دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ یعنی اصلی قرآن پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور کسی رافضی نے بھی زبان سے اُف نہ کیا۔ اتنی متبرک اتنی محترم کتاب سے قیامت تک کی محرومی ہنسی خوشی قبول کرلی۔ جناب مولا کو غصہ آیا تھا تو خلیفہ سے لپٹ جاتے۔ ذوالفقار نہیں اٹھا سکتے تھے دانت ہی سے چبا ڈالتے۔ رات میں جاکر اس کا گلا گھونٹ دیتے یا اپنے شیعوں کو یعنی جناب عبداللہ بن سبا اور مالک اشتر کو اسی وقت بلا لیتے اور غلط قرآن کے نفاذ کو روک دیتے۔ مگر ناعاقبت اندیشی اور عجلت بازی ملاحظہ فرمائیے کہ اپنا اصلی قرآن جو رسول اللہ نے خاص طور پر جمع کروایا تھا ضائع کر بیٹھے۔

سنیوں نے اس کی پرواہ نہ کی تو رافضی ہی ہاتھ روک لیتے کہتے یہ کتاب اللہ کو ہمارے لئے رہنے دیجئے۔ ابھی چھپا رکھئے عثمانؓ کے مرنے کے بعد اس کا نفاذ کر دیجئے گا۔ اور اگر آپ کو کبھی خلافت میسر آنے کی اُمید نہیں ہے۔ تو اسے اپنے چچا عباسؓ کو دیدیجئے یا عبداللہ بن عباسؓ کو دیدیجئے۔ وہ درس قرآن و حدیث دیتے ہیں اس اصلی قرآن سے بھی استفادہ کرتے رہیں گے۔ کیا تعجب ہے کہ دونوں قرآن موجود ہوں تو اُمت کسی وقت جھوٹ اور سچ کا امتیاز کر کے بکری۔ عمری اور عثمانی قرآن کو رد کر دے مگر کسی شیعہ نے یہ نیک مشورہ جناب امیر کو نہ دیا۔ اصلی قرآن تلف ہو جانے دیا تاکہ قیامت تک اس کا رونا روتے رہیں۔ اور اسلام میں تفرقہ ڈالتے رہیں۔

کتابت وحی اور جمع قرآن پر اعتراضات

اجب آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ اس وقت زید بن ثابت کی عمر گیارہ برس کی تھی اور خاص ذہانت و ذکاوت کے مالک بھی

نہ تھے۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ایسے لڑکے کو اس کام پر مقرر کیا جاتا ہے اور حضرت علی کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا (البلاغ المبین ص ۳۴۳)

یہ زید بن ثابت رسول اللہؐ کے مقرر کردہ کاتب وحی تھے۔ مرزا صاحب معاذ اللہ رسولؐ پر تبرا بھیج رہے ہیں کہ علی کے ہوتے ہوئے کتابت وحی کا کام ایک گیارہ بارہ برس کے چھوکرے کے تفویض فرما دیا اور علی کو نہ پوچھا۔ استغفر اللہ ان منافقوں کی زبان اور جرأت کا اندازہ لگایئے۔

۳۔ "جب زید بن ثابت کو مجبوراً یہ پہاڑ اٹھانا پڑا تو انھوں نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے جتنا بھی قرآن انکے پاس تھا وہ طلب کیا"

(آغا سلطان مرزا ص ۳۴۲)

بے شک بڑا ظلم کیا۔ امہات المومنین سے پوچھا۔ حالانکہ انھیں عبداللہ بن سبا شیعہ رسول گرو کی بیگمات سے پوچھنا چاہیئے تھا۔ تاکہ رافضیوں کے لئے قابل قبول ہوتا۔ زید بن ثابت کی یہ ناتجربہ کاری تھی کہ اہل بیت رسول سے رجوع ہوئے اور قرآن کی سورتیں اور آیات طلب کیں۔ انھیں پہلے آغا صاحب کے اجداد سے کوفہ میں مشورہ کرنا چاہیئے تھا

۴۔ "اب دیکھئے جمع قرآن کمیٹی کے ممبران کون کون تھے۔ زید بن ثابت کا حال پہلے گذر چکا ہے عبداللہ ابن زبیر نواسے تھے حضرت ابوبکر کے ۲ھ میں پیدا ہوئے۔ گویا جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ یہ ہونہار نوجوان جن کے بارے میں حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ زبیر بن عوام ہم میں سے تھے جب تک ان کے بیٹے عبداللہؓ بڑے نہیں ہوئے۔ سن تمیز کو پہنچ کر انھوں نے اپنے باپ کو حضرت علی کے مخالف کر دیا۔ جنگ جمل ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ سعید بن العاص بنو امیہ میں سے تھے ۱ھ میں پیدا ہوئے۔ جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی اُن کے والد بزرگوار کو حضرت علیؓ نے جنگ بدر میں قتل کیا (وغیرہ وغیرہ دیگر مکروہات تبرا کے بعد سوال کرتا ہے) تو کیا احتمال نہیں ہو سکتا کہ اور ایسی آیتیں ہوں گی جو جمع ہونے سے رہ گئیں کیونکہ زید بن ثابت کے ذہن سے اتر گئیں۔ اس جمع شدہ قرآن کو چاہیئے تھا کہ مسجد میں صحابہ کے مجمع میں پیش ہوتا۔ تاکہ اس میں کوئی آیت نہ ہوتی تو دیگر لوگ اس کی کمی کو پورا کر دیتے۔ بلکہ بہتر تو یہ تھا کہ تمام سلطنت سے قرآن شریف جمع کرکے اس سے

مقابلہ کرتے۔ (البلاغ المبین ص ۳۷۷)

یہ ایک ایسے خبیث شیشن نج کے اعتراضات لایعنی ہیں جو خود اپنے قرآن سے نابلد ہے۔ اس کے قرآن کو امام اول نے تلف کر دیا۔ پھر دوسرے اماموں نے جو قرآن شیعہ گرو عبداللہ بن سبا کی زیر ہدایت تیار کیا تھا وہ ایک ماں کے پیٹ سے نکل بھاگنے والا نے بھاگا۔ اور تیرہ سو سال سے مفقود الخبر ہے جسے صبح شام اور رات کو ہر نماز کے بعد بلاتے رہتے ہیں۔

السلام علیک یا شریک القرآن عجل اللہ فرجک وسھل اللہ مخرجک (دعائے زیارت دیکھئے) یعنی اے شیعوں کا قرآن لادے لادے پھرنے والے امام صاحب۔ اللہ آپ کو جلدی نکالے۔ اور آپ کا نکلنا آسان کرے۔

اور دلیری دیکھئے کہ مسلمانوں کے قرآن کی ساری خامیاں بیٹھے گنا رہے ہیں ۲۳ سال کے لڑکوں نے اس قرآن کو جمع کیا جسے خلیفہ نے حرف آخر کہہ کر جاری کر دیا۔ نہ مسجد میں پیش ہوا نہ مسلمانوں کو پتہ چلا اس میں کیا لکھا ہے۔ نہ کسی رافضی کے اعتراضات کو گوارہ کیا گیا۔ گویا وہ بھی علی کا قرآن تھا جو پیش ہوا اور رد ہوتے ہی تلف کر دیا گیا۔

اس عبداللہ بن سبا کے فرزند مسعود سے کون پوچھے کہ خلیفہ عمر نے جب بیس رکعت تراویح کی جاری کیں اور علی کو ان کے پیچھے کھڑے ہو کر رمضان بھر وہی قرآن سننا پڑا تو کتنی غلطیاں نکالیں۔ کون کون سی سورتیں ترمیم شدہ یا تنسیخ شدہ پائیں۔ کتنی بار امام کو لقمہ دیا۔ اور ان کی اصلاح کے لئے کیا سعی فرمائی۔

۴۔ لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ بلکہ اسے حکماً قطعی کر کے کسی اور کو اس پر گفتگو کرنے کا حق بھی نہ دیا۔ اور جس نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا اسے مارا۔

(البلاغ المبین ص ۳۷۷)

یعنی جب جناب امیر علیہ السلام غالب علی کل غالب نے اسے ماننے سے انکار کیا تو حضرت عثمان نے ان کی پٹائی کی۔ استغفراللہ۔

افسوس صد افسوس یہ اپنے امام اول کی عزت افزائی فرمائی جا رہی ہے۔ اور اس پر محبت کا دعویٰ بھی ہے۔

۵۔ ایسی سختی کی در انحالیکہ خود قرآن کا علم نہ رکھتے تھے اور اپنے پاس مکمل قرآن نہ تھا۔
(البلاغ المبین ص ۳۷۷)

یہ تو خلیفہ کا فرض تھا۔ جو کچھ اپنی دانست میں ٹھیک کیا اسے تسلیم کروا کر چھوڑا۔ کسی کو بغاوت یا عدول حکمی کرنے کی نہ جرأت ہوئی نہ موقع دیا۔ وہ سبائی اماموں کی طرح نہ تھے جو چوری چھپے قرآن جمع کرتے اور پھر مارے خوف کے اسے تلف کر ڈالتے یا ایک نومولود کی پیٹھ پر لاد کر اسے فرار کر دیتے۔

۶۔ اتنی مشکلات جمع قرآن میں پیش آئیں مگر حضرت علی کی طرف رجوع نہ کیا۔
(البلاغ المبین ص ۳۷۷)

مشکلات سے جوانمرد نہیں گھبراتے۔ علی کی طرف کیا رجوع کراتے ہو شرم سے ڈوب مرو۔ ابھی کہہ چکے ہو کہ علی نے اپنا قرآن تلف کر دیا تھا پھر کیا خاک بتاتے جو ان سے رجوع کیا جاتا۔ مگر تم تو اپنے جاہل شیعوں کو خوش کرنے کے لئے جھوٹ سچ کے پل باندھ رہے ہو۔ تبرا اور تقیہ کے ثواب لوٹ رہے ہو تمہاری بلا سے علی بدنام ہوں یا اسلام رسوا ہو۔

مندرجہ بالا نتائج اخذ کرنے کے بعد سشن جج صاحب اپنا فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔

"ان تمام امور سے صریحاً ثابت ہے کہ جمع قرآن ایک سیاسی تدبیر تھی۔ امام لوگوں کو جتانا مطلوب تھا کہ حضرت علی سے بہت اعلیٰ و برتر و افضل لوگ موجود تھے۔ ان میں تو معاذ اللہ قرآن جمع کرنے کی بھی اہلیت نہ تھی۔ ان سے ۲۲ برس کے چھوکرے زیادہ عالم قرآن تھے۔"
(البلاغ المبین حصہ دوم ص ۳۷۸)

دیکھئے کتنا بڑا ظلم جناب مولیٰ علی پر کیا گیا۔ ۲۲ سال کے چھوکر دں کو جمع قرآن کمیٹی کا صدر بنا دیا گیا (زید بن ثابت کاتب وحی رسول کی طرف اشارہ ہے) مگر جناب علی کے سے باب العلم کو نہ پوچھا۔ حتیٰ کہ معمولی ممبر بھی نہ بنایا گیا۔ آیتیں اور سورتیں جو چھوٹ گئی تھیں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے پوچھی گئیں مگر علیؑ جو اپنا قرآن تیار کئے بیٹھے تھے۔ گم دیکھتے رہے۔ کچھ نہ بولے۔ ان چھوکر دں نے سیاسی اغراض کی تحت بڑی کانٹ چھانٹ کی اور بہت سی سورتیں اپنی طرف سے بنا کر شامل کر دیں۔ اور اللہ میاں کا دعویٰ بھی غلط کر دیا جنھوں نے ساری عرب قوم کو للکارا تھا کہ ایک سورت ہی سہی اس قسم کی بنا کر لاؤ۔ تب تو واقعی یہ چھوکرے علی سے زیادہ ہوشیار نکلے۔ علی تو محض وہی قرآن لئے بیٹھے تھے جو رسول نے اُمت سے چھپا چھپا کر جمع کرنے کو دیا تھا۔ مگر ان چھوکر دں نے تو کمال کر دیا۔ ایسا قرآن تیار کر لیا جسے تیرہ سو سال سے ایک دنیا کلام اللہ جان کر

پڑھتی حفظ کرتی سمجھتی اور اس کے احکام پر عمل کرتی ہے۔ جو اس قرآن سے بدرجہا بہتر ہے۔ جو امام غائب کی پیٹھ پر لدا ہوا ہے جس کے بوجھ سے وہ بیچارے نکل نہیں پاتے۔ باوجود لاکھوں رافضیوں کی دعاؤں اور منتوں کے جو تیرہ سو سال سے ہو رہی ہیں اُن کا نہ نکل سکنا واقعی عبرتناک حقیقت ہے۔ مگر ان احمقوں کو کون سمجھائے۔

لیکن ٹھیریئے آغا صاحب کے فیصلے کو پھر پڑھئے۔ شاید انھوں نے تقیہ سے کام لیا ہو۔ اُن کے الفاظ کے معنی کچھ اور ہوں۔ وہ لکھتے ہیں۔ عام لوگوں کو جتانا تھا کہ حضرت علی سے بہت اعلیٰ و بہتر و افضل لوگ موجود تھے" اور حضرت علی میں قرآن جمع کرنے کی بھی اہلیت نہ تھی" آغا صاحب نے ۲۲ برس کے چھوکروں کو علی سے افضل و اعلیٰ گردانے کا طنز بلا وجہ نہیں کیا ہے۔ چلیے تاریخ سے دیکھیں معاملہ کیا ہے۔ علی سے کہا جاتا کہ قرآن جمع کر دو تو وہ حکم بجالاتے یا انکار کرتے کیونکہ وہ تو کسی خلیفہ کو خلیفہ تسلیم ہی نہیں کیے تھے چنانچہ شیعہ کلمہ بھی کہتا ہے کہ وہ خلیفہ بلافصل تھے۔ اور تینوں خلیفہ غاصبانِ خلافت تھے جنھوں نے اُن کا حق چھین لیا تھا یہ راز ہمیں تاریخ کے صفحات سے معلوم کرنا ہوگا۔

ایامِ جاہلیت اور فنِ نوشت وخواند

بعثتِ نبوی سے پہلے کا زمانہ عرب کا دور جاہلیت کہلاتا ہے۔ یعنی حضور صلعم بھی بعثت سے پہلے اُمی تھے جس کا ذکر قرآن شریف میں کئی جگہ ہوا ہے۔ اور آپ کے اہل بیت بھی اُمی تھے جن میں حضرت نے پل کر ہوش سنبھالے۔ چنانچہ شیعہ عقیدہ بھی ہے۔

> "ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول کی طرح ہمارے کسی امام نے بھی دنیا کے کسی عالم سے کسی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی تھی۔
>
> (عقائد الشیعہ صـــ۳۳ ظفر حسن)

اگلے صفحے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مکتوب متبرکہ ہدیۂ ناظرین ہے جو ایک جلیل القدر صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی کے ذریعہ مقوقس کے پاس جو مصر کا رومی گورنر تھا بھیجا گیا تھا۔ وہاں شاہی کاغذات میں محفوظ رہا اور اہل یورپ کی چھان بین سے۔ دنیا کی نظروں کے سامنے آگیا۔ کہتے ہیں :-

ایک فرانیسی نے مصر کے قدیم شہر اخمیم کے گرجا میں ایک قبطی راہب کے پاس سے حاصل کر کے سلطان عبدالمجید خاں فرمانروائے دولتِ عثمانیہ کی خدمت میں ہدیتہً

فرمانِ والاشان حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، بنام سلطانِ مقوقس ِمصر

پیش کیا جو دیگر تبرکات نبویہ کے ساتھ قسطنطنیہ کے شاہی خزانہ میں محفوظ رہا۔ نامہ مبارک کرم خوردہ ہو گیا ہے لیکن اس کی عبارت کتب سیر میں درج ہے جو اس فرمان کی عبارت سے مطابقت رکھتی ہے۔ یہاں مع ترجمہ کے درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الی المقوقس عظیم القبط۔ سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام فاسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط۔ یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن و رحیم ہے۔ یہ خط ہے اللہ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کے نام۔ جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول قبول کر لو سالم و محفوظ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تم کو دوہرا اجر عطا کرے گا اور اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو قبطیوں کی گمراہی کا وبال بھی تم پر پڑے گا۔ اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی جانب جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوائے کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک مقرر کریں اور نہ آپس میں ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوائے رب تسلیم کریں اور اگر تم کو یہ منظور نہیں تو (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے آپ کہہ دیجئے کہ ہم تو خدا کے ماننے والے ہیں۔

اس سے اُس زمانے کے رسم الخط کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ کسی بادشاہ یا گورنر کے پاس جانیوالا خط۔ احتیاط اور اہتمام سے لکھا گیا ہوگا۔ اُس وقت جو بہترین کاغذ مل سکا ہوگا۔ استعمال کر کے کسی بہترین کاتب سے خوب جما کر لکھنے کو کہا گیا ہوگا۔ پھر مہر نبوی ثبت لگی ہوگی اور جلیل القدر سفیر کو دے کر رخصت کیا گیا ہوگا۔

پھر اسے موجودہ دور کے مطبوعہ کسی قرآن سے ملا لیجیے کیا یہ زبان حال سے بتلا نہیں رہا ہے کہ کسی نوآموز بچے ہی نے لکھا ہے۔ جو غالباً حضرت زید بن ثابت ہوں گے، مگر یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خدمت جلیلہ جناب امیر نے انجام دی تھی۔

آغا صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ زید بن ثابت حضور کے کاتب وحی تھے گو ہجرت کے وقت اُن کی عمر دس بارہ سال تھی۔ اور حضرت علی ان کے نزدیک کاتب وحی نہیں تھے۔ البتہ امیر المومنین حضرت معاویہ بن سفیانؓ کو یہ شرف حاصل تھا جس سے کوئی رافضی انکار نہیں کرسکتا۔ اب دیکھئے کہ زید بن ثابت اور دوسرے بچوں کو لکھنا کس نے سکھایا تھا۔

تاریخ اسلام حصہ اول شاہ معین الدین ندوی غزوہ بدر ۲ھ کے تحت لکھتے ہیں۔

"مشاہیر قریش میں حضرت عباس عقیل بن ابوطالب نوفل الحارث بن عبدالمطلب وعبد بن زمعہ وغیرہ گرفتار ہوئے۔ آنحضرت نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی رائے ہوئی کہ سب کو قتل کر دیا جائے۔ آنحضرت نے ابوبکر کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ نہ ادا کر سکتے تھے اُن میں جو لکھنا جانتے تھے اُن کے متعلق حکم ہوا کہ دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھائیں تو رہا کئے جائیں" صـ۴۲ـ

گویا یہ اُس زمانہ کی فورڈ فاؤنڈیشن اسکیم تھی جس کے ذریعہ مسلمانوں میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھائی گئی۔ اور غالباً زید بن ثابت اور دیگر ممبران کمیٹی بقول آغا صاحب اسی اسکیم کے تحت فارغ التحصیل ہوئے اور کتابت وحی کے متبرک وقابل تعظیم مرتبہ پر فائز ہوئے۔ اگر سن رسیدہ اور نوجوان طبقے میں بھی کوئی پڑھا لکھا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ رسول اللہ ایک بچے کو پسند فرماتے اور جناب علی کو نظر انداز کر دیتے۔

علاوہ اس کے تاریخ خود بتاتی ہے کہ علی کے والد کی عسرت و تنگدستی نے بچوں کو عزیزوں میں تقسیم کروا دیا تھا جعفر کو اپنے بھائی عباسؓ کو دیا اور علی کو بھتیجے کے سپرد کیا۔ اس لئے رسمی تعلیم یعنی نوشت وخواند سے اُن کا نابلد رہنا عجب نہیں۔ خاص کر جب مکہ اور نواح مکہ میں کوئی باقاعدہ طرز تحریر ہی موجود نہ تھا۔

پروفیسر حتی تاریخ ملت عربی صـ۱۳۴ـ پر ایام جاہلیت کی تعریف کرتے ہیں:

اس عہد پر مستند تاریخ کی روشنی کم پڑ سکی ہے۔ عرب میں اُن دنوں کوئی باقاعدہ

طرز تحریر نہ تھا۔ اور شمالی عرب میں تحریر کا ضابطہ قریب قریب بعثت نبوی تک تیار نہ ہو سکا تھا۔ جاہلی ادب میں نثر کی نمائندگی صرف اس لئے نہ ہو سکی کہ وہاں کوئی رسم الخط ہی مکمل نہ ہوا تھا

ان حالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی علم و دانش میں خواہ کچھ بھی مرتبہ رکھتے ہوں مگر نوشت و خواند سے بخوبی واقف نہ تھے اور یہی وجہ تھی کہ نہ رسول کے کاتب وحی کا کام زیادہ کر سکے نہ خلفاء نے جمع قرآن کمیٹی کا ممبر بنانے کا خیال کیا۔ ایسے ہی قرآن عثمانی کو تسلیم نہ کرنے کا سوال اور اپنا قرآن علیحدہ تیار کرنے کا مسئلہ تو ہر مسلمان بچہ جانتا ہے کہ یہ محض رافضی افترا ہے۔ نہ حضرت علی نے کبھی کوئی ایسا مہمل دعوی کیا نہ ان کو کسی اور دینی کام سے اختلاف ہوا اور نہ انھوں نے خلفاء کے کسی حکم سے کبھی سرتابی کی جو ہم باب امامت میں شیعہ روایتوں سے ثابت کریں گے۔

تلاوتِ قرآن کا مضحکہ

سابقہ روایات و اعتراضات سے ناظرین پر واضح ہو چکا ہے کہ مذہب شیعہ نے قرآن کو زیادہ سے زیادہ مطعون کرنے کی کوشش صرف اس لئے کی ہے کہ اُن کے عوام کے دل سے اس کی وقعت ختم ہو جائے اور وہ اُسے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہ کریں وہ جانتے تھے کہ قرآن پڑھنے والا اُن عقائد کو کبھی برداشت نہ کر سکے گا جو اس مذہب کی بنیاد ہیں۔ جیسے تقیہ جو شیعہ مذہب کا ۹/۱۰ حصہ ہے۔ مگر قرآن کہتا ہے۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ تبرا جسے قرآن اس طرح منع کرتا ہے۔ وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ط یعنی جو لوگوں کی عیب جوئی کرتا اور آوازے کستا ہے اس کے لئے بڑی تباہی ہے۔ یا فرمایا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔ مسلمانو خدا سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ رہو۔ متعہ جس کے لئے کہا۔ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ط اے پیغمبر کہدو کہ اللہ بے حیائی کے کاموں کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تولا جس کا حال ہم آگے افشاء کرنے والے ہیں۔ اللہ کو بالکل پسند نہیں۔ وہ اپنی پرستش میں کسی کی شرکت کو پسند نہیں فرماتا۔ قرآن کہتا ہے۔ فلا تدع مع اللہ الٰہا آخر فتكون من المعذبین۔ تم خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ پکارنا ورنہ مشرکوں کی طرح تم بھی مبتلائے عذاب ہو جاؤ گے۔ اور یہ صاف اشارہ ہے۔ غیر خدا کو مدد کے لئے پکارنے کی ممانعت کا جیسے یا مولا۔ یا مشکل کشا اور یا علی کی طرف جن سے

حصول مقصد کے لیے عوام کالانعام کو رجوع کرایا جاتا ہے۔

چنانچہ بے چارے شیعوں کو دھوکا دیا گیا ہے کہ اصل قرآن جناب امام غائب کے پاس ہے۔ جب وہ واپس آئے گا اُس کا پڑھنا شیعوں کے لئے باعث ثواب ہوگا اور موجودہ قرآن چونکہ خلفاء یعنی مخالفین علی کا تیار کردہ ہے نہ قابل احترام ہے نہ قابل اعتناء اس کو پڑھنا فضول ہے۔

اب دیکھئے اصلی قرآن امام غایب صاحب کس طرح لائیں گے۔ اور وہ کیا ہوگا۔ حدیث مفضل مُلّا باقر مجلسی بحارالانوار جلد سیزدہم میں لکھتا ہے:۔

"قایم کعبہ کی طرف پشت کئے ہوئے فرمائیں گے۔ جس کو کتاب اور خدا کے صحیفوں کے سننے کی خواہش ہو وہ مجھ سے سُنے۔ پس آپ صحیفوں کو پڑھنا شروع کریں گے جو آدم و شیث پر نازل ہوئے تھے۔ بعد ازاں صحف نوح و ابراہیم و توریت و انجیل و زبور کی تلاوت فرمائیں گے۔ جنھیں سنکر اہلِ توریت و انجیل کہیں گے کہ خدا کی قسم یہ صحیفے حق ہیں اور ان میں سے کوئی بات نکالی نہیں گئی۔ اور نہ ان میں کچھ تحریف ہوئی۔ اور خدا کی قسم یہی توریت جامع اور زبور و انجیل تمام و کامل ہے۔ اور یہ کتابیں جو ہم پڑھا کرتے تھے وہ ان کی برابر نہیں ہیں۔ اس کے بعد آپ قرآن کریم کی تلاوت کریں گے جیسے حق تعالےٰ نے جناب محمد مصطفےٰ پر نازل فرمایا تھا۔ اور اس میں سے کوئی آیت یا کلمہ نکالا نہیں گیا۔ اور نہ اس میں تبدل و تحریف ہوئی۔ پھر رکن و مقام کے درمیان دابۃ الارض ظاہر ہوگا جو مومن کی پیشانی پر مومن اور کافر کی جبیں پر کافر لکھدے گا۔" (گنج مفقل ترجمہ حدیث مفضل ص۱۲)

اِس سے معلوم ہوا کہ امام مہدی جو بارہ سو سال سے غائب اور مستور ہیں ابھی زبور، انجیل، تورات، اور دیگر صحائف یاد کر رہے ہیں اور اصل قرآن بھی جو حضرت علی نے جمع کر کے تلف کردیا تھا جس میں نہ کوئی تحریف ہوئی ہے نہ تبدیلی۔ کیونکہ جب امام صاحب ظہور فرمائیں گے انھیں سب شیعوں کے سامنے کھڑے ہوکر سنانا پڑے گا۔ ورنہ شیعہ قوم محض قرآن سنانے والے کو امام برحق نہیں سمجھے گی

امام مہدی قبلہ کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوں گے (منہ نہیں کریں گے) اور آسمانی کتابیں سنانا شروع کریں گے۔ شاید آپ سوچیں اس میں کئی دن یا مہینے لگ جائیں گے اور بیچارے شیعہ کب تک عبرانی، سریانی اور نہ جانے کن کن زبانوں کے صحائف کھڑے سنتے رہیں گے۔ شاید سیکڑوں برس کے انتظار نے ان میں اتنا اشتیاق پیدا کر دیا ہو کہ مہینوں کھڑے سنا کریں اور نہ تھکیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوگا۔

آسمانی کتابیں تو گویا نام نہاد اہلبیت کا اوڑھنا بچھونا تھیں۔ جناب امیر علیہ السلام گھوڑے پر بیٹھتے ہوئے ایک رکاب سے دوسری رکاب میں پیر رکھنے سے پہلے قرآن شریف ختم کر دیتے تھے۔ چنانچہ بعض جاہل مسلمانوں نے بھی اس اعتقاد کو فخریہ اپنایا ہے۔ ایک مسجد کا مولوی اس عقیدے کو اس طرح نظم کرتا ہے۔

قدم تا قدم کرتے تھے ختم قرآں ہے مشہور دوراں کرامت علی کی

اور یہ اُس قرآں کی مٹی پلید کی جا رہی ہے جس کی حفاظت کا اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ تا قیامت اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکے گی۔ جسے مسلمانوں نے اپنے دلوں اور دماغوں میں پتھر کی لکیر کی طرح پیوست کیا۔ اس کا ایک ایک سورہ ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ اور حرف گن کر جمع کر دیا اور اس پر مسلمان قوم ناز کرتی ہے۔ یہ گمراہ و بدعقیدہ رافضی کہتے ہیں کہ قرآن کے تیس پارے جس میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ چھ ہزار دو سو چھتیس آیتیں۔ ستتر ہزار نو سو چونتیس الفاظ اور تین لاکھ تیئس ہزار چھ سو اکیس حرف ہیں جو رسول پر ۲۳ سال میں نازل ہوا حضرت علی قدم قدم پر ختم کر دیتے تھے۔ اس سے بڑھ کر توہین خدا کے کلام کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی اہمیت رافضی تبرا کے برابر بھی نہ ہو جو یہ قدم قدم پر بکتے رہتے ہیں۔

شیعہ تو اس اعتقاد کو مصلحتاً بیان کرتے ہیں تاکہ قرآن کی بے قدری ہو مگر عام مسلمانوں کا اس کو یقین کر لینا اور حضرت علی کی کرامت جاننا کس قدر شرمناک اور افسوسناک ہے جو ان مولویانِ یتیم خانہ نے رائج کر رکھا ہے۔

چنانچہ سبائی دعویٰ ہے کہ امام مہدی بدہضمی کی ڈکاروں کی طرح ساری کتابیں قدم قدم پر چھوڑتے چلے جائیں گے۔ اور شیعہ ان کی توثیق کر دیں گے۔ بیچارے سُنّی منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔ اور دابۃ الارض نکل کر ان کی پیشانی پر "ہٰذا کافر" لکھ دے گا۔

شیعہ مذہب کی دوسری جڑ

عدل :- خدا انصاف ور ہے ظالم نہیں ہے

ظلم بُری چیز ہے۔ اور خدا ہر بُرائی سے پاک ہے (شیعہ بچوں کی نماز ص۳)
یہ بچوں کو سمجھایا جا رہا ہے۔ معصوم بچے جب ظلم اور عدل کا تعلق سوچنا شروع کرینگے۔ تو ظلم پر تبرا بھی بھیجنے لگیں گے۔ اور جب ظلم کا خدا سے تعلق نہیں تو پھر اُس کی عدل کی صفت کے ساتھ ظلم کو یاد دلانا سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ بچے کو احساس دلایا جائے کہ جب ظلم ہونے لگتا ہے تو خدا بھی کچھ نہیں کر پاتا۔ بیٹھا دیکھا کرتا ہے۔ اس لئے خود شیعہ بچوں کو چاہیئے کہ ظلم کے خلاف تبرا بھیج بھیج کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیا کریں۔ لیکن ابھی آپ کو تبرا کی خبر نہ ہوگی۔ ذرا اِس عقیدے میں اُسے ڈھونڈیئے۔

"خدا خیر محض ہے۔ اور خیر ہی کو دوست رکھتا ہے۔ شر کا اُس کی ذات سے تعلق نہیں۔ مسلمانوں کے ایک گروہ کا کہنا۔ خیرہٖ وشرہٖ من اللہِ تعالیٰ (اچھائی اور بُرائی سب اللہ ہی کی طرف سے ہے) کھُلا ہوا دھوکا ہے اور غلط بیانی ہے۔ جن لوگوں نے اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے اور زبان ملامت بند کرنے کے لئے یہ عقیدہ ایجاد کیا تھا۔ لوگ اس فریب میں آکر کہ اچھا اور بُرا خدا ہی کی طرف سے ہے ہمارے ظلم وجور پر ہمیں ملامت نہ کریں۔ ورنہ کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی شر کی نسبت خدا کی طرف نہیں دے سکتا۔ شر پیدا کرنا بندے کا کام ہے) (عقائد الشیعہ ص۱۷)

شاید ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو کہ یہاں کم سے کم ایک خوبی اللہ میاں کی ایسی ہے جسے رافضی بھی مانتے ہیں یعنی خیر کی۔ لیکن وہ بھی کس مصیبت کے ساتھ کہ بیچارے اللہ میاں کا بھی ناطقہ تنگ ہو گیا ہوگا۔ ان میں خیر کی تو صلاحیت ہے مگر شر کی نہیں کیونکہ شر خود دُنیا میں خیر سے کہیں زیادہ پھیلا ہوا ہے اُن کے بس کی بات نہیں شر

پھولانے کے لئے زیادہ پھرتی اور مستعدی کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ رافضیوں کو اللہ میاں میں نظر نہیں آتی۔ اصل مطلب یہ ہے کہ شر کا خدا اھرمن ہے اور خیر کا خدا یزدان مگر چونکہ مجوسیت کو برملا ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں دوسرے گروہ پر تبرا[13] بھیج کر دل ٹھنڈا کر لیا گیا۔ البتہ اتنا پتہ چل گیا کہ مسلمانوں کے صفت ایمان میں خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ کے عقیدے کے سہارے معصوم اماموں پر بڑے بڑے مظالم ڈھائے گئے ہیں۔ ہم اُن مظلوموں کے رونے والوں سے صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ مظلوم اوّل نے عرفت ربی بفسخ العزایم (یعنی میں نے اپنے عزایم میں ناکامیوں سے خدا کو پہچانا کہ اس دنیا کا کرتا دھرتا کوئی موجود ضرور ہے) کیسے کہدیا تھا۔ کیا وہ عزایم نیک نہ تھے۔ جو اللہ کی نصرت نصیب نہ ہوئی۔ بیشک اللہ تعالےٰ شر سے بری ہے اور شر میں کسی کی مدد نہیں کرتا۔

بہر حال ان معصوم اماموں پر جو مظالم ہوئے ان سے شبہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں عدل نہیں ہے نعوذ باللہ وہ ظلم دیکھتا رہا اور اپنے برگزیدہ بلکہ اپنے فرستادہ اماموں کو اُن کے جائز حقوق نہ دلاسکا گو اُنھوں نے اپنے بس بھر پوری کوشش کی حتیٰ جان کی بازی بھی لگادی۔ مگر اُن کی قسمت میں محض خطبۂ شقشقیہ اور دُعائے سیاسب ہی لکھی تھی جسے پڑھتے ہوئے محروم و نامراد اُٹھ گئے۔۔

مگر ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ میں عدل کی صفت موجود ہے وہ اُن سب مظالم کی تلافی فرمائے گا۔ سارے گلے شکوے دفع کردے گا۔ ذرا جناب قایم آلِ محمد کو ظہور فرمانے دو۔

یہ کس طرح ہوگا حدیث مفصل از ملا باقر مجلسی بحوالہ بحار الانوار ج[13] صـ۲۰ ملاحظہ فرمائیے:۔

"فرمایا امام جعفر علیہ السلام نے کہ قایم آلِ محمد اپنے نقباد کو حکم دیں گے کہ رسول خدا کے پاس جو دو قبریں ہیں اُکھاڑ دی جائیں۔ پھر وہ لاشوں کو زندہ کریں گے اور تمام مومنین کو جمع کرکے اُن دونوں کے افعال کربیان کریں گے جو مختلف اوقات میں اُن سے سرزد ہوئے حتیٰ کہ آپ ہابیل پسر آدم کے قتل ہونے کا

واقعہ اور حضرت ابراہیم کو آگ میں اور حضرت یوسف کو چاہ میں ڈالنے۔
حضرت یونس کا شکم ماہی میں قید ہونے قتل یحیٰی اور حضرت عیسیٰ کو دار پر کھینچنے۔ سلمان فارسی کے مارنے۔ درخانہ جناب امیر و فاطمہ و حسنین پر جلانے کے سلئے آگ لے جانے۔ صدیق اکبر جناب فاطمہ و زہرا کے بازو پر تازیانے لگانے اور ان کو ایسا صدمہ پہنچانے جس سے حمل محسن اسقاط ہوا۔ حضرت امام حسن کو زہر دینے، امام حسین کو قتل کرنے اور آپ کے اطفال و اصحاب کے سر کاٹنے اور ذریت رسول خدا کو اسیر کرنے۔ آل محمد کا خون بہانے اور تمام معصیت و ظلم و جور کے واقعات جو عہد آدم سے تا زمانہ قایم گذرے ہیں۔ بیان فرما کر ان دونوں کے ذمہ ثابت فرمائیں گے اور وہ بھی ان جرموں کا اقرار کریں گے۔ اس کے بعد بحکم قایم لوگ ان سے قصاص لیں گے اور پھر انہیں درخت سے دار پر کھینچا جائے گا۔ اور حضرت کے حکم کے موافق آگ انہیں جلا کر خاک اور ہوا ان کی خاک کو برباد کر دے گی۔"
(حدیث مفصل از گنج مقفل صـ)

یہ شیعہ مذہب کے خدا کا عدل ہو گا جو چودہ سو سال بیٹھا دیکھتا رہا زندگی بھر تو ان کا بال بیکا نہ کر سکا مگر جب جناب قایم یعنی امام مہدی صاحب جو خود اپنی جان کے خوف سے بارہ سو سال سے مستور ہیں ہمت کر کے نکلیں گے تو ان کے ذریعہ سب بدلے ایک ہی دن میں چکا لے گا۔ خدا مبارک کرے اور وہ دن نصیب ہو جب جناب قایم اور شیعہ خدا دونوں میں اتنی اخلاقی جرأت پیدا ہو جائے۔ نعوذ باللہ۔
مگر آپ کو حیرت ہو گی کہ یہ قایم صاحب جو دنیا میں عدل قایم کرنے تشریف لا رہے ہیں۔ آدم سے لے کر قیامت تک کے سارے مظالم ان دو بیچاروں کے سر کیوں تھوپ دیں گے جن کی شرافت کا اہل رافضیوں کو بھی اقرار ہے کہ وہ ان گناہوں کی ذمہ داری بھی لیں گے جو ان سے پہلے سرزد ہوئے اور جو ان کے بعد ہوتے رہے۔ اس کی وضاحت بھی اسی حدیث سے سنیئے۔
" توضیح از حدیث مفصل معاصی و قبایح جو ان کے ذمہ ثابت

ہوں گے باوجودیکہ اکثر ان میں سے اُن کی پیدائش سے پہلے واقع
ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خالق بے ہمتا نے ایک نور پیدا کیا۔
اور اس کے مقابل اُس نور کے سایہ سے ایک ظلمت پیدا کی تاکہ
خلائق کا امتحان لے۔ اور خبیث کو طیب سے اور بد وں کو نیکوں
سے جدا کرے۔ اگر تنہا نور کو پیدا کرتا تو طریقہ امتحان درست نہ ہوتا
پس حسب مقدمۂ سابق لازم ہوا کہ اُن کی ظلمت تمام عاصیوں کی
ظلمت سے قوی تر ہے۔ کیونکہ یہ ظلمت نور پاک محمد مصطفٰے و علی
مرتضٰی علیہم السلام کے مقابلے میں ہے۔ اور جس طرح اُن کا نور تمام
نوروں سے قوی تر ہے اسی طرح یہ ظلمت بھی تمام ظلمتوں سے قوی
ہے۔ پس یہ ظلمت عام ظلمتوں کی اصل ہوئی۔ جب یہ بات معلوم
ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ تمام انبیا اولیا و شہدا و صلحا و صدیقین و مومنین
تمام اعمال خیر میں اُس نور پاک سے فیض امداد و اعانت حاصل
کرتے ہیں اسی طرح کفار و منافقین و فاسقین کو تمام اعمال شر
میں اسی ظلمت سے مدد پہنچتی تھی۔ پس یہ ظلمت تمام معاصی و قبائح
میں جو تمام عالم میں واقع ہوئے یا آئندہ واقع ہوں گے مداخلت
رکھتی ہے (گنج مغفل ص ۲۲)

ناظرین کو مندرجہ بالا عقائد سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ سبائی اور سُنّی کا خدا ایک نہیں ہو سکتا۔
سُنّی اپنے خدا کے بارے میں ایسی رکیک حرکتیں سوچ بھی نہیں سکتے۔ کجا اُس سے اُن کی امید رکھنا۔
علاوہ اس کے ابھی سبائی دماغ یہ فیصلہ نہیں کر سکا ہے کہ خدا واقعی کوئی بزرگ و برتر
ہستی ہے بھی یا نہیں وہ آخری بار حضرت علی کی شکل میں آیا پھر اماموں میں حلول کرتا ہوا امام مہدی
کے وقت مسلمانوں کی قوت دیکھ کر غائب ہو گیا اور آج تک ان کے غلبہ کے خوف سے
مستار ہے یہ کس قدر مضحکہ خیز تصور ہے مگر مجتہدین حضرات ہر سال ہر مجلس میں یہی راگ
الاپتے رہتے ہیں اور بھولے شیعہ سنتے ہیں۔

کاش یہ گمراہ فرقہ قرآن سے نابلند نہ رکھا گیا ہوتا۔ تو خود قرآن میں دیکھ لیتا
کہ کسی کے گناہ کسی کے سر منڈھنے کی عادت خدا میں نہیں ہے۔ وہ رافضیوں کو خوش

کرنے کے لیے کبھی آتی توفیق نہ دے گا کہ ایک چودہ سو سال جان کے خوف سے مستور رہنے والا امام گڑے ہوئے مردے اکھاڑ کر ان کو سزا دے سکے۔ شیعہ بھائیو اب بھی سوچو اور توبہ کرو کس خرافات میں مبتلا ہو۔ تمہاری یہ تمنا پوری ہوتی نظر نہیں آتی جس قیامت کا انتظار تھا وہ بہت قریب آ چکی۔ حالات بتا رہے ہیں کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونے ہی والا ہے۔ چند اور ایٹمی بم پھٹ جانے کی دیر ہے۔

ہمارا رسول ایک ہے

شیعہ مذہب کی تیسری جڑ نبوت یعنی خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر پیدا کئے۔ اول حضرت آدم۔ آخر ان کے محمد مصطفےٰ ہیں۔ بعد حضرت کے کوئی پیغمبر نہ ہوا ہے۔ نہ ہوگا۔ (شیعہ بچوں کی نماز صـــ۳)

دیکھئے شیعہ بچوں کو نبوت کی شان کس آسانی سے سمجھادی گئی۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے ہجوم میں جو سب سے آگے ہے وہ حضرت آدم ہیں اور سب سے آخری محمد مصطفےٰ ہیں جن کے نام کے ساتھ حضرت اور علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وآلہٖ بھی نہیں لگایا گیا ہے۔ جو غالباً صرف بارہ اماموں کا حق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شروع ہی سے کوشش کی جاتی ہے کہ نبی کی تخفیف کا بچوں کے ذہن پر کوئی گہرا اثر نہ پڑنے پائے۔ لاکھوں نبیوں میں سے جو آئے وہ بھی ایک تھے اور بس۔ اس سے زیادہ جاننے کی ضرورت نہیں۔ پھر تولا کا بھی دعویٰ ہے کہ رسول کے سب سے بڑھ کر چاہنے والے بھی آپ ہی لوگ ہیں۔

نبوت پر شیعہ عقاید بچوں کے عقاید کے بعد اب بڑوں کے عقیدے سنئے اور غور کیجئے کہ اصل مدعا کیا ہے۔

ا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی کے ماں باپ کافر نہیں ہوتے۔ جناب ابراہیمؑ کے متعلق مسلمانوں کا یہ غلط خیال ہے کہ ان کا باپ آذر بت تراش تھا بلکہ ان کے پدر بزرگوار آذر کے بھائی تارخ علیہ السلام تھے۔ جو خدا پرست تھے۔ (عقائد الشیعہ۔ صـــ۲۳)

لیجئے اب ثابت کیجئے کہ رسول اللہ کے والدین بھی مسلمان تھے۔ ورنہ پھر ان کی نبوت معرض خطر میں پڑ جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں تو ظفر حسن صاحب نے ثابت کر دیا۔

کہ وہ بت تراش آذر کے بیٹے نہیں تھے بلکہ تارخ علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ حالانکہ یہ صریح تکذیب ہے۔ اور معاذ اللہ قرآن کی تکذیب ہے۔ کیونکہ خود اللہ تعالےٰ نے اُن کا نام آذر بتلایا ہے۔ مگر ظفر صاحب سے کون بحث کر سکتا ہے، وہ ہمارے قرآن کو تو مانتے ہی نہیں۔
بھلا یہ کیسے مان لیں گے کہ نبی کے ماں باپ کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے آپ اصرار کیجئے گا تو رسالت سے انکار کر دیں گے جس سے انکا کچھ نہ بگڑے گا۔ اور خود آپ کو ملال ہوگا۔

۲۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ آدم سے لے کر حضرت عبد اللہ تک آنحضرت کا نور برابر اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ تک منتقل ہوتا رہا۔ نہ کسی کافر کے سلب میں پہنچا نہ کسی کافرہ کے رحم میں گیا (عقاید الشیعہ)

بظاہر کتنا معصوم عقیدہ ہے۔ مگر کیتی بڑی شرارت اس کے اندر پنہاں ہے۔ سوچنے کا مقام ہے۔ سچے نبی کے لئے ضروری کر دیا ہے کہ وہ کافر کے گھر نہ پیدا ہوا ہو اگر ہو جائے تو وہ نبی نہیں اس جھوٹ کو نبھانے کے لئے حضرت ابراہیم کے باپ کو بدلنا پڑ گیا۔ اس سے بھی ان کے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا بھلا بغیر کفر و گمراہی کے ہادی و رہبر کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔ دنیا میں کوئی ابتری نہ ہو۔ کوئی گناہ نہ ہو کوئی معصیت نہ ہو پھر اُس پر ایک ہادی اور پیغمبر مسلط کر دیا جائے اور وہ وہی باتیں بتلائے جو وہ پہلے سے کرتے چلے آتے ہیں، مقصد اس خبیثانہ عقیدہ کا یہ ہے کہ اگر کہو کہ رسول ایک کافر خاندان میں پیدا ہوئے تھے تو پھر رسول کی طہارت میں فرق آجائے گا۔ اور رسول کی اتنی اہمیت نہ رہیگی جو عام مسلمانوں کے ذہن میں ہے۔ رافضی اصرار کرتے ہیں کہ ابو طالب اور عبد المطلب کو بھی مسلمان کہا جائے۔ بعض احمق اُن کے ناموں کے آگے علیہ السلام اور رحمۃ اللہ علیہ بھی لگاتے ہیں حالانکہ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ دونوں خانہ کعبہ کے متولی تھے جس میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ اُن ہی بتوں کے چڑھاوے اور نذرانوں کا یہ دونوں بزرگ انتظام کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ خود رسول اکرم نے شیعوں ہی کی روایت کے بموجب فرمایا ہے۔

ان اھون اھل النار عذابا ابو طالب	یعنی اہل جہنم میں سب سے ہلکا عذاب
وھو منتعل بنعلین من نار یغلی	ابو طالب پر ہوگا وہ آگ کے دو جوتے پہنے
منھا دماغہ	ہوں گے جن سے ان کا دماغ کھولے گا۔ (کتاب الوسیلہ ص۱۳۶)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے والد بزرگوار کے بارے میں جو کچھ فرمایا امام بخاری نے یوں محفوظ کر دیا ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ میرا باپ کہاں ہے فرمایا۔ فی النار۔ یعنی دوزخ میں۔ وہ افسردہ ہو کر جانے لگا تو بلایا اور فرمایا۔ اِنَّ ابی و اباک فی النار۔ یعنی میرا اور تیرا باپ دونوں دوزخ میں ہیں (کتاب الوسیلہ ص ۳۶)

اس عقیدے کا مقصد بھی سوائے طنز و افترا کے کچھ نہیں ہے۔ یہ جہلا کو شک و شبہ میں مبتلا کرنے کے لئے تصنیف کیا گیا ہے اور سبائی شرارت کا آئینہ دار ہے۔ اور یہ گستاخی اس کی شان میں ہے جس نے دنیا سے نسلی امتیاز مٹا کر مسلمانوں کو باپ دادا کی بڑائیوں پر ناز کرنے سے روک دیا تھا۔

۳۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ (رسول اللہ) قبل بعثت اور بعد بعثت ہر زمانے میں ملکہ قرات و کتابت رکھتے تھے۔ اور کسی معنی میں بھی اُمّی بمعنی جاہل نہ تھے۔ مگر بمصلحت آپ اپنی قرات و کتابت کا اظہار نہ فرماتے تھے (عقاید الشیعہ)

ذرا شرارت کا اندازہ لگائیے۔ رسول پر کتنا بڑا بہتان باندھا ہے کہ وہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے مگر مصلحتاً اُسے چھپاتے تھے۔ یعنی دُنیا کو دھوکا دینے کے لئے (معاذ اللہ) خود کو اَن پڑھ ظاہر کرتے تھے۔ کلام اللہ سنکر لوگ پوچھتے کہ یہ کس کا کلام ہے تو بتلاتے کہ اللہ کا کلام ہے جو فرشتہ لاتا ہے۔ رافضی کہتے ہیں کہ وہ خود بہت پڑھے لکھے بلکہ خوشنویس تھے۔ خود ہی تورات اور انجیل پڑھ کر مضمون اخذ کرتے اور قرآن بناتے تھے۔ یہ تو لا کی مذہب ہے۔ خود کو رسول اور اہل بیت رسول کا پرستار ظاہر کرتا ہے مگر اسلام اور بانی اسلام کو رسوا کرنے سے باز نہیں آتا۔ اور مولوی بدایونی مجالس اعزا میں بیٹھکر فرماتے ہیں۔ کہ شیعہ، سنی مذہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دونوں کو مل کر مجالس اور میلاد کی محفلیں گرم کرنا چاہیں۔ علامہ حائری فرماتے ہیں کہ ہمارا رسول ایک ہے اور آغا محمد سلطان صاحب کہتے ہیں ناصبیوں نے توہین رسول کو اپنا مذہب بنا لیا ہے۔ اب ناظرین فیصلہ کریں کہ کون کتنا جھوٹا ہے۔ کیا کوئی ناصبی بھی ایسی جسارت کر سکتا ہے۔

ہمارے رسول اُمّی تھے اور قرآن اُن پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُترا تھا۔

جس کی خود قرآن گواہی دیتا ہے۔

"اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا جو انہی میں سے ہے اور وہ خدا کی بھیجی ہوئی آئتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کو گناہ سے پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے (۲-الجمعہ)

رافضی قرآن پڑھتے تو جانتے وہ تو اسے ناقص سمجھے بیٹھے ہیں اور امام غائب کو جن کی بغل میں اصلی نسخہ ہے تیرہ سو سال سے بلا رہے ہیں۔ کہ آکر دیں تو یہ پڑھیں۔

خود تاریخ گواہ ہے کہ ایام جاہلیت میں تحریر و کتابت کا مکہ میں رواج نہ تھا البتہ کوفہ۔ شام اور یمن میں مختلف رسم الخط رائج تھے جو مکمل نہ تھے۔ اور حضور صلعم اُمّی یعنی ان پڑھ تھے۔ اور ان پڑھوں کے بیچ میں پلے بڑھے تھے۔ ان کا سارا علم۔ ساری حکمت اور دانائی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تھی۔

۴۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگرچہ حضور ہمارے جیسے بشر تھے۔ مگر آپ کی طینت ہماری طینت سے جدا تھی۔ آپ پر نورانیت اس حد تک غالب تھی کہ آپ کے جسم کا ہر حصہ آنکھ بنا ہوا تھا۔ اور جس طرح آپ آگے سے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے سے دیکھتے تھے۔

(عقائد الشیعہ)

غالباً سبائی ذہنیت کی منتہائے منقبت ہے۔ اور اس عقیدے میں ہمارا نہ بولنا ہی بہتر ہے۔ لیکن چونکہ یہاں طینت کا ذکر آ گیا ہے ناظرین کی دلچسپی کے لئے طینت کی تعریف بے محل نہ ہوگی محسن الملک سید مہدی علی خاں صاحب کی زبانی سنئے :-

> "فرمایا جناب امام باقر علیہ السلام نے کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے ایک پاک زمین پر سات دن شیریں پانی جاری کیا۔ پھر ہمارے خمیر کو اُس سے جدا کیا۔ اور اُس کی تلچھٹ سے شیعوں کی مٹی بنائی۔ پھر ایک دوسری ملعون زمین میں شور پانی جاری کیا اور اُس سے ہمارے دشمنوں (یعنی سنیوں کا) خمیر بنایا۔ پس اگر وہ سب الگ رہتے تو کبھی کسی شیعہ سے گناہ نہ ہوتا۔ اور سب معصوم رہتے۔ اور کسی سنی ناصبی سے کوئی نیک کام نہ ہوتا مگر خدا نے دونوں مٹیوں کو خلط ملط کر دیا۔ اور کچھ پاک مٹی ناپاک مٹی میں مل گئی اس لئے جو شیعہ گناہ کرتے ہیں وہ اثر

سینوں اور ناصبیوں کی ناپاک مٹی کا ہے۔ اور جو ناصبی اعمال صالح کرتے ہیں وہ اثر اس پاک مٹی کا ہے۔ مگر جب قیامت کا دن ہوگا۔ اور خدا اپنا عدل ظاہر کرے گا تو جس کی مٹی سے جو عمل ہوا ہے وہ اس کو دیگا یعنی شیعوں کے گناہ ناصبیوں کے سر پڑیں گے کیونکہ انہی کمبختوں کی مٹی کے اثر سے سرزد ہوئے تھے اور ناصبیوں کے سب نیک عمل شیعوں کو مل جائیں گے کیونکہ انہی کی پاک مٹی کی تاثیر سے ہوتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ جب میں نے امام سے یہ سنا تو کہا میں قربان جاؤں آپ کے یا حضرت سینوں کے نیک کام سب ہم کو مل جائیں گے اور ہمارے گناہ سب ان کے سر پڑیں گے۔ امام نے فرمایا خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا۔"

(آیات بینات صفحہ ۳۱ مطبوعہ کراچی)

دیکھئے شیعہ خدا اس طرح عدل فرماتا ہے۔ نیکیاں سینوں سے کروائیگا۔ اور ان کا ثواب رافضیوں کو دے گا۔ خدا مبارک کرے۔ سنیوں کے طفیل ہی وہاں سرخروئی نصیب ہو جائے۔ مگر رسول اللہ کی طینت کا تعین کرتے چلئے ظفر صاحب کا عقیدہ ہے کہ اُن کی طینت رافضیوں کی طینت سے جدا تھی یعنی ناصبیوں کی طینت سے ان کا بھی خمیر ہوا تھا۔ دیکھئے اللہ تعالےٰ جھوٹوں سے بھی سچی باتیں اس طرح قبلوا لیتا ہے اور اُن کو پتہ تک نہیں چلتا۔

۵۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ بحالت خواب آپ کی آنکھیں سوتی تھیں۔ دل نہیں سوتا تھا اسی لئے بحالتِ خواب آپ کو ہر بات کی خبر رہتی تھی (عقائد الشیعہ)

رسول افضل البشر تھے اماموں کے معتقد اسے کیا جانیں شاید نیند میں شیعوں کے دل سو جاتے ہیں اور آنکھیں جاگتی رہتی ہیں اس لئے رسول کی یہ صفت ایک معجزہ معلوم ہوئی۔ یہ تعریف ہو رہی یا مذمت اس کا فیصلہ آپ خود کیجئے۔

۶۔ ہمارا عقیدہ ہے اور تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ حضرت کی اکیلی بیٹی حضرت فاطمہ تھیں آپ کے سوا اور کوئی لڑکی آپ کے صلب سے نہ تھی۔ (عقائد الشیعہ)

یہ صاف بہتان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صلبی بیٹیوں کے نسب طاہرہ پر۔ متقدمین شیعہ بھی آپ کی چار صاحبزادیوں کا نام بنام ذکر کرتے رہے

ہیں حتیٰ کہ شیعہ مورخ سید امیر علی جو اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے صحیح تعداد نہ بتا سکا مگر لکھتا ہے:۔

"پچیس سال کی عمر میں آنحضرت نے خدیجہ سے جو تاریخ عرب میں اپنی خوبیوں کی وجہ سے ایک ممتاز خاتون تھیں شادی کی۔ چند بیٹے تولد ہوئے مگر بچپن میں آغوش مادر ہی کر گئے مگر بیٹیاں باپ کے مہتم بالشان واقعات کو دیکھنے کے لئے زندہ رہیں۔ سب سے چھوٹی فاطمہ الملقب بہ زہرہ جن کو مسلمان خاتونِ جنت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ علی بن ابی طالب سے بیاہی گئیں۔

(تاریخ اسلام صفحہ ۱۴)

اس کی تفصیل آگے ایک مستقل باب میں پیش کی جائے گی۔

۶۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کی جانشینی کا حقدار سوائے آئمہ طاہرین کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کے تمام صفات سوائے ہمارے آئمہ کے کسی دوسرے میں پائے ہی نہ جاتے تھے۔

(عقائد الشیعہ)

اِس عقیدے سے کیا حاصل جب حالات ماضی اس کو جھٹلاتے ہیں آپ کہئے تو ہم اپنا عقیدہ بھی یہی رکھ لیں کہ حضرت علی خدا تھے مگر وہ انسان کی موت مرے پھر اس عقیدے سے کیا فائدہ جب ایک معمولی دشمن سے محفوظ نہ رہ سکے۔

اب ذرا اُن صفات کو دیکھ لیا جائے جو تولائیاں اہل بیت نے رسول کے اندر پائیں اور پھر وہی آئمہ میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہیں۔

شانِ نبوت میں شیعہ احادیث

کتاب وسائل الشیعہ میں ہے:۔

" فرمایا امام علی رضا علیہ السلام نے کہ سنت انبیاء ہے عطر لگانا۔ بال کٹانا اور بکثرت جماع کرنا۔

دیگر۔ جلد چہارم بحار میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ سے منقول ہے کہ فرمایا سیکھو مرغ سے پانچ خصلتیں۔ محافظت اوقات نماز۔ غیرت۔ شجاعت اور سخاوت اور بکثرت جماع کرنا۔

دیگر۔ فرمایا جناب صادق علیہ السلام نے کہ نہیں لذت اٹھائی لوگوں نے دنیا و آخرت میں کسی لذت سے جو زیادہ ہو لذت زنان سے پھر فرمایا کہ اہل جنت کسی چیز سے وہ لذت نہ اٹھائیں گے جو جماع سے اٹھائیں گے۔

نہ کھانے میں اور نہ پینے میں۔

(صفحہ ۱۹۳ اصلاح الرسوم بکلام المعصوم سید مرتضیٰ لکھنوی)

غالباً آپ اس تکرار پر معترض ہوں کہ ایک مضمون کی تین چار حدیثیں کیوں نقل کر دی گئیں ایک حدیث صرف رسول اللہ سے روایت کرنا کافی نہ تھا۔ تو ابھی شیعہ دل و دماغ کی افتاد کا آپ کو پتہ نہیں ہے محض رسول اللہ سے حدیث روایت کرنے میں یہ خطرہ موجود رہتا ہے کہ کہیں ناصبیوں کی حدیث نہ ہو۔ اور شیعہ دھوکا کھا ویں اس لئے یہ التزام رکھا جاتا ہے کہ ہر حدیث جو نقل ہو بعینہٖ اسی بیان میں تھوڑے سے رد و بدل کے ساتھ اماموں سے بھی وارد ہو۔ بلا توثیق آئمہ معصوم رسول کی کوئی حدیث قابل قبول نہیں ہوتی۔

پھر حدیث بھی کیسی شاندار کہ اس انداز نبوت پر قربان ہو جائیے۔ صدر مملکت کے ڈر سے زیادہ نکاح نہ کر سکئے تو متعہ فرمائیے یعنی چالو نکاح ہر شب کو نیا اور تازہ نسخہ واجد علی شاہ استعمال کیجئے اور سنت پر عمل فرمائیے۔ طریقہ معلوم نہ ہو تو امام غائب کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں کسی مجتہد سے مشورے کی حاجت نہیں سر عمّی کے ڈربے میں بیٹھ جھانکا کیجئے۔ اور ایمان افروز ہدایات لیتے رہیئے۔ استغفر اللہ یہ دعویداران تو ہیں۔ اور نبی کی عزت افزائی فرما رہے ہیں۔

البلاغ المبین کے غالی مولف نے بھی سیکڑوں ایسی ہی حدیثیں لکھی ہیں جن میں سے ایک اس کی خباثت کا اندازہ کرنے کے لئے درج کی جاتی ہے۔

ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک دن جناب رسول خدا حضرت عائشہ کے گھر سے برآمد ہوئے اور نکلتے وقت فرمایا کہ اس گھر سے کفر کا سر نکلے گا۔ جس طرح کہ شیطان کے سینگ نکلتے ہیں (البلاغ المبین حصہ ۱۹ صفحہ ۱۳۱)

شیعہ مورخ سید امیر علی تاریخ اسلام میں لکھتا ہے

"بیماری کے دوران آپ نے مسجد کے نزدیک نماز پڑھی اور حضرت عائشہ کے گھر رہنا پسند کیا۔"

اور آغا صاحب کی خباثت پر غور فرمائیے خیر سے آپ بھی سشن جج رہ چکے ہیں اور ایسی باتیں حوالے قرطاس کرتے نہیں شرماتے تاریخ کہتی ہے کہ آنحضرت نے علالت کے دوران رہنے کے لئے حضرت عائشہ کا گھر پسند فرمایا وہیں سے آپ کی روح اقدس نے پرواز کیا۔ وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی وہیں سے چودہ سو سال سے رشد و ہدایت کی شعاعیں نکل رہی ہیں جو اہل ایمان کو نوازتی ہیں مگر یہ بے حیا کہتا ہے کہ رسول اللہ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ اس کمرے سے شیطان

نکلے گا۔

معراج رسول اور اذان

اذان کے بارے میں ان سے بہتر کون جانے گا جو اپنی مسجدوں میں پانچ وقت اذان دیتے ہیں یہ مدینہ میں حضرت عمر کے ایک خواب سے اخذ کی گئی جب دنیائے اسلام میں پہلی مسجد بنی جو مدینہ میں ہے۔ بلانے کے لئے ناقوس اور گھنٹوں کے مقابلے میں اذان پسند کی گئی۔ مگر شیعہ کہتے ہیں وہ معراج میں بتائی گئی تھی۔ چنانچہ حدیث ذیل دیکھئے :۔

"حدیث از صحیفۃ الرضا۔ جناب رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت کی ہے کہ تعلیم اذان رسالتماب کو اس طرح ہوئی جبرئیل براق لے کر آئے پس اس براق نے سواری سے نافرمانی کی۔ پھر جبرئیل ایک اور دابہ لائے کہ جس کو برقہ کہتے تھے۔ اس نے بھی نافرمانی کی پس جبرئیل نے اس سے کہا کہ اے برقہ ٹھیر تجھ پر ایسا کوئی سوار نہیں ہوا ہے جو نزدیک اللہ کے بزرگ تر ہو جناب رسول خدا سے پس رسول خدا فرماتے ہیں کہ میں اس پر سوار ہوا۔ اور اس حجاب تک پہنچا کہ جو رحمٰن عزوجل کے قریب تھا۔ پس ایک فرشتے نے حجاب سے نکل کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون ہے جبرئیل نے کہا قسم اس ذات پاک کی جس نے آپ کو نبوت سے مکرم کیا ہے۔ میں نے اس فرشتہ کو اس سے قبل نہیں دیکھا۔ پھر فرشتہ نے کہا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پس حجاب میں سے آواز آئی کہ میرے بندے نے سچ کہا اَنَا اَکْبَرُ اَنَا اَکْبَرُ یعنی میں بزرگ و برتر ہوں۔

(آگے باقی جملے اصل میں اذان کے مع اللہ میاں کے جوابوں کے درج ہیں۔ اور شیعہ الفاظ علیؑ وصیؑ و خلیفۃ بلافصل کا ذکر نہیں ہے)۔ (زاد العاجلین حصہ سوم صفحہ ۳۸۶)

یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اذان کس نے ایجاد کی اور کس نے سکھائی۔ بس اتنا غور فرمایئے کہ صحیفہ رضا یعنی وہ قرآن جو امام رضا پر اترا بتلاتا ہے کہ جبرائیل براق لائے رسول کو معراج پر لیجانے کے لئے مگر اس نے بٹھانے سے انکار کر دیا۔ تو جا کر دوسری سواری لائے

جسے دابۃ یا برقہ کہتے تھے۔ اس نے بھی انکار کیا تو جبرئیل نے سمجھایا کہ ایسا بزرگ آج تک نہیں بیٹھا جو خدا کو بھی پیارا ہو اسے بٹھالو۔ تب وہ مان گیا اور بٹھالیا۔ اب سوال یہ ہے جبرئیل نے براق کو کیوں نہ سمجھایا۔ اور پھر براق کہاں گیا وہ ساتھ ساتھ کو تل گیا یا اُسے حکم عدولی کی پاداش میں کوئی سزا ملی۔ جی نہیں وہ ایک اور مشن پر آیا تھا اور اس نے اسے پورا کیا۔

حدیث از "مجمع البحرین" فرمایا ائمہ علیہ السلام نے کہ جناب سالتمآب مسجد میں تشریف فرما تھے۔ فرمایا کہ اے قوم جب تم اپنے اوّلین کو یاد کرو پس درود بھیجو مجھ پر اور بعد اُس کے اُن پر درود بھیجو۔ اور جس وقت یاد کرو میرے باپ ابراہیم کو پس درود بھیجو ان پر اُس کے بعد مجھ پر درود بھیجو۔ عرض کیا کہ جناب ابراہیم کو کس سبب سے یہ مرتبہ حاصل ہوا۔ فرمایا کہ جب شب معراج کو آسمان سوئم پر میں پہنچا۔ میں ایک منبر نور پر بیٹھا اور ابراہیم ایک درجہ مجھ سے نیچے بیٹھے اور تمام انبیاء اطراف منبر کے بیٹھے۔ ناگاہ جناب امیر ناقہ نور پر سوار تشریف لائے اور منہ ان کا مثل چاند کے روشن تھا۔ اور اصحاب اُن کے گرد مثل ستاروں کے تھے۔ پس ابراہیم نے پوچھا کہ اے محمد یہ کوئی نبی بزرگ ہیں یا فرشتہ مقرب۔ میں نے کہا کہ نہیں یہ میرا چچازاد بھائی اور میرا داماد۔ میرے علم کا وارث علی بن ابی طالب ہے۔ ابراہیم نے کہا یہ لوگ جو اس کے گرد ہیں کون ہیں۔ میں نے کہا اس کے شیعہ ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ میں بھی قرار دیا جاؤں شیعان علی ابن ابی طالب میں۔ پس جبرائیل اسی وقت یہ آیت لائے۔ وَاِنَّ مِن شِیعَتِہٖ لَاِبرَاھِیمَ۔

(ص۴۷ زاد الصالحین جلد ششم)

یہ اقتباس اس متبرک کتاب کا ہے جسے پڑھ کر نظام حیدرآباد رافضی ہوگیا تھا۔ تقی صاحب نے شیعوں کے مورث اعلیٰ جناب عبداللہ بن سبا کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسول اللہ پر فوقیت کی وجہ صرف یہ بتائی ہے کہ وہ بھی شیعۂ علی ہو گئے تھے مگر یہاں یہ خارج از بحث بات ہے۔ آپ کو معلوم کرنا ہے کہ براق نے رسول کو بٹھانے سے انکار کیوں کیا تھا۔ اب شاید آپ کی سمجھ میں آگیا ہو کہ وہ بیچارہ انکار نہ کرتا تو حضرت علی کو عرش پر کون لے جاتا۔ اللّٰھم صلی علی محمد۔ آپ بھی درود پڑھیے اور رافضی درود پڑھے۔

معراج رسول پر دیگر پھبتیاں

عمدۃ العلماء العظام و دیگر نصف درجن القاب والے مجتہد جو کاشف القرآن بھی ہیں۔ مولینا مولوی سید حشمت خیر اللہ پوری نے ایک رسالۂ معراجیہ تالیف فرمایا ہے جو عوام کے لئے بہت ایمان افروز ثابت ہوگا۔ معراج شریف کے معاملے میں یوں بھی مسلمان اختلاف کرتے رہے ہیں۔ مگر اس تعریف سے ضرور ان کی آنکھیں کھل جائیں گی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور پرستاران رسول و اہل بیت کے عقاید کے مطابق ہے۔

"در فصل دوم قصہ معراج سید کائنات۔ قبل اس کے کہ ہم قصہ معراج شروع کریں جاننا چاہیے کہ معراج حضرت کو ایک بار ہوا یا کئی بار ہوا۔ اور کس وقت ہوا اور کہاں ہوا۔ ابن بابویہ اور صفار اور دیگر علمائے کبار نے بسند معتبر حضرت جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت سید کائنات کو ایک سو بیس (۱۲۰) مرتبہ آسمانوں کی سیر کرائی۔ اور ہر مرتبہ آنحضرت کو باب ولایت اور امامت علی بن ابی طالب و سائر آئمہ طاہرین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین میں نسبت بہ سائر فرائض کے زیادہ تاکید اور مبالغہ فرمایا۔ (ص ۱۹ رسالہ معراجیہ مطبوعہ علمی پریس لاہور۔)

آپ کو یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی ہوگی کہ معراج کوئی ایسا بڑا واقعہ نہ تھا جسے رسول کے لئے معجزہ سمجھا جا سکے۔ اور وہ ایک بار نہیں ہوئی جو اتنا شور مچایا جائے۔ رسول کو ایک سو بیس (۱۲۰) بار حضور باریتعالےٰ میں پیش ہونا پڑا کیونکہ ولایت اور امامت علی و دوازدہ امام کی پیچیدہ اور بہ تقیہ ایکم ایک سیدھے سادے اور پچھے نبی کے لئے بے حد ناقابل فہم تھی۔ چنانچہ جناب باریتعالےٰ بار بار بلا کر ساری اونچ نیچ سمجھاتے تاکید کرتے اور مبالغے سے کام لیتے اور اس کے نفاذ کی ترکیبیں بتلاتے مگر جناب رسول کے بقول شیعوں کے کچھ پلے نہ پڑتا۔ دوبارہ جاتے تو کورے کے کورے۔ اسی لئے ان کو ایک سو بیس (۱۲۰) بار اس خطرناک سفر پر جانا پڑا جو تیئس (۲۳) سال کی نبوت کے لئے عذاب جان ہوگیا ہوگا یعنی سال میں پانچ بار سماوات کے طور عرش پر جانا کوئی معمولی بات تو نہ تھی روسی خلاباز گیگرین کے سفر سے مقابلہ کیجئے جو ایک سفر کے بعد دوبارہ نہ جا سکا اور وہ بھی صرف چند میل اوپر سے واپس آگیا۔ اور یہ

سب مصیبت ایک ولایت اور امامت علی کے مسئلے کو نہ سمجھنے کی پاداش میں معاذ اللہ

معراج سے متعلق دیگر توضیحات دیکھئے۔ فرماتے ہیں:۔

" جاننا چاہیئے کہ اتفاق کل اہل اسلام کا اس بات پر ہے کہ معراج قبل از ہجرت واقع ہوئی اور بعد از ہجرت بھی محتمل ہے۔ بعضوں نے کہا ہے شب شنبہ ہفتدہم ماہ رمضان یا بست ویکم ماہ رمضان شش ماہ قبل از ہجرت واقع ہوا اور بعض نے کہا ہے کہ ماہ ربیع الاول میں دو سال بعد از بعثت واقع ہوا۔ اور مکان عروج میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ خانہ اُمّ ہانی خواہر امیر المومنین سے عروج کیا۔ اور بعضوں نے کہا ہے شعب ابی طالب سے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مسجد الحرام سے واضح ہو کہ اختلاف مکان اور تاریخ کا احادیث معتبرہ میں جو پڑا ہے محض اس وجہ سے کہ ہر ایک حدیث ان مختلف معراجوں سے متعلق ہے جو واقع ہوئیں"

(رسالہ معراجیہ صـ 19)

یہاں صرف اتنا غور طلب ہے کہ شیعہ روایتوں میں بالالتزام کوشش کی جاتی ہے کہ اختلافات زیادہ سے زیادہ بیان ہوں تاکہ سننے والا گھبرا جائے سوچنے سمجھنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ فیصلہ کرلے کہ یہ ایک بے سروپا مسئلہ ہے۔ مگر پیش اس طرح کیا جا رہا ہے گویا بڑے خلوص سے مجتہد صاحب اُمت کا ایمان تازہ فرما رہے ہیں اس سبائی ذہنیت کا اندازہ لگائیے کہ اسلامی معتقدات کی ان کی نظر میں کیا وقعت ہے۔

معراج کی شیعہ تعریف

یہاں تک پڑھنے کے بعد غالباً آپ کو تشویش ہوگی ہوگی کہ پھر شیعہ ذہن میں معراج کیا چیز ہے جو رسول کو سال میں پانچ بار ہوا کرتی تھی سنئیے ایک درجن القاب والے مجتہد کی زبانی سنئیے:۔

"رسول خدا نے فرمایا کہ پس جبرائیل میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو نزدیک اُس پتھر کے لے گئے کہ جس پر پایۂ معراج رکھا ہوا تھا۔ اور وہ

پتھر بیت المقدس میں ہے۔ اس کے اوپر کی طرف آسمان سے ملی ہوئی ہے۔ ایک پلّہ اس کا یاقوت سُرخ کا ہے اور دوسرا پلّہ اس کا زمرد سبز کا ہے اور ملک الموت جبکہ قبض ارواح کرتا ہے اور اسی معراج سے اُترتا ہے۔ اور جبکہ میت کی آنکھ کھلتی ہے اور متحیر ہو کر اوپر کو دیکھتا ہے وہ معراج اس پر ظاہر ہوتا ہے پس جبرئیل مجھکو پکڑ کر اس معراج پر لے گئے (ص ۳۰ رسالہ معراجیہ)

معراج کا معاملہ اب ناظرین کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔ خاص کر ان لوگوں کی جو بچپن میں اپنے ابا جان کے ساتھ دلی میں قطب کی لاٹھ پر چڑھے ہیں اندازہ لگائیں گے کہ معراج کے پتھر پر چڑھنا اتنا دشوار نہ ہوگا۔ کیونکہ ملک الموت کے روزانہ چڑھنے اُترنے سے اچھا خاصہ راستہ بن گیا ہوگیا۔ علاوہ اس کے ہر مومن مردہ وہ پتھر معراج کا دیکھا ہے جب حیرت سے سر اٹھاتا ہے۔ یعنی رسول اللہ نعوذ باللہ شیعہ مردوں سے صرف اس قدر فوقیت رکھتے ہیں کہ انھوں نے معراج زندگی میں دیکھ لیا اور شیعے مرتے وقت دیکھتے ہیں۔

رسول اللہ ملک الموت کو دیکھکر ڈر گئے

رسولِ خدا نے فرمایا جب کہ اس جگہ سے میں گزرا تو ایک فرشتہ دیکھا کہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے اور میں کسی فرشتے پر نہ گزرا ہوں کہ اُس سے خائف ہوا ہوں مگر یہ کہ اس سے مجھے خوف آتا ہے جبرئیل نے عرض کیا کہ ہم بھی اس سے خائف ہیں کہ یہ ملک الموت ہے۔ (رسالہ معراجیہ ص ۳۶)

ظاہر ہے جس سے جبرئیل تک ڈرتے ہوں رسول کا ڈرنا کیا بعید ہے۔ بلکہ رسول تو موت سے سب سے زیادہ ڈرتے ہوں گے۔ یقین مانئے یہ سب وفورِ محبت کہا جا رہا ہے۔ اس سے توہین رسالت حاشا وکلا مقصود نہیں ہے۔ بھلا شیعانِ اہل بیت اور توہین رسول۔

رسول اللہ کو علی کی ولایت پسند نہ تھی

کتاب امالی شیخ طوسی علیہ الرحمۃ میں ابنِ عباس سے منقول ہے کہ میں نے رسولِ خدا سے سنا فرماتے تھے۔ حق تعالےٰ نے مجھے پانچ چیزیں دیں اور پانچ چیزیں علی کو کرامت فرمائیں۔

مجھکو جوامع الکلم دیا۔ علی کو جوامع العلم۔ مجھکو نبی کیا۔ اور علی کو وصی کیا۔ مجھکو کوثر عطا کیا اور علی کو سلسبیل۔ مجھکو وحی دیا اور علی کو الہام۔ مجھکو معراج عطا کیا اور علی کو کشف یعنی جبکہ آسمانوں پر لے گئے تو تمام آسمانوں کے دروازے کھولے گئے اور تمام حجابوں کو میری نظر سے اٹھا دیا گیا اس طرح کہ میں علی کو دیکھتا تھا اور علی مجھکو دیکھ رہا تھا۔ بعد ازاں حضرت نے رونا شروع کیا۔
ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا حضرت آپ کیوں روتے ہیں فرمایا جب میں مقام قاب قوسین او ادنیٰ پہنچا تو پہلا کلام جو حق تعالےٰ نے مجھ سے ساتھ کیا یہ تھا یا محمد انظر تحتک یعنی اے محمد اپنے نیچے کو نگاہ کر۔ میں نے دیکھا تمام حجاب اٹھائے تھے اور تمام دروازے آسمان کے کشادہ تھے۔ اور علی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پس خطاب الٰہی ہوا کہ اے محمد علی کو میں نے تیرا وصی گردانا اور وزیر و خلیفہ کیا تیرے بعد۔ پس تو اس کو اعلام کر دے۔ کہ وہ تیری بات کو سنتا ہے۔ میں نے علی کو اعلام کیا۔ اور علی اپنے گھر میں تھے۔ میری طرف دیکھتے تھے اور میرا کلام سُن رہے تھے پس علی نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں نے امر الٰہی کو قبول کیا۔
پھر فرمایا کہ حاملانِ عرش کو میں نے دیکھا کہ سب اپنے سروں کو نیچے ڈال کر طرف زمین کے دیکھ رہے ہیں میں نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ یہ لوگ کیا دیکھ رہے ہیں۔ جبرئیل نے کہا اُنھوں نے خدا سے اذن طلب کیا کہ علی کی زیارت کر لیں پس خدا نے اذن دے دیا۔ اب وہ علی کی زیارت میں متوجہ ہیں اور اس کے چہرے کو دیکھ رہے ہیں۔
اور جب میں آسمان سے زمین پر آیا اور چاہا کہ جو کچھ میں نے دیکھا تھا یا سنا تھا علیؓ سے کہوں تو علی نے سبقت کر کے جو کچھ میں نے دیکھا تھا یا سنا تھا مجھکو سُنا دیا“

(رسالہ معراجیہ)

شاید رسول اللہ کے رونے کی وجہ آپ کی سمجھ میں آگئی ہو۔ روتے نہ تو اور کیا کرتے۔ سر پیٹنے کا مقام تھا۔ پچاس سال کی عمر میں اتنا لمبا چوڑا سفر کروا کر عرش پر بلایا پانچ چیزیں دیں جن سے کہیں بہتر پانچ چیزیں علی کو گھر بیٹھے دے دیں پھر حکم دیا کہ مرنے کے بعد علی کو اپنا خلیفہ بناتا اُس کے لئے وصیت کر جانا یعنی جو پانچ چیزیں خود اُن کو ملی تھیں وہ بھی دیدینا اوپر سے طرہ یہ کہ مہمان خصوصی کو خوش آمدید کہنے کے بجائے حاملانِ عرش سروں کو جھکا جھکا کر علی کی طرف دیکھنے لگے۔ اس بے قدری پر رسول کو جتنا غم ہوتا کم تھا۔ مگر اللہ کی مشیت میں کسے دخل ہے وہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔

رسول کی موجودگی میں یہ سب نہ کرتا تو کیا بگڑتا ان کی آؤ بھگت اور پیشوائی کے بعد بھی یہ اذن دیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس صورت میں شیعہ مذہب کو اس قسم کے تقابل کا موقع کہاں ملتا۔ (نعوذ باللہ)

یہاں جی چاہتا ہے کہ ایک اور شیعہ حدیث جس کا معراج سے خاص تعلق ہے آپ کو سُنا دی جائے مگر یہ کسی دوسری جگہ سے اخذ ہے۔

کتاب ارجح المطالب میں ص ۶۴۸ پر آئمہ اظہار سے حدیث منقول ہے۔ فرمایا کہ خداوند عالم نے شب معراج آنحضرت سے حضرت علی علیہ السلام کی زبان میں گفتگو کی۔ (کنز المطاعن ص۵ حدیث ۵)

شاید اس حدیث کو سمجھنے میں دشواری ہو اس لئے باب توحید کی طرف رجوع فرمایئے جہاں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے جسم نہیں ہے ہاتھ نہیں ہیں، پاؤں نہیں ہیں آنکھیں نہیں ہیں اور زبان نہیں ہے۔ پھر ولادت ولی اللہ کے باب میں یاد فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو گود میں لیا۔ تو ان کی زبان کو لسان اللہ کہا۔ آنکھوں کو عین اللہ اور کانوں کو اُذن اللہ۔

چنانچہ جب رسول کو معراج پر بلایا تو سوچا کہ رسول سے بات کس طرح کی جائے۔ زبان تو ہے نہیں پس علی کو براق کے ذریعہ بلا لیا اور پس پردہ بٹھا کر رسول سے باتیں کر لیں اب بھی نہ سمجھ میں آئے تو آج کل کے کسی پلے بیگ سنگر کا تصور کیجئے جیسے نرگس کے گانے لتا گاتی ہے اور دلیپ کمار کے لئے طلعت محمود گانے رکارڈ کرواتا ہے۔

معاذ اللہ! کیا مذہب ہے اور کیسے اعتقادات ہیں جو تیرہ سو سال سے اسلام کے نام سے برداشت کئے جا رہے ہیں۔ اور ان کے ضرر کو محسوس نہیں کیا جاتا۔

نور محمدی کا بٹوارہ

کلام اللہ میں اس نور کا ذکر کئی جگہ آیا ہے فرمایا باریتعالےٰ نے ہے۔

۱۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔ (تغابن۔ ۸)

۲۔ تمہارے پاس آ گیا ہے اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین جس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ ہر اس شخص کو جو اس کی پیروی کرنے والا

ہے۔ سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے۔ (المائدہ ۱۵-۱۶)

مفسرین کہتے ہیں کہ نور سے مراد قرآن شریف ہے جس کی تعلیم اور ہدایت کی روشنی سے عالم اسلام جگمگا اٹھا تھا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ نور سے مراد وہ علم و دانش ہے جو اللہ تعالے نے اپنے رسول اُمّی (اَن پڑھ) کو عطا فرمائی۔ جس سے آپ نے زندگی کی راہوں میں صحیح اور غلط کے اندازے مقرر فرمائے جس کی روشنی میں آپ نے اخلاق و روحانیت۔ تہذیب و تمدن۔ معیشت و معاشرت اور قانون و سیاست کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اور عرب کی سی جاہل قوم کو دنیا کا مالک و مختار بنا دیا جو ایک ہزار سال تک مہذب دنیا پر حکومت کرتی رہی۔ پس نور اسی علم و بصیرت کا نام ہے۔

تشیعیت کے بانی عبداللہ بن سبا یہودی نے حضرت موسیٰؑ کے چہرے پر نور کا ہالہ سنا تھا حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی تصویریں ایسے ہی نور کے گھیرے میں دیکھی تھیں۔ کیسے برداشت کرتا کہ مولا علی اور ان کے بڑے بھائی بغیر کسی نور کے رہ جائیں۔

چنانچہ تبرائی کہتے ہیں:۔

"افسوس رسول اور اہل بیت کے مرتبے کو نہیں پہچانا۔ ان کو معمولی انسان سمجھ کر ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا۔ (البلاغ المبین)

پھر حدیثیں تیار کی گئیں۔

۱۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میں خدا کے نور سے ہوں اور میرے اہلبیت میرے نور سے مخلوق ہوئے۔ (کنز المطاعن صـ۲ بحوالہ ارجح المطالب)

۲۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا نے نور محمدی کو آسمان و زمین و عرش و کرسی، لوح و قلم، بہشت و دوزخ غرضیکہ تمام مخلوق اور اپنے تمام پیغمبروں سے چار سو بیس ہزار سال پہلے پیدا کیا۔

(عقاید الشیعہ صـ۲۷)

یہاں جناب امیر نے نور میں اپنے حصّے کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میرے اہل بیت میرے نور سے مخلوق ہوئے ہیں رسول اللہ کے نور کی سنہ پیدائش مقرر فرماتے وقت اگر اپنی تاریخ ولادت بھی بتا دیتے تو بہت سے جھگڑے جو خود ان کی عمر کے بارے میں پیدا ہو گئے ہیں ختم ہو جاتے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جناب علی کو رسول سے

نور کو ورثے میں لینا پسند نہ تھا۔ اور کیسے ہوتا. رسول نے اُن کے قرآن پر قبضہ جما لیا۔ نعوذ باللہ۔ معراج پر خود چلے گئے۔ حالانکہ علی کو بُلایا گیا تھا یعنی علی کی سگی بہن اُم ہانی کے گھر سو رہے جس سے جبرئیل کو غلط فہمی ہوگئی وہ رسول کو علی سمجھ کر اُٹھا لے گئے۔ اب یہ کیا بات ہوئی کہ خود تو اللہ کے نور سے بنیں اور جناب علی کو اپنے سیکنڈ ہینڈ نور سے مخلوق بنا ئیں۔ چنانچہ حدیث کی ترمیم کی گئی۔

"آنحضرت نے فرمایا کہ میں اور علی ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں اور ہم دونوں اُس وقت عرش کے دائیں بائیں جانب خدا کی یاد میں مصروف تھے۔ جب ابھی کچھ پیدا نہ ہوا تھا۔ (کنز المطاعن ص۲ بحوالہ زین الفتی سورۂ ھل اتی) جس کی عربی اس طرح درج ہے۔ اَنَا وَ عَلِیٌّ مِن نُوْرٍ وَّاحِدٍ۔ یعنی میں اور علی ایک ہی نور سے بنے ہیں۔

اس تقسیم اور بٹوارے کا حال مجتہد صاحب سنئیے:۔

"ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے ایک قطرۂ نورانی مکنون و مستور ایجاد کیا۔ اور اس کو صلب آدم میں قائم کیا۔ پھر پشت آدم سے صلب شیث میں اُسے جگہ دی اور شیث سے انوش اور انوش سے قینان کی پشت میں آیا۔ اسی طرح اصلاب کرام اور مطہرات ارحام میں گزرتا ہوا بحکم خدا عبد المطلب کے صلب طیب میں پہنچا۔ یعنی جس صلب میں رہا۔ اور جس شکم میں ٹھیرا کوئی اُن میں مشرک اور بُت پرست نہ تھا۔ اور ہر شکم میں بذریعہ حلال منتقل ہوتا عبد المطلب تک آیا۔ پس خدا نے اس قطرۂ نور کو دو حصّہ کر دیا۔ ایک حصّے نے حضرت عبد اللہ علیہ الرحمۃ کے صلب اقدس میں قرار پایا اور دوسرا حصّہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کی صلب مبارک میں آیا۔ پس اس سلسلے سے جو عبد اللہ کو ملا تھا جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور ہوا اور جناب ابو طالب سے حضرت علی مرتضےٰ نے ولادت پائی پس تجویز کیا خدا نے فاطمہ بنت محمد کو علی ابن ابی طالب سے۔ پس علی محمد سے ہے اور محمد علی سے ہے۔ اور حسن و حسین و فاطمہ نسب ہیں اور علی سبب ہیں۔

صلی علی کیا نور کا نور سے پیوند ہوا ہے۔" (قرآن السعدین ص ۶)

بکتے ہیں اس حدیث اور روایت کے بعد جناب امیر کو کوئی شکایت نہ رہی۔ رسول اللہ کی مذکورہ زیادتیوں کو بھی معاف فرما دیا اور باقی زندگی صبر شکر سے گزار دی۔ یہاں یہ بھی غور سے دیکھ لیجیے کہ عبداللہ "علیہ الرحمۃ" حضرت ابوطالب" رضی اللہ" اور عبدالمطلب اور ان کے باپ دادا سب مومنین سے تھے۔ نہ کوئی مشرک تھا نہ بت پرست اور نہ کافر۔ اگر آپ نے اس میں شک کیا تو رسول کی رسالت اور علی کی امامت خطرے میں پڑ جائیگی۔ رافضی دونوں کو جھوٹا کہنے لگیں گے اور دراصل اِس اعتقاد کا مقصد یہی ہے جو مجتہد صاحب اچھی طرح جانتے ہیں۔

کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا کہ پروفیسر حتی نے جو کہا ہے "شیعت کی نشو نما کس حد تک ایرانی خیالات کی مرہونِ منت ہے اور کتنی یہود و نصاری کے افکار کی۔ اِس کی تحقیق مشکل ہے" یہاں صاف عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جو حکومت الٰہیہ کو باپ بیٹے اور روح القدس پر مشتمل سمجھتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ یہاں تین کی جگہ پانچ رکھے ہیں اور اُنھیں پنج تن پاک کہا جاتا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ مولویانِ یتیم خانہ بھی اس دلفریب تصور سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے انھوں نے بھی اپنا نور نامہ کلاں تیار کر لیا جس کے پڑھنے میں بے حساب فائدے ہیں۔ کہتے ہیں۔ جو پڑھنا نہ جانتا ہو مرنے کے بعد کفن کے اندر سینے پر رکھ دینے کی وصیت کر جائے۔ تو منکر نکیر اُسے جنت کا الاٹمنٹ سمجھ کر سوال جواب نہیں کرتے۔ بعض کا خیال ہے کہ جنت کا وارڈ اور روم نمبر بھی اُسی پر لکھ دیتے ہیں تاکہ تلاش میں زحمت نہ ہو۔

یہ نور نامہ رسول کی زبانی اس طرح منظوم کیا گیا ہے۔

میرا نور پھر حق نے پیدا کیا ۔۔۔ کیا نور سے اپنے اُس کو جدا

بنائی پھر ایک شکل طاؤس کی ۔۔۔ شجر پر جگہ اُس کو رہنے کو دی

اور ستر ہزار برس اُس طاؤس کو درخت پر بٹھا رکھنے کے بعد۔

حق نے پھر دستِ قدرت اُٹھا ۔۔۔ محمدؐ کی صورت کو پیدا کیا

مومنو! درود پڑھو۔ اور یقین نہ آئے تو یہی حدیث عربی میں بھی سن لو فرمایا أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ یعنی اللہ تعالٰے نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی میرا نور تھا۔

مگر قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ خود خدا کو اِس نور کا علم نہ تھا جو طاؤس کی شکل میں شجر پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنے رسول کو نور کے معنی رُشد و ہدایت علم و بصیرت کے بتاتا رہا جو آیات مذکورہ سے ظاہر ہے۔

پیدایش نور کی ضرورت کیوں پڑی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "جب ان کفار مکہ (ابوجہل عبالولہب ابوطالب وغیرہ) کو ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ یہ شخص جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے۔ بس ہم ہی جیسا آدمی ہے۔ اور اس کا مدعا یہ ہے کہ جن معبودوں کی تمہارے باپ دادا پرستش کرتے تھے تم کو اُن کی پرستش سے روک دے۔ اور قرآن کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ تو نرا جھوٹ ہے۔ اور اس کا اپنا بنایا ہوا ہے اور جو لوگ منکر ہیں جب اُن کے پاس حق کی بات آئی تو لگے کہنے کہ یہ تو صریح جادو ہے (سپارہ ۲۲ - ۴۳)

یا جیسے کہا۔ فقالوا البشرٌ یھدونتا۔ یعنی حیرت سے کہنے لگے کہ بھلا ایک انسان اور بشر ہمارا ہادی و رہنما کیسے ہو سکتا ہے۔ کوئی دیوی دیوتا بڑے پتھر یا تانبے پیتل کا بنا ہوا فرشتہ، یا جن یا پری ہوتا اور اپنے کوئی خاص کمالات جو معمولی انسان سے نہ ہو سکیں دکھاتا تو کوئی بات بھی ہوتی۔ مگر یہ معمولی انسان جو ہماری طرح بھوک پیاس اور سردی گرمی کی صعوبتوں کو برداشت کرتا ہے پیغمبر و ہادی و رسول کیسے مان لیا جائے۔

چنانچہ آپ نے دیکھا کہ رسول کو فوق البشر بنانے کے لئے شیعہ ذہن نے کیا کیا افترا باندھا ہے۔ رسول کے ماں باپ مسلمان ہوتے ہیں۔ رسول سوتے ہیں بھی دیکھتا رہتا ہے رسول سامنے دیکھنے کے علاوہ پیچھے بھی دیکھتا ہے۔ رسول کے چہرے کے گرد نور کا ہالہ ہوتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ کی تصویر میں دکھایا جاتا ہے نعوذ باللہ۔ حالانکہ ہر کلمہ گو مسلمان کا عقیدہ صرف یہ ہے کہ **محمدٌ عبدہٗ و رسولہٗ** یعنی محمدؐ بھی عام لوگوں کی طرح خدا کے بندے ہیں البتہ اُن میں اتنی خصوصیت ہے کہ وہ اللہ کے رسول اور پیغمبر بھی ہیں جو ہماری ہدایت کے لئے پسند فرمائے گئے۔

بے شک رسول کا مرتبہ ان سبائی افترا پردازیوں سے بہت بلند و منزہ ہے۔ وہ بشر تھے۔ اور سید البشر وہ انسان تھے اور انسانیت کے لئے نور ہدایت بن کر آئے جس نے انکار کیا اس پر پھٹکار ہوئی اور آج تک جاری ہے۔

اہلِ بیت رسول کون ہیں

"کتاب فرائد السمطین حافظ صدر الدین حموینی میں منقول ہے کہ جناب علی مرتضیٰ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ جس وقت جناب رسول خدا خطبۂ آخری ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے جس کے بعد آپ نے کوئی خطبہ نہیں ادا فرمایا۔ اے لوگو میں تمھارے درمیان کتاب اللہ اور اپنی عترت اہلبیت چھوڑے جاتا ہوں۔ تم کو چاہیئے کہ ان سے تمسک کرو۔ تاکہ گمراہ نہ ہو کیونکہ خداوند تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے اور وعدہ فرمایا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔

پس عمر بن الخطاب کھڑے ہوئے دراں حالیکہ ان کے چہرے پر غصہ کے آثار تھے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا تمام آپ کے گھر والے مراد ہیں۔

آنحضرت نے فرمایا نہیں بلکہ میرے اوصیا جن کا پہلا علی ہے۔ جو میرا بھائی ہے اور میرا وزیر ہے اور میرا وارث ہے اور میری امت میں میرا خلیفہ ہے۔ اور میرے بعد تمام امت کا والی و حاکم ہے۔ پھر میرے دونوں بیٹے حسن و حسین ان کے بعد اولاد حسین میں سے نو ایک دوسرے کے بعد یہاں تک کہ وہ حوض کوثر پر وارد ہوں"

(البلاغ المبین حصہ اول ص۹۲ آغا محمد سلطان مرزا)

یعنی حضرت عمرؓ نے یہ باتیں سنیں تو انھیں غصہ آگیا۔ کھڑے ہو کر وضاحت کرائی کہ یہاں اہل بیت سے مراد آپ کا پورا خاندان ہے جس میں آپ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب آپ کے بھائی ابن عباسؓ و عقیلؓ وغیرہ۔ آپ کی چچیری بہنیں اپ کی بیٹیاں زینب رقیہ و کلثوم آپ کی ازواج مطہرات اور تینوں داماد ہیں یا کوئی اور اشخاص ہیں جن کی طرف اشارہ ہے۔

گویا رسول اللہ کی زبان صداقت بیان سے یہ رافضی یہ غلط باتیں کہلوانا چاہتا ہے کہ:۔
میرے گھر والوں میں میری بیٹی فاطمہ، میرا داماد علی اُن کے دو بیٹے حسن حسین اور پھر حسین کی اولاد میں صرف نو امام ہیں جو امامت کے لئے موزوں ہوں گے اور جن کو رافضی پسند کریں گے۔ باقی سب کو میں نے اپنے خاندان سے جدا کر دیا ہے۔ بیٹیوں کو عاق کیا۔ چچا کو چھوڑ دیا۔ بھائیوں اور بہنوں کو نکال دیا اور اپنی سب بیبیوں سے جن کی تعداد نو تھی بے تعلقی کر لی ہے ورثے اور ترکے سے محروم کر دیا ہے۔ جن میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کو تو رافضیوں کی اُن کے باپ کے ساتھ نفرت کی بنا پر چھوڑنا پڑا مگر اُم سلمہ، سودہ۔ جویرہ صفیہ، میمونہ اور حضرت زینب جو میری پھوپھی زاد بہن بھی ہے۔ جس کا نکاح اللہ تعالےٰ نے میرے ساتھ عرش پر فرمایا تھا میں اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ علی کو میرا سارا ترکہ بغیر شرکت مل جائے اور وہ میرا وصی و خلیفہ و وزیر تسلیم کر لیا جائے۔ اتنی بہت سی بیویاں کس طرح نکال باہر کی گئیں اور حق زوجیت سے کیسے محروم ہوئیں ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا اس لئے مناسب ہوگا کہ شائقین مُلّا ئے بدایونی یا عبدالرشید نُعمانی ایڈیٹر بیّنات کراچی سے رجوع فرمائیں۔
ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ صرف رسول اللہ کا خاندان چھانٹ دینے سے یعنی دیگر تین بیٹیوں نو بیبیوں اور سارے بھائی بھتیجوں کو اہل بیت سے خارج کر دینے سے علی کی وزارت و خلافت مستحکم ہو گئی ہوگی اور سبائیوں کا کام بن گیا ہوگا۔ یعنی سوائے پنج تن پاک کے باقی سب پر تبرّا اور لعنت کا جواز نکل آیا ہوگا لیکن شیعہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے مدتوں پہلے رسول اللہ کو علی کے بھائی بندوں کو بھی خارج از نسب کرنا پڑا تھا۔ روایت سنئے۔

"جلد ثالث بحار حدیث رحلت جناب فاطمہ بنت اسد میں منقول ہے کہ جناب رسول خدا نے ان معظمہ کو لحد میں لٹایا اور شہادت اُنھیں تلقین کی پس لوگ مٹی ڈال کر قبر پر سے واپس جانے لگے تو جناب رسول خدا قبر کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ اِبنکِ۔ اِبنکِ ابنکِ لا جعفر ولا عقیل۔ ابنکِ۔ ابنکِ علی بن ابی طالب (یعنی فرزند تمہارے، نہ جعفر اور نہ عقیل فرزند تمہارے۔ علی بن ابی طالب ہیں۔ جب لوگوں نے اس کہنے کی وجہ پوچھی تو حضرت نے فرمایا کہ جب د و

فرشتے قریب اُن معظمہ کے آئے اور پوچھا کہ خدا تمھارا کون ہے تو جواب دیا کہ اللہ رب میرا ہے۔ اور جب اُنھوں نے پوچھا کہ نبی تمھارا کون ہے تو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ نبی میرے ہیں۔ اور جب پوچھا کہ تمہارا ولی وامام کون ہے تو شرمائیں کہ اپنے فرزند کو کہیں۔ تو میں نے کہا کہ کہو اپنے فرزند علی بن ابی طالب کو پس خدا نے انکھیں فاطمہ کی بہ سبب اس تلقین کے ٹھنڈی کیں" (اصلاح الرسوم صـ ۲۷۹)

دیکھئے فاطمہ بنت اسد یعنی زوجہ ابو طالب بھولے پن سے منکر نکیر کو اپنے بڑے بیٹوں کے نام بتانے جا رہی تھیں مگر رسول اللہ نے ان کو روک دیا اور فوراً بول پڑے چچی جان خبردار عقیل وجعفر کا نام نہ لیجئے گا۔ ان کو ہمارے سبائی شیعہ ہرگز قبول نہ کریں گے انھوں نے علی کو آپ کا اور اپنا امام اور ولی مقرر کر دیا ہے اس لئے انہی کا نام لیجئے اور نکیرین سے کہہ دیجئے کہ صرف میرا چھوٹا بیٹا میرا امام ہے۔ باقی سب بحکم روافض عاق وخارج النسب ہیں۔

واضح رہے کہ یہ واقعہ رحلت رسول اللہ کی بعثت سے پہلے کا ہے۔ مگر سبائیوں نے علی کی وزارت وخلافت کا پروپیگنڈا اُن سے شروع کروا دیا ہے۔ حالانکہ سوائے روافض وکاذبین کے کوئی صاحب ایمان اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ غار حرا کے درس اول سے پہلے جب پہلی بار جبرئیل نے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ سنایا خود رسول اللہ کو اپنی نبوت کا علم نہ تھا۔ تو خلیفہ وزیر کا دھیان کہاں سے آتا۔ مگر دیکھئے یہاں حضرت علی کے سب سے بڑے بھائی طالب کا ذکر نہیں ہے۔ جن کی نسبت سے اُن کے باپ ابو طالب مشہور ہوئے۔ اس کی وجہ صرف تاریخ بتا سکتی ہے۔ طالب جنگ بدر میں کفار مکہ کی طرف سے لڑنے آئے اور مارے گئے یعنی حالت کفر میں مرے۔ یہاں شیعہ دعوے کو یاد کیجئے "علی کے ماں باپ مسلمان تھے"۔ پھر بھلا علی کے بڑے بھائی کا کفر سبائی مذہب کیسے برداشت کرتا۔ چنانچہ انھیں عقیل وجعفر سے بھی بدتر پا کر اُن کا نام ہی فہرست برادران علی سے خارج کر دیا۔ حالانکہ عقیل وجعفر بھی اُسی جنگ میں گرفتار ہوئے تھے اور اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ مگر عقیل کی غلطی یہ تھی کہ جنگ صفین میں وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور جعفر کی خطا سوائے اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ ابو طالب کی ناداری

کی وجہ سے اپنے چچا عباسؓ کے وہاں پلے بڑھے۔ اور حضرت عباسؓ سے علیؓ خوش نہ تھے چنانچہ منقول ہے کہ فرمایا جناب امیر نے۔

"وہ لوگ میرے اہل بیت کے جاتے رہے جن کی قوت کا خدا کے دین میں مجھے بھروسہ تھا۔ اور اب صرف دو خوار و ذلیل زمانہ جاہلیت کے رہ گئے ہیں یعنی عقیل و عباس"

(آیات بینات صفحہ ۱۷۹ بحوالہ احتجاج علامہ طبرسی)

اس کی مزید توضیح محسن الملک اس طرح فرماتے ہیں:۔

"کوئی شیعہ یہ خیال نہ کرے کہ فقط خوار و ذلیل کہہ دینے پر جناب امیر نے قناعت کی ہے۔ بلکہ اگر ان کی کتب معتبرہ سے ڈھونڈا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر نے اپنے اور پیغمبر کے چچا حضرت عباس کو صاف گالیاں دی ہیں اور معاذ اللہ، معاذ اللہ توبہ توبہ نقل کفر کفر نہ باشد۔ جناب امیر نے حضرت عباس کو ولد الزنا بتایا ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ روضہ کلینی اور حیوۃ القلوب کو ملاحظہ کرے" (آیات بینات ص ۱۷۹)

غالباً انہی نقائص کی وجہ سے وہ سلالہ نور جو عبدالمطلب سے عبداللہ کے ساتھ ٹوٹ کر بہا تھا طالب عقیل و جعفر کے استقرار کے وقت ابوطالب نے خارج نہ ہونے دیا۔ اُسے چوتھے بیٹے کی ولادت کے لئے محفوظ کر لیا تاکہ نور کا نور سے پیوند ہو سکے اور اماموں کی نسل چلے۔ ناصبیوں کو یہ معلوم کر کے اطمینان ہوگا کہ طالب کا ناپاک وجود بھی اسی پاک صلب و رحم سے معرض وجود میں آیا تھا جس سے جناب امیر نے ظہور فرمایا ہے۔

اِن واقعات کی روشنی میں خاندان بنو ہاشم کے شجرہ نسب پر ایک نظر ڈالئے شیعہ دعوے ہے کہ یہ خاندان بنو امیہ سے جو اُن کا ہم جد تھا نجابت شرافت شجاعت اور شاید مظلومیت میں بھی بلند و برتر تھا۔ اب اس مورث اعلیٰ کو دیکھئے۔ اُس کی اولاد پر غور کیجئے پھر اصلاب طاہرہ و ارحام طاہرہ کا خیال فرمائیے اور خدا کی شان دیکھئے کہ کیسے کیسے مختلف الخلقت بزرگ ایک ہی گھرانے میں پیدا کر دیئے۔

(ملاحظہ ہو شجرہ صفحہ ۸۲ پر)

عبد مناف
ہاشم
المطلب
نوفل
عبد شمس
عبد المطلب
امیہ
حرب
ابوسفیان
حضرت معاویہ
یزید
حارث
زبیر
عبد مناف یا ابو طالب
ابولہب
حضرت عباس
جد بنو عباس
حضرت حمزہ
عبداللہ
محمد رسول اللہ صلعم
طالب
عقیل
جعفر
حضرت علی
مسلم شہید کوفہ
زینب
رقیہ
ام کلثوم
فاطمہ
حسن
حسین
محسن
عباس علمدار
محمد اوسط
عون
محمد بن الحنیفہ
اصغر
عبداللہ
جعفر
یحییٰ
عبدالرحمٰن
(کل ۱۲ لڑکے)
اور سولہ لڑکیاں زینب ام کلثوم - رقیہ - ام ابالہ - ام ہانی - حمامہ - ام سلمہ - خدیجہ - امامہ فاطمہ - میمونہ - ام جعفر - ام حسن -
صغریٰ - ام عبداللہ - ام الحسن - ام الحسین - فاطمہ کبریٰ (اخلاق المعصومین ص ۹۵)

ان میں صرف دائروں کے اندر دیئے ہوئے افراد قابل احترام ہیں۔ باقی شیعہ عقائد و روایات کی رو سے مذموم و قابل نفرین ہیں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ کی شیعہ تعریف حضرت علیؓ کی زبانی آپ نے پڑھ لی۔ حضرت عقیلؓ کا بھی حال دیکھ لیا۔ مگر اُن کے بیٹے مسلم جو امام حسینؓ کی خاطر جا کر کوفہ میں قتل ہوئے قابل احترام ہو گئے۔ یعنی مسلمان ماں باپ کا بیٹا عقیل۔ ذلیل و خوار پھر ذلیل و خوار کا بیٹا محترم و عزت مآب بلکہ پوجنے کے لائق اور پھر امام علیہ السلام کے طاہر صلب سے سوائے پانچ کے ساری غیر طاہر اولاد پیدا ہوئی۔ اور یہ شیعہ احترام اہل بیت ہے۔ اس پر اعتراض کرنیکا ناصبیوں کو حق نہیں ہے۔ اور رہے ہمارے ہادیان دین تو خدا اُنھیں غارت کرے اُنھیں تیرہ سو سال میں غیرت نہ آئی تو اب کیا اُمید کی جائے کہ حلوہ مانڈہ۔ کھیرا اور شربت چھوڑ کر کسی کو اصلی دین محمدؐ سے واقف ہونے دیں گے۔

رسول اللہ کی شادیوں پر اعتراض

اگر کسی مستشرق یا ہندو نے یہ حالات لکھے ہوتے تو پاکستان میں ایک کہرام مچا ہوتا جس طرح رسول اللہ کی شبیہہ مبارک جو ایران و عراق میں گلی گلی بکتی ہیں جب کبھی کسی انگریزی رسالے میں چھاپ دی جاتی ہیں تو آفت برپا ہو جاتی ہے۔ رسالہ سوخت ہو جاتا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اُن میں وہ بھی پیش پیش رہتے ہیں جو مدینے کی زیارت کو جاتے ہیں تو موئے اقدس کہیں سے لے آتے ہیں اور اُن کی زیارت کے جہانے روپے کماتے ہیں۔ شہر شہر اُن کی نمائش کرتے پھرتے ہیں۔ مگر ان سبائی روایتوں پر محض درگزر سے کام لیتے ہیں۔ آغا صاحب لکھتے ہیں:۔

> "یہ امر واقعہ ہے کہ جماعت مخالفین (سنیوں) کی بلحاظ سیاست پر جو کام حضرت عائشہ اور ان کی جماعت نے کیا وہ حقیقۃً سنیّت کی کامیابی کا باعث ہوا جس طرح اصحاب رسول میں حضرت علی کی بغض و محبت کی بنا پر دو پارٹیاں (سنی اور رافضی) ہو گئی تھیں اسی طرح حرم رسول میں بھی دو فرقے بن گئے تھے۔

یہ بہت غور کرنے کی بات ہے کہ ازواج مطہرات میں فریق

بندی کیوں ہو اگر کہا جائے کہ سوکنوں کا جلاپا تھا تو غلط ہے۔ کیونکہ جلاپا وہاں ہوتا ہے جہاں سب کے ساتھ مساوی سلوک نہیں کیا جاتا۔ آنحضرت سے ناانصافی کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ اگر یہ جواب دیا جائے کہ انصاف ہو یا نہ ہو فطری بات ہے کہ جو زوجہ زیادہ محبوب ہوگی باقی اُس کے خلاف ہو جائیں گی۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس صورت میں تین ازواج کیوں حضرت عائشہ کے ساتھ ہوں وہ بھی خلیفہ گردوں اور حکام خاندان کی۔ یہ حضرت صفیہ وہی ہیں جنھوں نے آں حضرت کو زہر دیا تھا پھر سوکنوں کا جلاپا تو اُمہات المومنین سے بعید ہے۔" (البلاغ المبین ص ۲۷)

"واقعات بتا رہے ہیں کہ امور سیاسیہ میں سب سے زیادہ حضرت عائشہ حصہ لیتی تھیں (غالباً آغا صاحب کو اُن کے گڑیوں سے کھیلنے پر اعتراض ہے۔ شیعہ دعویٰ ہے کہ وہ شادی کے وقت چھ سات برس کی تھیں) اور حضرت علی کی مخالف جماعت ان کی بہت مرہونِ منت ہے۔ حضرت عائشہ نے اپنے والد بزرگوار کو امامت نماز پر کھڑا کر کے سقیفہ سازی کے جدال کے لئے ایک مغالطے میں ڈالنے والا نکتہ مہیا کر دیا۔"

مخدراتِ عصمت کی یہ جماعت حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کو جناب رسول خدا کی نقل و حرکت اور اُن کے ارادوں سے مطلع رکھتی تھی"۔ اُمہات المومنین کی ایک جماعت نے بڑی کوشش کی کہ اُسامہ بن زید اپنے لشکر کو نہ لیجائیں اور بوقت رحلت مدینے میں رہیں۔

دیکھا آپ نے حضرت تو اتنی تاکید کر رہے ہیں لیکن آپ کے حرم ہی سے ایک فریق آپ کی صریحاً مخالفت کر رہا ہے۔ حضرت عائشہ ہی کے گھر میں آنحضرت کے بعد حضرت علی کے خلاف تجویزیں سوچی جاتی تھیں اور مجلس مشورہ ہوا کرتی تھی۔

جناب رسول خدا حضرت عائشہ کی سیاسی تحریکات سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ ان کو ناپسند فرماتے تھے۔ بار بار حضرت عائشہ سے کہتے تھے کہ اِن حرکات سے باز آؤ۔ آخر کار جب آنحضرت نے دیکھا کہ

عائشہ کی اصلاح ناممکن ہے تو آپ ناامید ہو کر فرمانے لگے۔ کیا اچھا ہوتا جو تم مجھ سے پہلے مر جاتیں۔"

(ص۲۷ تا ص۲۹ البلاغ المبین مؤلفہ آغا محمد سلطان مرزا)

یہ رسول کی خانگی زندگی کا نقشہ ہے جسے رافضیوں نے گویا ان کے گھر میں گھس کر دیکھا ہے ان کے نزدیک رسول کا گھر کیا تھا۔ جاسوسوں کا اڈہ تھا ایک طرف گروہ حکومت کے جاسوس اپنا کام کر رہے تھے اور دوسری طرف رافضیوں کے مجروصی و ولی مظلوم کی بدقسمتی پر روتے چلاتے کوستے اور مفسدہ پردازی کر رہے تھے۔

آغا صاحب کہتے ہیں۔ رسول اپنے حسب وعدہ (جیسا کہ باب توحید میں جناب کلیب حسین صاحب سے آپ نے سُنا ہے) علی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اس کی وصیت بھی فرما دی تھی۔ اور سیاسی کوششیں بھی کر رہے تھے جن میں سے آخری جیش اُسامہ کی چال تھی (نعوذ باللہ) جس کے ساتھ ان دو بزرگوں کو روانہ ہونے کا حکم فرمایا تھا۔ رسول کو امید تھی کہ جنگ میں دونوں خطرناک دعویداران حکومت مارے جائیں گے اور علی کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔ مگر وہ دونوں بزرگ ایسی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھے۔ انہوں نے پہلے ہی سے پیش بندیاں کر لی تھیں یعنی اپنی اپنی بیٹیاں رسول کے گھر میں رکھی تھیں تاکہ مخبری کیا کریں۔ اور رسول مقبول نے اس وقت بے سوچے سمجھے ان دونوں کو زوجیت میں قبول فرما لیا تھا۔ (استغفراللہ) اور گوناگوں مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ ان دونوں سعادت مند بیٹیوں نے اپنے فرائض نہایت شاندار طور پر سرانجام دیئے۔ پل پل کی خبریں اپنے بزرگوں کو بھیجنے لگیں اور رسول اللہ کی ہر اسکیم کو ناکام کرنے لگیں (نعوذ باللہ) چنانچہ اس آخری چال کا بھی بھانڈا پھوٹ گیا اور دونوں بزرگ یعنی حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ علالتِ رسول کی شدت سنتے ہی واپس آ گئے اور موقع ملتے ہی مسند خلافت پر قابض ہو گئے" حقدار، حق دلانے والے اور حق مقرر کرنے والے منہ دیکھتے رہ گئے۔ غالباً سب دھاڑیں مار مار کر روئے بھی ہوں گے جس کی نقل آج تک ماتم داری جاری ہے اور آغا صاحب کا دعویٰ ہے کہ یہی اصلی اسلام ہے

رسول کی وصیت

"جب آنحضرت کو صحابہ کی طرف سے ناامیدی ہو گئی اور معلوم

ہو گیا کہ یہ ضرور تنازعہ کریں گے (یعنی علی، خلیفۂ رسول نہ بننے دیں گے) تو حضرت علی کو بلا کر دیر تک راز کی باتیں کیں اور صبر کی تلقین کی۔

حصول حکومت کے لئے جو تدبیریں کی جا رہی تھیں اُن میں اُن دونوں مخدرات عصمت کا بڑا حصہ تھا۔ کسی موقعہ کو یہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں۔ آنحضرت کو معمولی انسان سمجھ کر (گویا آغا صاحب اب بھی ان کو غیر معمولی ہی سمجھتے ہیں یہ ساری فضیحت اُن کی فوق البشریت پر دال ہے) آپ کی جسمانی کمزوری اور بیماری سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں اور اپنی رائے کے مطابق عمل کرانا چاہتی تھیں۔ جب آنحضرت نے نہ مانا تو خود ہی دونوں نے اپنے اپنے باپ کو بلایا۔ مگر اُن کو واپس کیا گیا۔ اور علی کو بلایا گیا۔ چنانچہ محدث شیرازی سے روایت ہے۔

ترجمہ:۔ "آنحضرت نے فرمایا کہ میرے بھائی علی کو بلاؤ۔ حضرت علی آئے اور آپ کے سرہانے بیٹھے۔ آنحضرت نے سر تکیہ سے اٹھایا۔ اور حضرت علی کو بغل میں لے لیا۔ اور آنحضرت کا سر حضرت علی کے بازو پر تھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اے علی فلاں یہودی سے میں نے تجہیز جیش اُسامہ کے لئے قرض لیا تھا۔ دیکھو ضرور بضرور اس کو میری طرف سے ادا کرنا اے علی تم پہلے شخص ہو گے جو حوض کوثر پر میرے پاس پہنچے گا۔ میرے بعد تم کو بہت مصائب اور تکالیف پہنچیں گی۔ تم کو چاہیئے کہ دل تنگ نہ ہو۔ صبر کرو اور جب دیکھو کہ لوگوں نے دنیا اختیار کی ہے تو تم آخرت کی تیاری کرنا۔" (البلاغ المبین ص ۲۴۷)

لیجئے وہاں لینے کے دینے پڑ گئے؟ جیش اُسامہ یعنی وہ فوجی مہم جو ابوبکر اور عمر کا پتہ کاٹنے کے لئے تیار کی گئی تھی۔ ایک یہودی سے قرض لے کر بھیجی ہوئی تھی۔ اس لئے جب اسکیم فیل ہوئی تو خلافت وصایت تو ایک طرف اُلٹے یہودی کا قرضہ ادا کرنے کی ذمہ داری بیچارے امام مظلوم پر آ پڑی۔ چنانچہ شیعہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب وصی نے عمر بھر اس یہودی کے ... کو بیع کردہ قرضہ ادا کیا۔ اسی ذمہ داری نے اُن کی کمر اس طرح توڑی کہ خلافت کو غاصبوں کے ہاتھ سے واپس لینے کی فرصت ہی

نہیں ملی۔ استغفر اللہ۔ نقل کفر کفر نہ باشد"

یہاں یہ بھی غور طلب ہے کہ جناب وصی نے اُس وصیت پر بھی عمل فرمایا یا نہیں جو باقاعدہ تخلیہ کرکے فرمائی گئی تھی کہ جب لوگ دُنیا اختیار یں تو تم آخرت کی تیاری کرنا۔ آغا صاحب فرماتے ہیں کہ علی نے انصار تلاش کئے مگر جب چالیس انصار بھی فراہم نہ ہوسکے تو مجبوراً تقیہ کرکے اپنی باری کا انتظار فرمانے لگے۔ نعوذ باللہ ابر رسول کی ہوشیاری جو سبائیوں کی بیان کردہ ہے ملاحظہ فرمایئے:۔

علی سے کان میں راز کی باتیں تو کیں مگر نہ خلافت دلوائی اور نہ صحیفہ ربانی کی کوئی جلد عطا فرمائی۔ چلتے وقت صرف اتنا کیا کہ علی کو بلا کر اُن کو صبر کی تلقین فرما گئے اور حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ کر گئے۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

حضرت فاطمہ زہرا پر افترا

مولوی قربان علی صاحب نے شیعہ بچوں کی نماز میں جہاں اماموں کی خاص تفصیل دی ہے۔ رسول اللہ اور حضرت بی بی فاطمہ کا صرف اس قدر ذکر کیا ہے کہ ان دونوں کو ۱۲ اماموں کے ساتھ ملانے سے چودہ معصوم ہوتے ہیں۔ اس سے بچوں کی سمجھ میں کیا آتا ہوگا ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے آپ کا حال دوسری کتابوں سے معلوم کرنا پڑا

اخلاق المعصومین مؤلفہ سید امداد حسین صاحب کاظمی صدر ادارہ معارف اسلام لاہور جدول حالات فاطمہ بنت رسول اللہ میں لکھتے ہیں:۔

۱۔ آپ (یعنی فاطمہ) رسول اللہ کی اکلوتی بیٹی ہیں۔

۲۔ کنیت ام الائمہ ام الحسن ام الحسین ام السبطین۔ ام ابیہا۔

۳۔ روز ولادت جمعۃ المبارک ۵ بعثت ۲۰ جمادی الآخر۔

۴۔ عمر صرف اٹھارہ سال۔

۵۔ سبب وفات پہلو پر دروازہ گرنے سے سقط محسن ہوا اسی مرض میں انتقال فرمایا

اخلاق المعصومین ص ۳۴۴

یہاں کاظمی صاحب نے جو جھوٹ تراشے ہیں شبعہ شرارت کے آئینہ دار ہیں پہلے

زرا حاشیہ دیکھئے آپ کی کنیت ام ابیہا کی وجہ تسمیہ بتلاتے ہیں۔ اصابہ صت ۱۵۷ پر ہے "کانت تکنی اُم ابیہا" کہ آپ کی کنیت تھی ام ابیہا یعنی اپنے پدر بزرگوار کی ماں
اِس عظیم کنیت میں اس قدر اسرار و معارف پنہاں ہیں جس طرح امام حسین علیہ السلام کے بارے میں آنحضرت نے فرمایا تھا "انامن الحسین" جو معرفت کا ایک معمہ ہے۔ اسی طرح یہ کنیت بھی ایک سِرّ الٰہی ہے (اخلاق المعصومین صت ۳۴)
آپ سمجھیں گے۔ مولوی صاحب خلوص نیت سے حضرت فاطمہ زہرہ کی اس کنیت کو اسرار الٰہی بتلا کر سمجھانے سے پرہیز کر رہے ہیں اور دریا در نہ کر سکیں گے۔ اگر ہیں کہوں کہ انتہائی خباثت سے اُس نے حضرت فاطمہ پر ایک طنز کیا ہے جسے صرف مجتہد صاحبان سمجھ سکتے ہیں جہال محض حیرت و استعجاب سے مرعوب ہو کر رہ جائیں گے اور جاننے کی کوشش بھی نہ کریں گے کہ یہ کنیت کیوں پڑی تھی اور کس نے دی تھی۔ آئیے ان پانچوں بہتانوں اور افتراؤں کا پتہ انہی روایتوں سے لگایا جائے۔
حضرت فاطمہ کا اکلوتی ہونا ہم امیر علی کی تاریخ اسلام سے ثبوت میں جھٹلا چکے ہیں۔ مزید ثبوت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مسلمان چار بیٹیوں کو مانتے ہیں اور نہ تاریخ اور کتب انساب ہی نہیں خود اللہ تعالیٰ گواہ ہے کیونکہ اللہ جل وعلا نے قل لازواجک وبناتک میں لفظ بنات کا صحیح استعمال فرمایا ہے اور کہا ہے کہ رسول اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے کہہ دیجئے عربی میں واحد کے لئے بنت تثنیہ یعنی دو کے لئے بنتان اور تین یا تین سے زائد کے لئے بنات آتا ہے۔ مگر شیعوں کو تو اللہ کے کلام سے واسطہ ہی کیا وہ تو قرآن شریف کو بیاض عثمانی کہتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو شیعہ پروپگنڈہ سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے۔

۲۔ کنیت اُم ابیہا کے اسرار

بی بی فاطمہ کی تاریخ پیدائش پر اختلاف کرنا اور اس میں شدت کا اظہار سوائے جہالت کے اور اور کیا ہو سکتا ہے ہاں شیعہ شرارت اُسے جتنا اچھالے جائز ہے۔ ہجرت رسول سے پہلے بلکہ تاریخ کہتی ہے کہ ۱۷ھ سے پہلے عرب میں نہ کوئی سنہ وسال تھا نہ جنتری نہ کلنڈر۔ چاند کے نکلنے سے مہینوں کا شمار کر لیا جاتا۔ اور اہم واقعات سے برسوں کا حساب کر لیتے تھے۔ جیسے ہماری بڑی بوڑھیاں کسی سیلاب یا کوئٹہ کے زلزلے کے حوالے

سے برسوں کا حساب نکال لیتی ہیں۔ چنانچہ خود رسول اکرم کی ولادت کا حساب عام الفیل سے کیا جاتا تھا اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ اصحاب فیل کا حملہ کس سنہ میں ہوا۔ اسی طرح حضرت فاطمہ کی ولادت کا تعین بھی شرارت اور جہالت کے لئے وسیع میدان اختلاف پیدا کرتا ہے۔ ظاہر ہے جس ولادت پر نہ زائچہ بنا۔ نہ سالگرہ منائی گئی نہ جشن ہوا۔ نہ کیک کٹے نہ ختان کی مٹھائی تقسیم ہوئی کسے یاد رہتی۔ سو دو سو سال بعد جب تاریخیں لکھی جانے لگیں تو روایتیں جمع کی گئیں اور جتنے منہ اتنی باتیں معلوم ہوئیں تو مورخ بیچارے کیا کرتے جس کو جو دن و تاریخ زیادہ مناسب معلوم ہوا وہ لکھ ڈالا۔ آیئے محبانِ اہل بیت کی روایتوں سے صحیح تاریخ معلوم کی جائے۔

"بعضوں نے ۳۵ برس کی عمر میں وفات قایم کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سیدہ بیاہ کے بعد کل آٹھ برس زندہ رہیں تو اس وقت لامحالہ انیس بیس بلکہ ستائیس کی ہوں گی بلکہ ایک روایت میں لکھدیا ہے علی و فاطمہ میں کل دو برس کی چھوٹائی بڑائی تھی۔ اور یہ امر قابلِ انکار نہیں کہ شیر خدا کا سن عقد کے وقت پچیس چھبیس برس کا ہوگا۔ یا کم سے کم بائیسواں برس ہو کیونکہ بعثت کے وقت یعنی جب رسول اللہ نبی ہوئے۔ جناب امیر کی عمر بقول قوی بارہ اور بقول ضعیف دس اور بروایت ضعیف آٹھ سال کی تھی۔ اور تیرہ برس بعد نبوت کے ہجرت ہوئی۔ اور ہجرت سے دوسرے سال عقد ہوا اس حساب سے سیدہ کی عمر بیس بائیس برس کی ہونی چاہیے، لیکن ہمارے نزدیک یہ قول بھی خلاف ہے۔ قیاس میں نہیں آسکتا کہ رسول بیٹی کو اس قدر بٹھار کھتے کہ سن ڈھل جائے۔ اور حساب کی رو سے بھی یہ قول خلاف ہے ولادت سیدہ کی بنا بر اشہر واقوی ۵ بعثت میں ہوئی اور ہجرت کے وقت آٹھ سال کی عمر تھی۔ دو برس بعد عقد ہوا اور نیز مروی ہے کہ ولادت امام حسن کے وقت ۳ھ میں جو مدینہ میں ہوئی۔ سیدہ کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ زیادہ سے زیادہ بارھواں پورا ہونے کو ہو۔ اور روقت وفات اٹھارواں سال تھا۔ دو مہینے اور پندرہ دن اوپر یعنی انیسواں

شروع تھا پس حساب لگانے سے ظاہر ہے کہ عقد کے دن زیادہ سے زیادہ
گیارہواں سال ہونے کو ہو۔ اس سے زیادہ نہیں تھا۔

(قرآن السعدین ص ۳۰)

خدا کرے یہ عبارت آپ کی سمجھ میں آگئی ہو۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ نہ آیا کہ مولوی صاحب اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ ایک بات کہتے ہیں پھر اُسے جھٹلاتے ہیں۔ دوسری روایت بیان کرتے ہیں اور اسے بھی ماننے کو تیار نہیں آخر میں جاکر علامہ کاظمی کے سرالٰہی کا پردہ چاک فرمادیتے ہیں اور پھر گھبرا کر کہتے ہیں نہیں نہیں ایسا نہیں تھا۔ وہ تو بہت کم عمر تھیں جب شادی ہوئی بھلا رسول سے کیسے اُمید کی جا سکتی ہے کہ اپنی بیٹی کو اتنا بھار کھیں کہ اس ڈھل جائے۔

اُم ابیہا کا دوسرا شیعہ ثبوت

"جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ سے اپنا نکاح کیا تو مکّے کی عورتوں نے اُن کو چھوڑ دیا۔ نہ اُن کے پاس آتی تھیں اور نہ سلام و کلام باقی تھا۔ بلکہ ایک دوسرے کو وہاں جانے سے روکتی تھیں۔ مگر جب سیدہ حمل میں آئیں تو اپنی ماں سے پیٹ کے اندر سے باتیں کیا کرتیں اور دلاسا دیتی رہتی تھیں حضرت خدیجہ نے اس بات کو رسول اللہ سے ظاہر نہ کیا۔ ایک دن رسول خدا دولت خانے میں تشریف لائے تو حضرت خدیجہ کو کسی سے باتیں کرتے پایا۔ فرمایا۔ اے خدیجہ تم کس سے باتیں کرتی ہو وہ بولیں۔ یہ بچّہ جو میرے شکم میں ہے مجھ سے باتیں کیا کرتا ہے۔

حضرت نے فرمایا اے خدیجہ یہ جبرئیل مجھے بشارت دیتا ہے کہ یہ لڑکی ہے اور مبارک و پاکیزہ ہے اور بے شبہ اللہ تعالےٰ اس سے میری نسل پھیلائے گا۔ اور اس کی نسل سے امام پیدا ہوں گے۔ جو وحی کے منقطع ہونے کے بعد زمین پر خدا کے خلیفہ اور نائب ہوں گے؟

(قرآن السعدین ص ۹)

یہاں قطع نظر اس سے کہ پیٹ سے بچّہ کس طرح باتیں کر سکتا ہے۔ آواز کسی روزن یا لکڑی سے آتی تھی یا اوپر روح منڈلاتی رہتی تھی اور بولتی جاتی تھی، اس پر غور فرمایئے کہ امام جعفر صاحب نے بتلایا کہ شادی کے بعد مکہ کی عورتوں نے حضرت خدیجہ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے رحم میں ایک حمل قرار دیا جو اُن سے باتیں کرتا اور ان کا دل بہلاتا تھا۔ حضرت خدیجہؓ سے آپ نے شادی بعثت سے پندرہ برس پہلے کی تھی۔ اب اگر یہ حمل بعثت کے پانچ سال بعد وضع ہوا تو تقریباً پندرہ بیس سال رحم مادر میں رہا۔ اور اگر نویں مہینے پیدا ہو گیا تو بعثت کے وقت دس پندرہ سال کا جوان ہو چکا ہوگا۔ یہاں ثابت ہوتا ہے کہ علامہ کاظمی نے جھوٹ لکھا ہے اور امام جعفر سچے ہیں۔ حضرت فاطمہ کی ولادت قبل بعثت ہوئی تھی۔ چنانچہ شیعہ مورخ اقبال علی خمسۂ اقبالیہ میں لکھتا ہے۔

"شادی سے پہلے دس سال میں یعنی بعثت سے پانچ سال پہلے حضرت خدیجہ کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں جن میں حضرت فاطمہؓ سب سے چھوٹی اور آخری اولاد تھیں آپ عمر میں حضرت علی کے لگ بھگ تھیں یا کچھ کم تھیں" ورنہ بعثت سے پانچ سال پہلے ان کی ولادت تاریخ سے ثابت ہے۔ (ملاحظہ تاریخ طبری)

اور یہ سمجھ میں بھی آتا ہے کیونکہ رسولؐ کی شادی پچیس سال کی عمر میں چالیس سالہ حضرت خدیجہؓ سے ہوئی۔ پہلے دس سال میں مذکورہ اولادیں ہوگئیں یعنی حضرت خدیجہؓ کے پچاس سالہ ہونے سے قبل۔

بعثتِ رسولؐ شادی کے پندرہ سال بعد ہوئی جب خدیجہ پچپن سال کی ہو چکی تھیں۔ اس لئے شیعہ روایت کہ حضرت فاطمہ کی ولادت بعثت کے پانچ سال بعد ہوئی کسی طرح قابل یقین نہیں ہو سکتی۔ حضرت سارہ کے بطن سے بیٹے کی پیدائش ستر سال کی عمر میں ہونے کی بشارت کا ذکر قرآن میں آگیا ہے اور اُسے معجزہ بتایا گیا ہے۔ پھر حضرت فاطمہ کی ولادت ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی تو کسی رافضی نے بھی اُسے معجزہ نہیں لکھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت فاطمہ کی شادی میں دیر ہو گئی اور عرب کے رواج کے مطابق دس بارہ سال کی عمر میں نہ ہو سکی۔ وہ بیس اکیس سال کی ہو گئیں تو رافضیوں اور منافقوں کو مذاق اڑانے کا موقع ملا۔ وہ اُن کو اُم ابیہا کہنے لگے یعنی یہ تو اپنے ابا جان کی ماں ہیں اُن کی خدمت کرتے کرتے بڈھی ہو جائیں گی۔ کاظمی صاحب کو

صاحب کو یہی واقعہ یاد دلانا مقصود تھا اس لئے تبرا رتاً ایک شوشہ چھوڑ دیا۔ جو اُن کی اور اُن کے مسلک کی خباثت کا آئینہ دار ہے۔

اِن روایتوں سے تاریخ ولادت و وفات اور عُمر کا بھی اندازہ ہو گیا ہو گا جنہیں جھگڑے کا سبب بنا کر شیعہ مذہب تیار کیا گیا ہے اور ہمارے لئے کوئی اہمیت کا باعث نہیں ہے۔ دینِ اسلام تو کلمۂ توحید ہے جس میں عزیز دں رشتہ داروں، قرابتوں اور وسیلوں کا کوئی مقام نہیں ہے۔ ہر شخص کے اعمال اُس کے ساتھ ہوں گے جو جیسا کریگا ویسا بدلہ پائیگا۔ اور اعمال انسان کا تقویٰ ہیں نہ کہ وسیلہ!

۳۔ "سقط محسن" کا لغو اتہام جس پر اہلِ امام بارہ تبرا کی مشق کرتے ہیں اور سنی بیٹھے سُنا کرتے ہیں۔ ہم باب امامت میں اماموں پر مظالم کے تحت پیش کریں گے۔

شیعہ مذہب کی چوتھی جزء امامت

"ہر پیغمبر نے اپنے بعد کسی کو اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ اسی طرح ہمارے پیغمبر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ سلم نے بھی اپنا نائب و امام مقرر فرمایا اور وہ سب برحق ہیں اور معصوم ہیں۔ اُن سب کا حکم بجالانا بھی ہم لوگوں پر واجب ہے۔ بارہ امام یہ ہیں :-

حضرت علی۔ حضرت حسن۔ حضرت حسین۔ حضرت زین العابدین۔ حضرت محمد باقر۔ حضرت جعفر صادق۔ حضرت موسیٰ کاظم۔ حضرت علی رضا۔ حضرت محمد تقی۔ حضرت علی نقی۔ حضرت حسن عسکری۔ حضرت مہدی آخر الزماں۔

بارھویں امام ابھی تک زندہ ہیں۔ مگر خدا کے حکم سے ہم لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ اور یوں ہی پوشیدہ رہیں گے۔ جب حکم خدا ہو گا۔ تب دُنیا میں ظاہر ہوں گے۔ اس وقت سب لوگ ایک دین اور ایک مذہب پر ہو جائیں گے۔ اور اسی حال پر دنیا برسوں قایم رہے گی۔ (ص۵ شیعہ بچوں کی نماز۔ از فرمان علی)

یہاں ہمیں صرف اتنا سوچنا ہے کہ رسول کے بعد بارہ امام ہوئے سب برحق تھے معصوم تھے۔ اِن سب کا حکم بجالانا شیعوں پر واجب ہے۔ مگر کسی ایک میں بھی وہ

صلاحیتیں اور وہ خوبیاں نہ تھیں جو رسول اللہؐ کو ودیعت فرمائی گئیں۔ مثلاً عرب قوم کی شیرازہ بندی۔ دوست دشمن کو اپنا بنا لینا۔ دونوں سے بڑے بڑے کام نکالنا اور ایک عظیم الشان نظامِ زندگی کی تعلیم دینا۔ برخلاف اس کے اماموں نے نہ صرف دشمنوں کو ناراض کیا بلکہ دوستوں کو بھی دشمن بنا لیا۔ چنانچہ امام اوّل فرماتے ہیں۔ ھلک فی الرجال محب غالٍ وعدو قالٍ۔ یعنی میری محبت اور دشمنی دونوں تم کو ہلاک کر ڈالیں گی۔ کیا ہمارے رسول کی تعلیم بھی یہی تھی۔

امامت کے عقیدے

"۱۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول کی طرح ہمارے کسی امام نے بھی دُنیا کے کسی عالم سے کسی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی تھی۔ بلکہ آپ کے معلّم خدا اور رسول تھے یا ایک امام اپنے بعد دوسرے امام کو تعلیم دیتا تھا (عقائد الشیعہ ص۳۳)

اس عقیدے کو اگر سُنی بھی مان لیں تو بڑی حد تک جھگڑا ختم ہو جائے پھر اماموں کے ساتھ جو کچھ ہوا اور خود اماموں نے جو کچھ کیا اُس کی ذمہ داری ان کی لاعلمی پر پڑ جائے اور کوئی شکایت باقی نہ رہے مگر بدقسمتی سے ناصبی و رافضی ایک دوسرے کی ضد میں بیچارے اماموں کی حقیقت طشت از بام کر رہے ہیں۔

۲۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ امامت کی وہی شرائط ہیں جو نبوّت کی ہیں۔ رسولوں کی طرح امام بھی بطنِ مادر ہی سے امام پیدا ہوتا ہے۔ (عقائد الشیعہ ص۳۴)

یعنی نبوّت اور امامت دراصل ایک ہی چیز ہے مگر چونکہ رسول اللہؐ نے کہہ دیا تھا کہ لا نبیَّ بعدی۔ مجبوراً ان بارہ بزرگوں کو امام کہنا پڑا گو وہ رسولوں سے کسی طرح کم نہ تھے سب پر جدًا اجدًا قرآن اُترتے رہے۔ البتہ امام اسمٰعیل کی پیدائش میں اللہ میاں سے غلطی ہو گئی تھی (بدا کا حال دیکھئے۔ باب توحید کتاب ہذا)

۳۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ امام خدا کی حجّت ہوتا ہے روئے زمین پر اور زمین کبھی حجّت خدا سے خالی نہیں ہوتی۔ خواہ وہ ظاہر ہو اور مشہور رہو یا خائف ہو اور مستور۔ (عقائد الشیعہ ص۳۴)

یہ خائف اور مستور حجت خدا بھی خوب چیز ہے۔ کہ تیرہ سو سال سے مخالفین کے ڈر سے چھپی چھپی پھرتی ہے۔ مگر جس دن ظاہر ہو گئی بڑے بڑے کام

کرے گی۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۴۔ علل الشرایع اور اکمال الدین میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ حضرت علی نے حق خلافت سے محروم رکھنے والوں سے جنگ کیوں نہ کی۔ آپ نے فرمایا قرآن مجید میں ہے۔ اگر جُدا ہو جائیں وہ تو البتہ ہم کافروں کو سخت عذاب دیں گے یعنی مومنین کے وہ نطفے جو اصلاب کافروں میں ہوں۔ اُن کی وجہ سے خدا نے کافروں پر عذاب کو موقوف رکھا۔ لہٰذا جناب امیر نے بھی اسی بنا پر اپنے دشمنوں سے جنگ نہ کی اور صبر و سکوت سے کام لیا۔

گو بادی النظر میں یہ عقیدہ عجیب ہے کہ حضرت علی نے حضرات عمرؓ و عثمانؓ اور ابوبکرؓ کے نطفوں میں مومنین کے اجرام دیکھ لئے حالانکہ تاریخ سے ثابت نہیں کہ کوئی صدیقی، فاروقی اور عثمانی کبھی شیعہ ہوا ہو۔ اور اگر ہوا تو اصلی نہیں دوغلا تھا بہر حال خلوص نیت سے جو بھی عقیدہ رکھا جائے اچھا ہے شاید پرستاران اہل بیت کے لئے یہ خیال تسکین کا باعث ہو۔ معلوم ہوا کہ اجرام کی جانچ پڑتال کے لئے حضرت علیؓ نے پہلی لیبوریٹری کھولی تھی اور آج کو وہ مصنوعی تمی کئی یعنی ٹیسٹ ٹیوب بے بی پیدا کرنے کی دریافت ہوئی۔ غالباً اسی زمانے کی ایجاد ہو۔

۵۔ مگر آغا صاحب کے عقاید کچھ اور ہیں اور وہ فرماتے ہیں
"حضرت علی اگر تلوار اُٹھاتے تو بہت ہی شدید خطرہ تھا۔ قلتِ انصار تو ظاہر ہے۔ فتح بھی ناممکن تھی۔ علانیہ عداوت کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فریق مخالف حضرت علی کے حق سے قطعاً انکاری ہو جاتا حضرت علیؑ نے اپنے کئی خطبوں میں وہ وجوہ بتائی ہیں کہ آپ نے کیوں اپنا حق لینے کیلئے تلوار نہیں اٹھائی۔ قلت انصار۔ ضرر اسلام اور تقیہ۔"

(البلاغ المبین حصہ دوم ص۴۰۵)

آغا صاحب کے عقائد کو کون صحیح العقل باور کر سکتا ہے کیونکہ تینوں وجوہ جو اُنھوں نے حضرت علی کی طرف سے بیان کی ہیں لغو اور مفسدہ انگیز معلوم ہوتی ہیں۔ قلت انصار کہ چالیس آدمی بھی ان کی طرف سے لڑنے کے لئے تیار نہ ہو سکے۔ کھلا ہوا جھوٹ معلوم

ہوتا ہے اگر ایسا ہوتا تو ام المومنین حضرت عائشہؓ سے جنگ جمل کی نوبت نہ آتی جس میں تیس
ہزار اصحاب رسول حضرت علیؓ کی سیاست پر قربان ہوگئے۔ دوسری وجہ حضرا سلام کا
خیال تو تاریخ شاہد ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین نے جتنا نقصان اسلام کو پہنچایا قیصرو
کسریٰ کی فوجوں نے بھی نہیں پہنچایا تھا۔ تیسری وجہ تقیہ۔ تو ماشاء اللہ امام کے لئے تقیہ
یعنی مکر اور جھوٹ کا بہتان کیا سعادتمندی ہے۔ یہ رافضیوں کو مبارک ہو۔

تاہم چونکہ یہ بھی خلوص نیت سے ان کے عقائد میں داخل ہیں ہم منظور کئے لیتے ہیں کہ
یہ بھی سب قابل تعریف باتیں ہیں۔ شیعان اہل بیت اپنے اماموں پر بہتان نہیں لگا سکتے۔
خاص کر حضرت علی جیسے قابل احترام بزرگ کے بارے میں جو ہمارے پیارے رسول کے چچیرے
بھائی بھی تھے کے بارے میں مسلمان کسی سوئے ظن کو برداشت نہیں کر سکتے۔

آئمہ کرام کے بارے میں شیعہ لٹریچر جو ہمیں دستیاب ہوا ہے حیرتناک انکشافات
کا باعث ہے۔ اُسے نقل کرتے ہوئے شرم سے گردن جھکی جارہی ہے مگر مجبوری ہے کہ ہم
شیعہ مذہب کا مطالعہ بغیر ان شواہد مصدقہ کے کر ہی نہیں سکتے۔ آغا صاحب فرماتے ہیں۔
کہ توہین رسالت اور توہین اہل بیت مسلمانوں کا شعار ہے۔ ہم نے شان رسالت شیعہ
آئینے میں پیش کر دی ہے جسے باور کرنے سے پہلے ہر مسلمان ڈوب مرنے کو ترجیح دیگا۔
اب شان آئمہ کرام ملاحظہ فرمائیے اور جو جی چاہے کیجئے۔ اتفاق سے کراچی کے گرد وسیع
سمندر بھی موجود ہے۔

امام اوّل حضرت علیؓ

شیعہ مورخ سید امیر علی تاریخ اسلام میں لکھتا ہے:۔

"حضرت علی حلیم، فیاض، ہمدرد۔ کمزوروں اور
ضعیفوں کے ملجا۔ مظلوم کے ماوی تھے۔ ساری زندگی اسلام اور
اسلامیوں کی خدمت میں وقف کر دی۔ اگر ان کی ذات میں حضرت عمرؓ کی
جیسی سخت گیری ہوتی تو وہ عرب جیسی منہ زور قوم کی حکومت زیادہ
کامیابی سے کرتے۔ مگر اُن کے تحمل ان کی بُردباری، ہمدردی اور
سچائی کو دشمنوں نے اپنی کامیابی کا آلہ کار بنالیا۔ (ص ۵۳)

خلیفہ اوّل ابوبکر کے عہد خلافت میں حضرت عمرؓ قاضی القضات اور
مہتمم زکوٰۃ تھے۔ حضرت علی چونکہ عالم تھے خط و کتابت اور اسیرانِ جنگ

کی حفاظت پر مامور تھے۔ وہاں کوئی کام بغیر صلاح و مشورے کے طے نہ پاتا تھا"
(تاریخ اسلام ص۵۷)

حضرت علی شیعہ آئینے میں

مگر آغا جی کہتے ہیں۔ جناب فاطمہ کے دوران حیات ہی میں اُن کی کون سی عزت کی گئی تھی۔ گھر کو اُن کے جلانے کی دھمکی دی۔ دربار خلافت میں جا کر فدک مانگنے پر اُن کو مجبور کیا گیا اور آخر کار جھوٹا ٹھیرا کر انھیں نامراد واپس کر دیا اب کس حُسن سلوک کی اُن سے اُمید ہو سکتی تھی۔ کہ اس کے لئے بیعت کر لیتے۔ (البلاغ المبین حصہ دوم ص۳۰۷)

حضرت علی نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا کہ میں تم سے بیعت نہ کرونگا کیا آپ کی عقل کہتی ہے کہ حضرت امیر المومنین اپنی قسم کو جھوٹا کریں گے۔ یہ تو حضرت ابوبکر کے زمانے کا ذکر ہے۔ جناب عمر کے حالات میں کہیں نہیں پایا جاتا کہ حضرت علی سے بیعت طلب کی۔ اور انھوں نے بیعت کر لی۔ حضرت عثمان سے تو بیعت نہ ہونا ظاہر ہے جب حضرت عثمان سے بیعت ہونے لگی تو بغیر بیعت کئے ہوئے آپ یہ کہتے ہوئے باہر چلے گئے کہ یہ پہلا ہی دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے اوپر ناجائز غلبہ کر لیا۔ خدا ہی اس کا فیصلہ کرے گا۔ (البلاغ المبین حصہ دوم ص۳۰۷)

اتفاق سے مورخ امیر علی بھی سشن جج تھے اور مؤلف البلاغ المبین بھی سشن جج رہ چکے ہیں۔ اِن دونوں کے بیانات کا فرق خود دیکھئے اور فیصلہ کیجئے۔ آغا صاحب کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی نے تینوں خلفاء سے بیعت نہیں کی۔ امیر علی کہتے ہیں ابوبکرؓ کے زمانے میں خط و کتابت اور اسیران جنگ کی حفاظت کے محکمہ کے افسر تھے۔ اِن دونوں میں جو بھی جھوٹا ہو۔ خدا اُسے سمجھے۔ (تفصیل باب نو میں دیکھئے۔)

حضرت علیؓ کی عمر کا جھگڑا

اگر کوئی کہے کہ حضرت علی کی عمر بھی تھوڑی تھی۔ اسد اللہ الغالب نے سولھویں سال جہاد شروع کیا۔ بیسویں برس نام آوروں کو مارا۔ بائیسویں سال خیبر کا قلعہ توڑا تو یہ بات محض بے سروپا ہے اس بنا پر حضرت کی عمر نبوت کے روز کُل چار یا پانچ سال کی ٹھیرتی ہے۔ کیونکہ خیبر ہجرت

کے پانچویں سال فتح ہوا ہے اور نیز شہادت کے روز ستاون برس کی
عمر ٹھیرتی ہے حالانکہ بقول صحیح اور مشہور اس وقت سن شریف امیر المومنین
کا پینسٹھ برس کا تھا۔ اوّل درجہ اکسٹھ برس کے ہوں گے۔

آٹھ اور تیرہ اور دس اکتیس اور تیس سال جناب رسول اللہ کے
کے بعد زندہ رہے پس فتح بدر کہتے تو ایک بات بھی تھی کہ بعض قول کی رد
سے بن بھی پڑتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جیسا موقعہ دیکھا ویسی بات بنا لیتے ہیں
کبھی عثمان کی فضیلت جتانے کو سیدہ کو سن رسیدہ بنا دیا۔ کبھی شیخین کی
ندامت رفع کرنے کو کم سن ٹھیرایا۔ علیٰ ہذا علت غائی اس ملمع سازی کی
اور مقصود اس آتار چڑھاؤ سے بھی جو دونوں صاحبوں کی عمر میں سنیوں
نے کیا ہے یہی ہے کہ حضرت شاہ مرداں کا اسلام معتبر نہیں وہ اوّل مسلمان
نہ تھے۔ پہلا کلمہ گو ابوبکر ہے اور شاہ زناں سیدہ عالم بنی زادی نہ
تھیں نبوت سے پہلے ولادت پائی۔ چاروں ہنسی سادی ہیں بس
دونوں داماد ہم زلف ہیں۔ بلکہ عثمان ذوالنورین ہیں۔ سو یہ دونوں
مرادیں حاصل ہونا محال ہے۔ ایمان فطری میں کم سنی خارج نہیں۔
علاوہ اس کے جب خدا اور رسول نے مولا کے اسلام کو مان لیا تو
پھر چار یاروں کے انکار سے کیا ہوتا ہے" (قرآن السعدین ص۲)

آپ کو حیرت ہوگی کہ مجتہد صاحب مجلس امام حسین میں شیعوں سے مخاطب ہیں تو اتنے
بوکھلائے ہوئے کیوں ہیں کہ خود ہی ایک بات کہتے ہیں اور پھر اسے رد کر دیتے ہیں۔ دوسری
روایت سُنا دیتے ہیں دوسری وجہ پیش کر دیتے ہیں۔ آخر اتنی محنت کے بعد نتیجہ کیا نکلا۔
یہ حضرت علی کی شادی کا ذکر ہو رہا ہے۔ چاہتے ہیں دولھا میاں کی عمر کم سے کم
بتلائیں یعنی اٹھارہ انیس سال کی مگر خوف ہے کہ مجلس میں سُنی بھی ہوں گے اور پوچھ بیٹھیں گے
کہ ۲ھ میں جب شادی ہوئی اور علی اٹھارہ سال کے تھے تو بعثت کے وقت ان کی عمر
کیا تھی۔ یہی چار پانچ سال تو شیعہ عقائد کو بڑا دھچکا لگے گا۔ علی کے اوّل مسلمان ہونے کا
شرف جاتا رہے گا۔ بچے کا قبول اسلام ہی کیا۔ اس لئے سُنیوں پر تبرا کے ساتھ ساتھ
ابوبکرؓ اور عمرؓ کا بھی ذکر کر دیا۔ جنھوں نے بقول شیعہ فاطمہؓ سے شادی کرنے کا ارادہ

کیا تھا۔ اور ان پر بھی تبرا بھیج دی۔ مگر عمر کا تعین نہ ہو سکا وہ آپ خود سمجھ لیجئے۔

حضرت علیؓ وزیر رسول کیسے بنے

"آنحضرت نے شعب ابوطالب میں تمام اولاد عبد المطلب کو جمع کیا جو چالیس تھے ایک ران بکری کی پکوائی۔ ایک کاسے میں روٹی چوری اور پیالہ دودھ کا منگا کر رکھا اور سب کو شکم سیر کر کے کھلا پلا دیا۔ پھر دریافت کیا تم میں سے ایسا کون ہے جو امور رسالت میں میرا قوت بازو بنے۔ میرے بعد میرا وصی و خلیفہ ہو اور میرا قرض ادا کرے۔

تین بار یہی سوال کیا مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ البتہ حضرت علی ہر بار اُٹھے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ۔ میں حاضر ہوں گو میں عمر میں چھوٹا ہوں میرا پیٹ بڑا ہے۔ پنڈلیاں پتلی ہیں اور میری آنکھیں دکھتی ہیں انا یا نبی اللہ اکون وزیرک یعنی اے اللہ کے نبی میں آپ کا وزیر بننے کو تیار ہوں۔

پہلے دو بار رسول اللہ نے ان سے کہا۔ اجلس انت اخی و وزیری ووصی و وارثی یعنی تو بیٹھ جا تو تو میرا بھائی۔ میرا وزیر وصی اور وارث ہے ہی، مگر تیسری بار فرمایا۔ اُدن منی۔ میرے پاس آؤ۔ جب جناب امیر قریب گئے تو فرمایا اپنا منہ کھولو۔ جب جناب امیر نے اپنا منہ کھولا تو آنجناب نے اپنا لعاب دہن جناب امیر کے دہن سے مس کیا۔ اور کچھ دونوں شانوں اور کچھ چھاتی کے مابین مل دیا اور آنکھوں میں بھی لگا دیا۔

ابو لہب نے کہا تم نے یہ برا سلوک کیا کہ بچے کے منہ کو تھوک سے بھر دیا آنحضرت نے فرمایا تو بھک مارتا ہے۔ میں نے علی کو علم و حکمت اور احکام دین سے مملو کر دیا ہے۔

پھر ابو لہب ابو طالب سے یہ کہتا ہوا اُٹھ گیا کہ لو اب اپنے بیٹے کی اطاعت کرو۔ محمد کے بعد یہی تمہارا ہادی ہوگا (ص ۵۲ مناقب مرتضوی بحوالہ ضمیمہ مقبول ص ۲۸ الذ مجالس الشیعہ ص ۱۵۲)

ہمارا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ نے جب اپنی وزارت و خلافت پیش کی تھی انہیں قرض ادا کرنے کی ذمہ داری کا ذکر نہ کرنا چاہیے تھا۔ لوگ جھجک گئے ہوں گے کہ نہ جانے کتنا قرض نے ڈالیں اور خلیفہ کی جان کی مصیبت ہو جائے ورنہ ابو لہب نہیں تو ابو طالب جو مفلس تھے ضرور وزارت قبول کر لیتے۔ (استغفراللہ)

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت علیؓ بہت چھوٹے تھے۔ رسول ان کو ڈانٹ ڈانٹ کر بٹھا رہے تھے مگر وہ اچک اچک کر سامنے آتے تھے اور قرض والی شرط کو خاطر میں نہ لاتے تھے جس نے دیگر اکابر قریش کے حوصلے پست کر دیئے تھے حتی کہ امیر حمزہؓ تک چپ سادھ گئے ظاہر ہے کسی مقروض کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لینا کوئی عقلمندی کی بات نہ تھی۔ بھی ہوئی ران بھی کھا گئے دودھ بھی پی لیا۔ اور کوئی مروت نہ کی یعنی رسول کی خلافت اور وزارت قبول کرنے کی حامی نہ بھری۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عطائے وزارت کی رسوم سے واقف ہو گئے تھے۔ شاید سوچا ہو کون اپنا منہ تھوک سے بھروائے (نعوذ باللہ من ذالک

حضرت علیؓ کے اجداد مسلمان تھے؟

آغا محمد سلطان مرزا کا بھی خلوص رسول اللہ اہل بیت رسول کے ساتھ غیر معمولی ہے اُن کو یہ بھی گوارہ نہیں کہ علیؓ کے اجداد کو جو رسول کی بعثت سے پہلے گزرے کافر کہا جائے چنانچہ دلیلوں کے ساتھ لکھتے ہیں :-

> "اصحاب ثلاثہ کے والد، آباؤ اجداد مسلمہ طور پر کافر تھے۔ پھر اصلاب طاہرہ کے کیا معنی اور ارحام تو کیا کہئے۔ ور حضرت ابو طالب تو یقیناً مسلمان تھے۔ حضرت عبد المطلب کی طرح۔ اپنے بیٹے علی کو رسولِ خدا کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا تو ابو طالب نے نہ روکا بلکہ ہدایت کی کہ محمد کی پیروی کرتے رہنا وہ تم کو راہ ہدایت پر چلائیں گے۔ جناب رسولِ خدا کی حفاظت کا فرون سے اتنی کی کہ جس سے زیادہ ممکن نہ تھی۔ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ہم نے اپنی کتاب سیرۃ الفاطمۃ الزہرا میں اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوطالب اسلام لائے تھے اور شروع سے آخر تک اپنے والد عبد المطلب کے دین پر قایم تھے (آغا سلطان مرزا۔ البلاغ المبین حصہ دوم صفحہ ۳۰۶)

عبارت سے ظاہر ہے کہ لکھنے والا بوکھلایا ہوا ہے۔ اور جو کچھ لکھ رہا ہے خود بھی نہیں سمجھتا مگر ایسا نہیں ہے۔ آغا صاحب سابق سشن جج ہیں۔ البلاغ المبین کے تقریباً دو ہزار صفحات اسی قسم کی خرافات سے سیاہ کئے ہیں جسے شیعہ مذہب کی مستند کتابوں میں سمجھا جاتا ہے۔ وہ پریشان نہیں ہے بلکہ اپنے جھوٹے عقاید کو بڑی ہوشیاری سے نبا ہنا چاہتا ہے۔ مگر بن نہیں پڑتا۔ کہتا ہے ابوطالب اپنے باپ عبدالمطلب کے دین پر آخر تک قایم رہے اور پھر بتلاتا ہے کہ دونوں مسلمان تھے۔

حالانکہ جاہل سے جاہل شیعہ بھی جانتا ہے کہ عبدالمطلب متولی خانہ کعبہ تھے جس میں تین سو سے زیادہ بُت رکھے تھے ان کی پوجا پاٹ کروانے اور قربانیاں دلوانے کی نگرانی کرتے تھے سارے چڑھاوے اس کے عیوض حاصل کرتے تھے۔ اور یہ مرتبہ حاصل کرنیکے لئے انھیں خاصی جد و جہد بھی کرنی پڑی تھی دوسرے یہ کہ جب عبدالمطلب جو رسول کی طفلی میں انتقال فرما گئے تھے مسلمان تھے تو رسول اللہ کونسا مذہب لائے جس کی وجہ سے سارا عرب اُن کے خلاف ہو گیا مگر عبدالمطلب اور ابوطالب کے کوئی خلاف نہ تھا۔

حضرت علیؑ کی والدہ اور بُت پرستی

آغا صاحب کا دعویٰ ہے کہ علی کے اجداد کی طرح ان کی والدہ نے بھی بتوں کی پوجا نہیں کی۔ مگر ایک مجتہد صاحب اس طرح جھٹلاتے ہیں:۔

> علی نے غیر خدا کو سجدہ نہیں کیا۔ علامہ شبلنجی نے نور الابصار میں لکھا ہے کہ جب علی بطن مادر میں تھے اور ماں کسی غیر خدا کے سامنے سجدہ کرنا چاہتی تو علی یوں بے چین ہو جاتے کہ ماں سجدہ نہ کر سکتی تھی۔ (مجالس الشیعہ ص ۱۴۸)

اب آغا صاحب کو اُن کے جھوٹ پر مبارکباد دیجئے۔ اصحاب ثلاثہ کے باپ دادا بھی کافر ہی نہیں بھی کافر مگر علی کے ماں باپ مسلمان اور دادا اور اُن کے اجداد بھی مسلمان ہیں اور یا تسے ہے کہ کبھی کبھی کعبہ میں جا کر جناب ہُبل کو سجدہ کر لیا۔ کبھی لات سے دعا مانگ لی اور کبھی عزا سے جو اللہ کی بیٹیاں تھیں۔ اس سے کفر ثابت نہیں ہوتا۔ ورنہ شیعہ مذہب پر بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے نہ صرف مشکل کشا اور امام حسین سے بلکہ تعزیہ اور علم سے دعائیں مانگتے ہیں اور نماز کے بعد حضرت علی اور حسین کی قبروں کا نقشہ بنا کر اُن سے امام غائب کو جلد بھیجنے کی دعائیں کرتے ہیں تو کیا ان باتوں سے کوئی کافر ہو جاتا ہے۔

آغا صاحب نے ایک بڑی سی جدول بنائی ہے جس میں چاروں خلفاء کا مقابلہ کیا ہے۔ جن میں پہلی فوقیت جناب امیر کی دیگر خلفاء پر حسب ذیل بتلائی ہے۔

۱۔ حضرت علیؓ۔ آپ عین خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ پیدا ہوتے ہی چہرہ رسول دیکھا اور لعاب رسول نوش کیا۔

۲۔ حضرت ابوبکرؓ۔ خاندانی بت خانے میں پیدا ہوئے۔ خاندانی بت کے قدموں میں ڈال دیئے گئے۔

۳۔ حضرت عمرؓ	ایضاً
۴۔ حضرت عثمانؓ	ایضاً

حالانکہ قریش کے گھروں میں کوئی خاندانی بت خانہ نہ تھا۔ خاندانی بت خانہ تھا تو خاندان علی کی تولیت میں تھا اور وہ کعبہ تھا جہاں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے اگر ولادت علیؓ اس بت خانہ میں ہوئی تو ظاہر ہے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہوئی ہوگی۔ اور تاریخ سے ثابت ہے کہ سیدنا ابوبکر الصدیقؓ کے ماں باپ دونوں مسلمان تھے۔ حضرت علیؓ کی والدہ اپنے شوہر کی زندگی میں فوت ہو گئیں جس کے بعد ان کے والد ابوطالب نے دوسری عورت سے نکاح کیا اور اس سے اولاد بھی ہوئی حضرت علیؓ کی نہ والدہ مسلمان نہ والد اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

اس فوقیت کی تصدیق کرشن جی مہاراج ہند وخدا نے بھی کی ہے جو دلچسپی کے لئے پیش ہے۔ فرمایا۔

"ہے پرمیشور سنسار پرم آتما۔ تجھے اپنی ذات کی قسم جو آکاش اور دھرتی کا جنم کارن ہے۔ اور اس کی قسم جو تیرے پیارے کا پیارا را تیرے پرم کا پرسیتم ہے۔ تجھے اس کا واسطہ جو ایلیا ہے۔ جو سنسار کے سب سے بڑے مندر میں کالے پتھر کے نزدیک اپنا چمتکار دکھلائیگا تو میری بنتی سن۔ جھوٹے راکششوں کو نشٹ کر اور سچے کو فتح دے۔

ایلا۔ ایلا۔ ایلا" (ایلیا علیہ السلام ص ۹۔ مطبوعہ ادارۂ معارف اسلام لاہور)

مولف حکیم سید محمود صاحب اس کی وضاحت فرماتے ہیں:۔

"کرشن جی کے ان دعائیہ فقروں پر غور کیجیے۔ کس خوش اسلوبی

وضاحت اور بے حجابی اور کس بکا دتضرع سے اکاش اور دھرتی کا
جنم کارن یعنی تکوین ارض و سما کو پکار رہے ہیں۔ زینت ارض و سما
کے پیارے رسول اور اس کے پریتم بتاب ایری کی قسم دے رہے ہیں۔
اس کا نام بھی پکارتے ہیں ایلی جو سنسکرت میں عربی لفظ علی یا عالی کے
ہم پلہ ہے۔ کرشن جی اس کی مزید تشریح کرتے ہیں کہ وہ سنسار کے
سب سے بڑے مندر خانہ کعبہ میں کالے پتھر حجر اسود کے نزدیک اپنا
چمتکار جلوہ دکھلائے گا آخر میں تین بار ایلا ایلا کہا یعنی حضرت علی سے
امداد کی درخواست فرمائی" (رسالہ ایلیا علیہ السلام)

یعنی شیعہ روایتوں سے بھی ثابت ہے کہ شہ سے قبل خانہ کعبہ دنیا کا سب سے بڑا مندر تھا۔ اس میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن کی پوجا کے لئے لوگ دور دراز سے آتے تھے۔ قربانیاں چڑھاتے تھے۔ حتیٰ کہ کرشن جی مہاراج بھی ہندوستان سے وہاں جایا کرتے تھے۔ انھوں نے پیشگوئی فرمائی کہ علی اسی مندر میں پیدا ہوں گے کالے پتھر کے سامنے۔ شاید کرشن جی بھی سبائیوں کے پیغمبر تھے۔

سبائیوں کے شیر خدا کا اتنے بڑے مندر میں کالے پتھر اور دیگر تین سو ساٹھ دیوی دیوتاؤں کے سامنے ولادت پانا معمولی معجزہ نہ تھا۔ یہ افتخار تو دیوی دیوتاؤں کو بھی میسر نہیں آسکتا۔ بلکہ ولادت کی گندگی۔ آلول اور خون کی چھیچھا لیدر تو جناب ہبس کے باپ نے بھی نہ دیکھی ہوگی۔ یہ منظر ان کے لئے بھی باعث افتخار ہو گیا ہوگا۔ حضرت علی کے پرستار اس سرفرازی پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ معلوم نہیں بڑے ہو کر پھر کیوں دوش رسول پر چڑھ کر انہی بتوں کے توڑنے کے درپے ہو گئے جن کے سامنے ولادت ہوئی تھی؟ یہ ہے نمونہ سبائی خلافت کا۔ معاذ اللہ۔

حضرت علیؓ کی خانہ کعبہ سے محبت

علامہ جزائری مؤلف ابو تراب اسی نسبت کی وجہ سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے احترام کعبہ کا مقابلہ فرماتے ہیں۔

"حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں کعبہ کے زیورات اور ان
کی کثرت کا ذکر آیا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ ان کو اتار کر مجاہدین کے

انتظام پر صرف کیا جائے تو ثواب ہوگا۔ بھلا کعبہ کو زیورات کی کیا ضرورت۔

لیکن حضرت علی نے فرمایا کہ جس وقت قرآن محمد مصطفےٰ پر نازل ہوا تھا تو اس میں اموال کی چار قسمیں تھیں اُن میں زیورات کعبہ کا ذکر نہیں یہ اس زمانے میں بھی تھے۔ اور اللہ نے ان کو وہیں رکھا۔ اللہ کا ان زیورات کا چھوڑ دینا نہ سہو و نسیان کی وجہ سے تھا اور نہ یہ اس وقت اس کی نظر سے پوشیدہ تھے۔ لہذا ان کو اسی جگہ میں رہنے دیا جائے۔ جہاں اللہ اور رسول نے ان کو رکھا۔ یہ سنکر خلیفہ نے زیورات کو رہنے دیا۔ اور کہا اگر آپ نہ ہوتے تو ہم رسوا ہو گئے تھے۔" (ابو تراب)

دیکھئے حضرت علی بقول شیعہ اپنے دشمن یعنی غاصب خلافت حضرت عمرؓ کو ایک صریح گناہ سے بچانے کی کوشش فرما رہے ہیں جس پر خلیفہ ان کا احسانمند ہے اور کہتا ہے ہم رسوا ہو جاتے اگر آپ نہ ہوتے بیشک مندر میں لٹکی ہوئی گھنٹیاں اور بتوں کے گلوں میں پڑے ہوئے ہار ہاتھوں کے کنگن۔ انگلیوں کی انگوٹھیاں اور کانوں کے بالے جنھوں نے محمود غزنوی کو غزنہ سے سومنات کھینچا تھا۔ خانہ کعبہ سے علیحدہ نہیں کئے جا سکتے تھے۔ اُس سے اللہ کا گھر سونا ہو جاتا اور حضرت علی سے فرضی مولد کی توہین ہوتی۔ عمرؓ کو کعبہ کے احترام کا کیا احساس ہوتا۔ وہ تو خانہ انی بت خانے میں شیعہ قول کے مطابق پیدا ہوئے تھے۔ مگر جناب امیر نے خانہ کعبہ کا وہ شوکت و دبدبہ آنکھ کھول کر دیکھا تھا جو ان زیورات کی وجہ سے تھا شاید اس لئے ان کو ہٹانے پر راضی نہ ہوئے۔ استغفراللہ۔

شیعہ شمائل مرتضوی

"قرآن السعدین ص۳۱" بعض روایات میں نقل ہے کہ جب حضرت رسول خدا نے قصد کیا کہ حضرت سیدہ کو حضرت علی مرتضےٰ سے نامزد فرمادیں تو خلوت میں علیحدہ ہو کر سیدہ سے مشورہ فرمایا۔ خاتون جنت نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کا فرمانا بسر و چشم جو حضرت کی رائے ہے وہ سب سے اولیٰ ہے۔ البتہ اتنی بات ہے کہ قریش کی عورتیں مجھ سے بیان کرتی ہیں کہ علی کا پیٹ بڑا ہے۔ بازو لمبے پلے ہیں اور جوڑ بند بھاری ہیں ہڈیوں میں بال نہیں۔ آنکھیں

بہت بڑی ہیں اور گردن پتلی ہے ۔ منہ کھلا رہتا ہے اور غریب و نادار ہیں۔

حضرت نے فرمایا اے فاطمہ کیا تو نہیں جانتی جب اللہ تعالےٰ نے دُنیا کی طرف نظر کی تو مردوں میں مجھے انتخاب کیا۔ اور پھر دوبارہ علی کو انتخاب کیا۔ اے فاطمہ خدا نے علی کو آخرت میں سب کچھ دے رکھا ہے۔ نادار ہے تو کیا ہوا۔ اور تو جو کہتی ہے کہ اس کا پیٹ بھاری ہے سبب اس کا یہ ہے کہ علم سے پُر ہے۔ خدا نے کل میری اُمت میں علم اُس سے مخصوص کیا اور جو کہا کہ اس کے ماتھے پر بال نہیں۔ آنکھیں پھٹی پھٹی ہیں تو سبب اس کا یہ ہے کہ خدا نے علی کو بصورت آدم صفی اللہ کے خلق کیا''

حضرت علی کی شکل و صورت کے بارے میں کسی مورخوں سے یہ حالات معلوم کرنا دشوار تھا ہم محبان اہلبیت کے ممنون ہیں کہ صاف صاف لکھدیا ہے اور احترام کی وجہ سے حقیقتوں کو نہیں چھپایا۔ یہاں یہ انکشاف بھی قابل غور ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے اپنے رشتہ کے چچا حضرت علی کو جنھوں نے بچپن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بوجہ اپنے والد کی ناداری اور غربت کے پرورش پائی تھی ۔ شادی سے پہلے نہیں دیکھا تھا ان کے حالات قریش کی عورتوں سے سنکر رسول اللہ سے وضاحت چاہی اور رسول نے سب اعتراضوں کے جواب دیکر ان کو مطمئن کر دیا !!

چنانچہ خود حضرت علیؓ اپنی تعریف ایک بند میں فرماتے ہیں۔ جیسے فتح خیبر میں نعرہ جنگ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ پڑھا تھا:۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ	یعنی میں وہ ہوں جس کا نام ماں نے شیر رکھا
کلیث غابات کریہہ المنظر	مثل شیر صحرائی کے میری شکل مہیب ہے
اکیلھم بالسیف کیل السندرہ	اب میں تلوار سے اس طرح ناپوں گا جیسے کیل سندرہ سے ناپتے ہیں۔
(متن و ترجمہ از خمر اقبالیہ صہ ۱۰۹)	

اس نعرہ میں جناب امیر نے اپنی صورت کے بارے میں کریہہ المنظر کا استعارہ استعمال فرمایا ہے جس کا ترجمہ مورخ صاحب نے میری شکل مہیب ہے کیا ہے غور طلب ہے۔

منذر بن جارود کوفی حضرت علی کے لشکر کی کوفہ میں آمد کا حال اس طرح بیان کرتا ہے۔

"اس کے بعد فوج کے دستے اور جھنڈے آنے شروع ہو گئے جو نیزے لہراتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ پھر ایک دستہ آیا جس میں بے شمار آدمی تھے وہ سب کے سب زرہیں پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ہتھیار چمک رہے تھے۔ اس دستے میں متعدد علم تھے۔ سب کے آگے ایک ایسا شخص جا رہا تھا جو اس لکڑی کی مانند تھا جیسے ٹوٹنے کے بعد دوبارہ جوڑا جاتا ہے۔ اور یہ حضرت علی تھے"

(الزہرا صفحہ ۶ بحوالہ المعارف منذر بن جادو)

یعنی حضرت علی (نعوذ باللہ) کبڑے تھے اور ان کا سینہ اس طرح دہرا تھا جیسے ٹوٹی ہوئی لکڑی کو باندھنے سے ایک جگہ گرہ دکھائی دینے لگتی ہے۔ یہ سب تو لائیاں اہل بیت کی روایتیں ہیں جن سے ہم ناصبیوں کی گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ مگر ان کا دعوے ہے کہ مسلمان اپنی نقائص کی وجہ سے ان کے نام کے آگے رضی اللہ عنہ یا علیہ السلام لکھنے کے بجائے کرم اللہ وجہہ لکھتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ اللہ ان کی صورت پہ کرم کرے نعوذ باللہ۔

حضرت علیؓ کا علمی معیار

البلاغ المبین صفحہ ۳۰ میں آغا صاحب لکھتے ہیں :۔

اگر کہا جائے کہ مدینۃ العلم نبی کے در ہیں تو تو آپ کے سوانح حیات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہمیشہ سلونی قبل ان تفقدونی یعنی پوچھ لو مجھ سے قبل اس کے کہ میں دنیا میں باقی نہ رہوں۔ کی صلائے عام دیتے رہے۔ مشکل مسئلہ باتیں کرتے کرتے حل کر دیتے تھے۔ فقہ میں کسی کے مشورے کے محتاج نہیں ہوئے۔ احادیث رسول پوچھنے کے لئے کسی غیر کی طرف رجوع نہیں کیا۔ در در پھر کر قرآن شریف جمع نہیں کیا۔

آخری تین فقرے تبرائی ہیں جو عوام کی سمجھ میں نہیں آ سکتے آغا صاحب کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو فقہ کا علم نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو حدیثوں کا علم نہ تھا۔ اور حضرت عثمانؓ نے در در پھر کر قرآن جمع کیا۔ یہ طنز آپ جمع قرآن کے تحت بھی پڑھ چکے ہیں۔ اچھا اب آیئے ان سے اپنے امام کی لیاقت اور قابلیت کا حال سنا جائے۔ اور سلونی کی تعلی کا حال

دیکھا جائے جو رافضیوں نے اُن کے سر پر منڈھ دی ہے۔

عقائد الشیعہ ص۲۰۳ ظفر حسن صاحب فرماتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول کی طرح ہمارے کسی امام نے بھی دنیا کے کسی عالم سے کسی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی۔

آغا صاحب کہتے ہیں حضرت علی نے قرآن جمع کیا تھا۔ مگر جب دربار خلافت میں قبول نہ ہوا تو اُسے پھاڑ ڈالا۔

اور جزائری صاحب ابوتراب میں یہ حکایت حضرت علی کی ہمہ دانی کے ثبوت میں پیش فرماتے ہیں دیکھئے (ابوتراب حصہ اوّل ص۱۷۱)

"ابو اسحاق ثعلبی نے اپنی کتاب عرائس میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کی خلافت میں کچھ علمائے یہود آئے اور کہا اے عمرؓ محمد مصطفےٰؐ کے بعد آپ ولی امر ہیں اور آپ ان کے صحابی ہیں۔ لہٰذا ہم آپ سے یہ کچھ سوالات پوچھتے ہیں۔ اگر آپ نے جواب دیئے تو ہم سمجھیں گے کہ اسلام برحق ہے اور محمد نبی برحق ہیں۔ ورنہ ہم یہ جانیں گے کہ اسلام باطل مذہب ہے۔ خلیفہ نے کہا پوچھو"

(تکرار سے بچنے کے لئے ہم انھیں حضرت علی کے جوابات کے ساتھ رکھیں گے۔ جزائری صاحب نے محض لطف تبرّا کے لئے بار بار دُہرایا ہے۔ جو شیعہ فطرت کا آئینہ دار ہے)

حضرت عمرؓ نے سوالوں کو سنکر سر جھکا لیا۔ اور زمین کی طرف دیکھنے لگے۔ اور کہا عمر کے لئے کوئی عیب نہیں کہ اگر کوئی ایسی بات پوچھی جائے جو وہ نہ جانتا ہو تو کہدے کہ میں نہیں جانتا۔ (اس شرافت کو شیعہ ذہن سمجھنے سے عاری ہے)

یہ سنتے ہی یہودی خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں محمد نبی نہیں تھے۔ اور اسلام ایک باطل مذہب ہے۔ اس وقت سلمان فارسی فوراً کھڑے ہوئے اور یہودیوں سے کہا تم لوگ ذرا صبر کرو۔ اور حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے ابوالحسن اسلام کی فریاد کو

پہنچے اور سارا واقعہ سنا دیا۔

یہ سنتے ہی حضرت علی رسول کی عبا دوش پر ڈالے خلیفہ کے دربار میں تشریف لائے جوں ہی حضرت عمر نے ان کو دیکھا فوراً سرو قد کھڑے ہو گئے اور آپ کو گلے سے لگا لیا۔ اور کہا اے ابوالحسن آپ ہی ہیں جو ہر مصیبت و سختی میں پکارے جاتے ہیں۔ پھر حضرت علی نے یہودیوں سے کہا' اب تم کو جو پوچھنا ہے پوچھ لو۔ کیونکہ رسول اللہ نے مجھکو ہزار باب علم کے تعلیم کئے ہیں (یہ شیخی ملاحظہ ہو!)

۱۔ یہودیوں نے پوچھا۔ آسمان کے قفل کیا ہیں؟

ج۔ فرمایا آسمان کا قفل اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ کیونکہ انسان جب شرک کرتا ہے۔ تو پھر اس کا کوئی عمل آسمان کی طرف بلند نہیں ہوتا۔

۲۔ پوچھا آسمان کی کنجیاں کیا ہیں؟

ج۔ فرمایا آسمان کی کنجیاں۔ کلمۂ توحید ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ یہ سنکر وہ آپس میں ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے اور کہا یہ جوان سچ کہتا ہے۔

۳۔ اپنے ساتھی کے ساتھ چلنے والا کون ہے؟

ج۔ فرمایا وہ مچھلی جس نے حضرت یونس کو نگل لیا تھا اور ان کے ساتھ سات سمندروں میں پھری۔

۴۔ وہ کون ہے جس نے اپنی قوم کو ڈرایا لیکن وہ جن ہے نہ انس؟

ج۔ فرمایا وہ سلیمان نبی کی چیونٹی ہے۔

۵۔ وہ پانچ چیزیں کیا ہیں جو زمین پر چلیں لیکن رحم مادر میں نہیں رہیں؟

ج۔ فرمایا وہ پانچ مخلوق۔ آدمؑ۔ حواؑ۔ ناقۂ صالحؑ۔ گوسفند ابراہیم اور عصائے موسیٰؑ ہیں۔

۶۔ تیتر کیا کہتا ہے؟

ج۔ فرمایا الرحمٰن علی العرش استویٰ۔

۷۔ مرغ کیا کہتا ہے؟

ج۔ اُذکروا اللہ یا غافلین۔ ترجمہ:۔ اللہ کو یاد کرو غافلو۔

۸۔ گھوڑا کیا کہتا ہے؟

ج۔ فرمایا اَللّٰھم انصر عبادک المومنین علی الکافرین یعنی اے اللہ اپنے مومن بندوں کو کافروں پر فتح دے۔

۹۔ مینڈک کیا کہتا ہے؟

ج۔ فرمایا سُبحان ربی المعبود التسبیح لہ فی الجج اللجاج یعنی پاک ہے وہ ذات معبود جس کی تسبیح و تقدیس گہرے سمندروں میں بھی کی جاتی ہے۔

۱۰۔ شاما اپنی سیٹی میں کیا کہتی ہے؟

ج۔ فرمایا۔ اللھم العن مبغضی محمد وآل محمد یعنی اے پروردگار محمد وآل محمد کے دشمنوں پر لعنت فرما۔

۱۱۔ پھر تیسرے نے اصحاب کہف کا حال پوچھ لیا۔

اور حضرت علی نے وہ سب بتلا دیا جو اللہ میاں نے بھی قرآن میں نہیں بتلایا تھا۔ مثلاً صحیح تعداد اصحاب کہف کی ان کے نام۔ اُن کے کتے کا نام اُس زمانے کے بادشاہوں کے نام۔ بادشاہ کے محل کا نام۔ تخت کا نام میناروں کے نام محل کے دروازوں کی تعداد۔ کھڑکیوں کی تعداد اور کھمبوں کی تعداد۔ بادشاہ کے وزیروں کے نام۔ بیٹوں کے بیٹوں کے نام اور اُس پہاڑ کا نام اور پتہ جہاں وہ لوگ اب تک سو رہے ہیں۔ جس پر تینوں یہودی مسلمان ہو گئے۔ (بحوالہ عرائس التیجان ابو اسحاق ثعلبی ص ۳۲۲ تا ص ۳۲۹)

یہاں تبرائی جملوں کو نظر انداز کر دیجئے۔ صرف حضرت علی کی تعریف دیکھئے۔ حضرت عمرؓ نے ان مہمل سوالوں کو سنکر سر جھکا لیا اور کہا جو چیز صحیح معلوم نہیں کیسے کہدوں کہ معلوم ہے۔ مگر حضرت علی سلونی کا نعرہ لگاتے ہوئے آئے اور اسلام کو خطرے سے بچا لیا کیونکہ وہ فاضل جامعہ امامیہ کوفہ تھے جہاں مرنے کے دوسو سال بعد ان کو سلونی کی سند ملی تھی۔ اُسی غاصب خلافت کے دربار میں خلیفہ کا بھرم رکھنے پہنچ گئے۔ آخر خلیفہ سے

اتنی ہمدردی کیوں؟ اسے بدنام ہو جانے دیتے۔ وہ مسلمان بھی تو دوسری قسم کے تھے۔ امامیہ مسلمان تو نہ تھے پھر آپ کو ان کے اسلام سے کیوں ہمدردی تھی۔ اور یہ خدمات جو دربار خلافت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ مفت تھیں یا ان کا معاوضہ ملتا تھا۔ یعنی ہر مشکلکشائی کی فیس الگ تھی یا ماہوار مشاہرہ تھا جس کے لئے زحمت فرمانا پڑتی تھی۔

اور سبحان اللہ کیا منقبت ہے۔ اور کس قدر قابل تعریف ہے جناب امیر ایک قہقہہ لگاتے اور فرماتے سلونی۔ پھر رونے لگتے اور کہتے ان تفقدونی یعنی روتا اس لئے ہوں کہ میرے بعد تم کو کون بتلائیگا۔ جو کچھ پوچھنا ہے ابھی پوچھ لو۔ پھر کوئی نہ ملیگا جو بتلا سکے کہ گھوڑا کیا کہتا ہے۔ مینڈک کیسی عربی بولتا ہے اور شامائیکسے رافضیوں کی طرح تبرا بھیجتی ہے۔ اور اصحاب کہف کا حال جو رسول اللہ کو انشاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے تین دن بعد بتلایا گیا وہ بھی صرف اس قدر کی اللہ بہتر جانتا ہے وہ کتنے تھے اور کون تھے مگر شیعہ کہتے ہیں کہ علی نے سب کے سب تورات و انجیل سے رافضی معلم اول عبداللہ بن سبا کی طرح بتلا دیئے۔ ورنہ ان کی خرافات سے اسلام کو کیا واسطہ!۔

حضرت علیؓ کا فقہ میں عبور

"حضرت علیؓ نے شہر کوفہ کے منبر پر ایک بار خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں کہا اب تک

میری رائے اُم الولد (صاحب اولاد کنیز) کے بارے میں خلیفہ کے موافق رہی ہے۔ مگر آج میں اس کا اعلان کرتا ہوں کہ اس کو بیچا جا سکتا ہے۔ یہ سنتا تھا کہ حاضرین میں سے ابو عبیدہ (حضرت عمر کا نصب کردہ قاضی) اور اُن کا ایک پرستار بول اٹھا۔ یا علی جو رائے آپ کی جماعت کے ساتھ ہو ہم کو زیادہ پسند ہے۔ بہ نسبت اُس رائے کے جس کے آپ تنہا حامی ہوں' یہ سن کر حضرت خاموش ہو گئے اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا اچھا جو طریقہ چلا آرہا ہے اس پر عمل کرو میں مخالفت نہیں کرتا۔ (ابو تراب حصہ اوّل)

جزائری صاحب صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علی کمزور ارادے کے آدمی تھے۔ ایک معمولی قاضی کے اعتراض پر اپنی رائے بدل دی حالانکہ خود اس وقت خلیفہ وقت تھے۔ اس کا ذکر جزائری صاحب نے کئی جگہ کیا ہے۔

مگر ام ولد کو بیچنے کی اجازت دینے سے پہلے سوچیے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

تو ایسا ارادہ نہ کرتے۔ کیونکہ بارہ اماموں میں سے اکثر اُم ولد کے بطن سے تھے۔ خاص کر بارھویں امام تو ایسی کنیز کے بطن سے تھے جو بیچاری امام صاحب کی پیدائش کا ثبوت بھی نہ دے سکی اور پیٹ پچک گیا یعنی حمل ہونا ہی جھوٹ ثابت ہوا۔ مگر کہدیا گیا کہ امام صاحب قرآن لے کر فرار ہو گئے۔ اور آج تک مستور ہیں۔ ان کا بیان آگے آیگا۔

حضرت علیؓ بہ حیثیت مدعی

"ثقۃ اسلام کلینی نے کافی میں اپنے استاد سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام مسجد کوفہ میں بیٹھے تھے کہ عبداللہ تمیمی ایک زرہ لیئے ہوئے گزرا حضرت نے ارشاد فرمایا یہ طلحہ کی زرہ ہے جو جنگ جمل میں ملی تھی جاؤ اسے لے لو۔ مرد تمیمی نے انکار کیا۔ اور کہا قاضی کے پاس چلو۔

حضرت اس کو لے کر شریح کے پاس گئے۔ شریح نے کہا یا علی آپ کو گواہ پیش کرنا چاہیئے۔ آپ نے امام حسن کو پیش کیا۔ شریح نے کہا ایک گواہ کافی نہیں۔ آپ نے اپنے غلام قنبر کو پیش کیا اس نے کہا یہ تو آپ کا غلام ہے۔

یہ سنکر جناب امیر نے قنبر سے کہا۔ اس شخص سے زرہ چھین لو شریح نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ اور تین ٹھوکریں کھائی ہیں۔

۱۔ میں نے تجھکو خبر دی کہ یہ زرہ وہ ہے جو جنگ بصرہ میں چوری ہو گئی تھی۔ اور تو کہتا ہے گواہ لاؤ۔ حالانکہ رسول نے کہا کہ میدانِ جنگ سے لوٹا مال اگر چوری جائے تو جہاں ملے بغیر شاہد و بینہ کے لے لیا جائے۔

۲۔ میں نے اپنے فرزند کو گواہ بنایا۔ تو نے کہا ایک گواہ کافی نہیں حالانکہ رسول نے ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کیا ہے۔

۳۔ میں نے قنبر کی شہادت پیش کی تو تم نے اس کی گواہی رد کر دی کہ وہ غلام ہے حالانکہ غلام عادل کی گواہی میں کوئی امر مانع نہیں۔ اِن سب کے علاوہ میں امام برحق ہوں اِس زرہ کی کیا حقیقت ہے۔

اِس کے بعد حضرت نے شریح کو منصب قضاوت سے معزول

کر کے شہر سے نکال دیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد دوبارہ نامزد کر دیا۔"
(ابو تراب ص۱۲۵ بحوالہ کافی مطالب السیول ص۱۴۷)

اس روایت کی فقہی باریکیوں کو ہم علمائے کج بحث کے لئے چھوڑتے ہیں۔ یہاں صرف اتنا دیکھئے کہ طلحہؓ جب جنگ جمل میں شہید ہوئے تو حضرت علیؓ اُن کی لاش پر بیٹھکر کر روئے۔ مگر پرستار اہل بیت اور محبّ امام علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ جناب امیر اُن کی زرہ لوٹ رہے تھے۔

اس زرہ کی چوری کا ان کو اتنا قلق تھا کہ مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے بھی اُن کی نظریں زرہ کی تلاش میں رہتی تھیں بالآخر اُسے ڈھونڈھ نکالا۔ مگر تمیمی نہ مانا۔ قاضی کے پاس مقدمہ گیا۔ قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا تو جناب امیر نے قاضی کو برطرف کر دیا۔ اور زرہ چھین لی۔ امام وقت جو ٹھیرے۔ مگر پھر اپنی جلد بازی پر پچھتائے اور قاضی کو بحال کر دیا۔ غالباً زرہ بھی واپس کر دی ہوگی۔ اب تو واقعی امام برحق ہو گئے مگر افسوس جزائری صاحب اس سے خوش نہیں ہوئے وہ فرماتے ہیں:۔

اس عبرتناک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اپنی حکومت کے زمانے میں بھی کتنے مجبور تھے۔ آپ کو ذرا بھی اختیار رہتا تو ہرگز اس معاملے کو قاضی شریح کے پاس نہ لیجاتے اور نہ اُس کو معزول کرنے کے بعد دوبارہ منصب قضامت پر بحال کرتے۔ مگر آپ چونکہ اس وقت نواصب و خوارج و منافقین میں گھرے ہوئے تھے اس لئے اپنی مرضی کے خلاف بھی آپ کو سکوت کرنا پڑتا تھا۔" (ابو تراب ص۱۳۰)

بینات کا ایڈیٹر عباسی صاحب سے ناراض ہے کہ حضرت علیؓ کی کمزوریاں اُجاگر کرکے انھوں نے ناصبیت کا ثبوت دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ وہ اس رافضیت کے مدلل ثبوت سے بہت خوش ہوگا اس لئے ہم بھی تفصیل سے سارے واقعات لکھے جا رہے ہیں۔

حضرت علیؓ کے فیصلے

"ایک اعرابی ایک ناقہ لئے ہوئے رسول خدا کے پاس آیا۔ حضرت نے پوچھا کتنے میں بیچو گے۔ اعرابی نے کہا دو سو درہم میں۔ آپ نے کہا یہ قیمت کم ہے۔ اس نے

اضافہ کیا۔ آپ نے کہا یہ بھی کم ہے ۔ وہ اضافہ کرتا گیا اور آپ اسے کم کہتے گئے ۔ یہانتک کہ نوبت چار سو درم تک پہنچی اور حضرت نے چار سو میں ناقہ خرید لیا۔ اور قیمت اعرابی کے دامن میں ڈال دی ۔ اُس وقت اعرابی نے یہ چالاکی کی ناقے کی مہار تھام لی اور کہا ناقہ بھی میرا اور درہم بھی میرے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کوئی ثبوت ہو تو پیش کیجیے۔

اِس اثنا میں حضرت ابوبکر ظاہر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا آؤ یہ پیرمرد ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ کرے۔ پھر حضرت نے سارا ماجرا ابوبکر کو سنایا۔ انھوں نے کہا معاملہ صاف ہے اعرابی کے پاس شتر و دراہم دونوں ہیں۔ آپ مدعی ہیں گواہ پیش کیجیے۔

اتنے میں حضرت عمر بھی آموجود ہوئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اے اعرابی یہ شخص جو آیا ہے ہمارا فیصلہ کرے تو راضی ہوگا۔ اُس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے ان سے واقعہ کہا اور کہا تم فیصلہ کرو۔ انھوں نے اعرابی سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو۔ اُس نے کہا ناقہ اور درہم دونوں میری ملکیت ہیں۔ اگر محمد اپنے دعوے میں سچے ہیں تو بینہ پیش کریں۔ یہ سنکر حضرت عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ یہ معاملہ آشکارا ہے۔ اعرابی آپ سے ثبوت مانگتا ہے۔

اس کے بعد رسالتمآب نے ارشاد فرمایا کہ اب میں اس مقدمے میں اُس شخص کو حکم بناتا ہوں جو ہمارے درمیان وہی حکم کرے گا جو رب جلیل کا حکم ہے۔ اتنے میں حضرت علی بن ابی طالب سامنے سے تشریف لائے۔ جب آپ پاس آئے اور اعرابی کو آنحضرت سے مناقشہ کرتے دیکھا تو پوچھا یا رسول اللہ کیا بات ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ہمارا فیصلہ کرو ۔ آپ نے اعرابی سے پوچھا کہ تم رسول کے خلاف کس بات کے دعویدار ہو، اس نے کہا یا علی میں نے آپ کے بھائی کے ہاتھ جو ناقہ بیچا ہے اُس کی قیمت طلب کرتا ہوں اور وہ نہیں دیتے۔

امیرالمومنین نے کہا یا رسول اللہ آپ کیا کہتے ہیں فرمایا میں نے

ناقے کی پوری رقم ادا کر دی ہے۔ امیر المومنین نے اعرابی سے فرمایا اے اعرابی کیا رسول اللہ نے یہ سچ فرمایا ہے کہ انھوں نے ناقے کی قیمت تجھکو ادا کر دی ہے۔ اعرابی نے کہا نہیں رسول اللہ نے تو مجھے کچھ بھی نہیں دیا۔ حضرت علی نے یہ سنتے ہی اپنی ذوالفقار نیام سے نکالی اور ایک ہی وار میں اُس عرب کا سر تن سے جدا کر دیا۔

رسالتماب نے پوچھا یا علی ایسا کیوں کیا۔ فرمایا کہ یا رسول اللہ اوامر و نواہی خدا پہنچانے میں تو ہم آپ کو صادق و امین مانتے ہیں۔ جنت و نار ثواب و عقاب وصی خدا کے معاملے میں تو ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اعرابی کے ناقے کی قیمت کے بارے میں آپ کی تصدیق نہ کریں پس میں نے اُسے اس لئے قتل کر دیا کہ اُس نے آپ کی تکذیب کی تھی۔ اور کہا تھا کہ رسول اللہ نے ناقے کی قیمت ادا نہیں کی۔

جناب رسالتماب نے فرمایا یا علی درست ہے اور تم نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا اس کے بعد آپ نے پہلے اور دوسرے بزرگ کی طرف رخ کیا اور فرمایا حکم خدا یہی ہے۔ جس طرح علی نے فیصلہ کیا۔ نہ کہ وہ جو تم کہتے تھے" (ابوتراب ص۲۱ بحوالہ مناقب ج ۲ ص۱۸۱ ناسخ التواریخ ص۳۱۷)

یہ سبائی روایت سنکر شاید ناصبی بھائیوں کو فکر ہو کہ پھر اُس ناقے اور دراہم کا کیا ہوا۔ اور اعرابی کی لاش کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے عرش پر کیا حکم صادر فرمایا تھا۔ ہم اُسے بکلام خود نقل کرتے ہیں۔

جناب امیر نے جھٹ سے سب دراہم اعرابی کے دامن سے چھن لئے اور نیفے میں غوغا کر لئے۔ ناقہ کی مہار جناب رسول خدا کو تھما دی۔ ابوبکر و عُمر کو حکم دیا کہ اعرابی کی لاش کو جنگل میں جاکر دفن کریں اور اس کے کپڑوں کو جلا دیں تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ اور اس خدمت کے صلے میں چند دراہم دونوں بزرگوں کو پیش کئے۔ جو انھوں نے لینے سے انکار کر دیئے کہا یہ آپ دونوں بھائیوں کو مبارک ہوں۔ چنانچہ جناب امیر

علیہ السلام نے وہ بھی رکھ لئے (استغفر اللہ من ذالک)

نعوذ باللہ یہ رسول کی شان ہے کہ وہ اونٹ کی قیمت بڑھا کر دوگنی کرے اور پھر چھپا کر اس طرح ادا کرے کہ اڑوس پڑوس تو کیا خود اہل بیت کو بھی پتہ نہ چلے۔ چار سو درہم گھر سے نکلوائے ہوں گے اور گن کر دیئے ہوں گے مگر نہیں اعرابی تو قیمت بڑھانے سے ہی بھانپ گیا ہوگا کہ کسی ناواقف سے سابقہ ہے جو جی چاہے کہہ لو بنھ جائے گی۔ یہ رسول اللہ کی صلاحیت خرید و فروخت کی تعریف کی گئی ہے۔ اور پرستار اہل بیت کی زبانی گو اودھر سے گھوستے گھماتے شامت اعمال لئے تو کون ابوبکرؓ اور عمرؓ جن پر رافضی تبرا کرنا چاہتا ہے گویا وہ رسول کے پڑوس میں نہیں بلکہ کسی دوسرے شہر میں رہتے تھے۔ دونوں نے غلط فیصلے کئے۔ بلکہ اُلٹے رسول اللہ سے گواہ طلب کرنے کی گستاخی کی۔

مگر جناب رسول خدا بھی خاموش رہنے والے نہ تھے۔ ابوبکرؓ کی عدالت سے مقدمہ خارج ہوا تو عمرؓ کے پاس نظر ثانی کی درخواست کر دی وہاں بھی نعوذ باللہ خلاف ہوا تو جناب شیر خدا مشکل کشا سے رجوع کیا اور یہ بھی اس شہر میں نہیں رہتے تھے بلکہ غیب سے مشکل کشائی کے لئے حاضر ہو گئے تھے۔ رسول اللہ نے ان کے سامنے اپیل کر دی جناب امیر نے نہایت ہوشیاری سے مقدمہ تو بالائے طاق رکھا۔ تکذیب نبوی کا بہانہ نکال کر اعرابی کو قتل فرما دیا۔ چنانچہ خدا اور رسول بھی خوش ہو گئے۔ اور اُن کی جیب بھی بھر گئی۔ کیا گھر میں کئی دن سے فاقہ تھا۔ اور خاتون جنت روزہ پر روزہ رکھ کر نڈھال ہو رہی ہوں گی۔ خدا کی مار ہو اس عقل پر کہ اپنی گندہ ذہنیت کی وجہ سے یہ رافضی آج تک محسوس نہ کر سکے کہ اگلے وقتوں کے رافضیوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے جو افسانے گڑھے تھے وہ منقبت میں نہ تھے اور انہیں سچ سمجھ کر قبول نہ کرنا چاہئے مگر کیا کریں بچپن سے جو بات سکھا دی گئی ہے اس میں شک کرنے کی جرأت کیسے کریں اور کیسے سمجھیں کہ اس واقعہ میں کسی ایک کی بھی تعریف ملحوظ نہیں ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ شیعہ مذہب کا آج بھی وہی مشن ہے جو عبد اللہ بن سبا کا تھا۔ یعنی اسلام کی بیخ کنی اور استیصال رسول اور اہلبیت کی توہین۔

دربار خلافت میں حضرت علی کی حاضری

ابو تراب کے مؤلف نے غالباً آغا سلطان مرزا

کو جھٹلانے کے لئے کہ علیؑ نے مرتے دم تک کسی خلیفہ کی بیعت نہیں کی
پچاسوں روایتوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت علی دربار خلافت میں ہمہ
وقت موجود رہتے اور جا و بیجا اپنی خدمات پیش کرتے رہتے تھے حتی کہ
ذوالفقار جسے نہ لگتا ٹیکا۔ خود رسول اللہ نے وصیت دیا جب ان
کے مفاد میں استعمال ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اصبغ بن نباتہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے سامنے پانچ نفر
پیش ہوئے جنھوں نے زنا کیا تھا۔ آپ نے سب کو رجم کئے جانے کا
فیصلہ صادر فرمایا۔ حضرت علی نے فرمایا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے اس کے بعد
آپ نے ایک کو اپنے سامنے بلایا اور اُس کی گردن مار دی۔ دوسرے کو
رجم (یعنی سنگسار) کیا۔ تیسرے پر سو تازیانے لگائے۔ چوتھے کو نصف
حد ۵۰ تازیانے لگائے۔ اور پانچویں کو معمولی سزا دیکر چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ
نے جو یہ عجیب وغریب فیصلہ دیکھا تو اس کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا پہلا
شخص ذمی تھا جس نے مسلمان عورت سے زنا کیا تھا۔ دوسرا شادی شدہ زانی
تھا۔ لہذا اس کی سزا رجم تھی۔ تیسرا غیر شادی شدہ تھا۔ اس پر حد ضرب
جاری کی۔ چوتھا غلام تھا۔ اس پر نصف حد ہے۔ پانچواں نیم دیوانہ ہے۔
اُس کے لئے معمولی سزا ہے۔ یہ سنکر حضرت عمر کی زبان سے نکلا میں اس
اُمت میں نہ رہوں جہاں اے ابوالحسن آپ مشکل کشائی کے لئے موجود
نہ ہوں (ابوتراب ص۸۵ بحوالہ مناقب ج ۲ ص۱۸۲)

جزائری صاحب نے دراصل اِس روایت سے حضرت عمرؓ کی نااہلی ثابت کی ہے
مگر اپنے راویوں کی خباثت کا اندازہ نہ لگا سکے کہ اصبغ بن نباتہ نے حضرت علی کو دربار خلافت کا
جلاد بنا ڈالا ہے کہتا ہے کہ جیسے ہی خلیفہ وقت نے رجم کا حکم دیا جس میں عام پبلک پتھر
مار مار کر مار ڈالتی ہے۔ حضرت علی نے خود فیصلہ کالعدم کر دیا۔ اور نہ کیسے تو ذوالفقار
کیسے استعمال ہوتی کیا خرافات رافضیوں نے بلی ہے یعنی اس بکواس سے مراد ان کی
یہ ہے کہ پہلے کو جو ذمی تھا۔ یعنی عجمی وغیرہ۔ عرب ذوالفقار سے قتل کر دیا تاکہ چیخ چیخ کر
اور تڑپ تڑپ کر مرنے کی اذیت سے محفوظ رہے۔

اسی لئے تو عجمیوں کے دل میں علی کی محبت گھر کر گئی اور رسوائے عرب خاص کے ہر قوم خاص کر ایرانی و عراقی ان کی پرستش کرنے لگے اور نہ صرف خلیفہ بلا فصل بنا دیا بلکہ لسان اللہ، ید اللہ، عین اللہ، مشکل کشا اور فرزند خدا بھی بنا کر کھڑا کر دیا یعنی ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

پھر دوسرے کو رحم کرنے کے لئے حاضرین دربار کو بخش دیا اور وہ بھی خوش ہو گئے۔

تیسرے کو آپ نے سو کوڑے مارے۔ چوتھے کو پچاس۔ پانچویں کو چند تھپڑ مار کے بھگا دیا۔ غالباً ڈیڑھ سو کوڑے مارنے سے تھک گئے ہوں گے۔ جلاد اور کوڑے مارنے والے کو آپ نے کہاں دیکھا ہوگا کسی انگریزی فلم میں جا کر درباری پہلوان کو دیکھئے شاید کچھ اندازہ ہو سکے۔

پھر اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ جناب عمر نے ان خدمات جلیلہ کا کوئی مالی صلہ نہیں دیا۔ بلکہ صرف بیٹھے ٹھونک کر فرمایا یا علی آپ مشکل کشائی کے لئے نہ ہوں تو میں زندہ نہ رہوں اور جناب علی خوش خوش جا کر رافضیوں کو اپنے کارنامے سنانے لگے جو لکھ لئے گئے اور ہدیہ ناظرین ہیں۔

حضرت علی کی وفات اور دفن میں اختلاف

شیعہ مورخ سید اقبال علی بریلوی خم اقبالیہ صفحہ ۱۴۰ پر لکھتے ہیں:۔

"علی علیہ السلام رمضان کی ۱۹ تاریخ ۴۰ھ روز جمعہ کو زخمی ہوئے اور اکیسویں کو آپ کی وفات ہوئی اور بعض نے بیس تاریخ کو وفات بیان کی ہے۔ آپ کی عمر ۶۳ برس کی ہوئی۔ بعض نے ۶۷ سال بتائے ہیں اور بعض ۷۰ سال قرار دیتے ہیں مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

آپ کی جائے دفن میں بڑے اختلاف ہیں۔ لیکن جمہور امامیہ کا اتفاق ہے کہ متصل کوفہ وادی اسلام میں جو اب نجف اشرف کے نام سے موسوم ہے دفن ہوئے۔ حضرت امام حسن۔ امام حسین اور عبداللہ بن جعفر نے آپ کو غسل دیا اور حضرت امام حسن نے آپ کے جنازے پر نماز پڑھی اور کہتے ہیں جس رات کو آپ کی وفات ہوئی اسی شب آپ کو دارالسلطنت کوفہ میں دفن کئے گئے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جنازے کو مدینہ منورہ اس غرض سے لے چلے۔ رسول مقبول صلعم کے پاس دفن کریں گے رستے میں اونٹ گم ہو گیا" اور وہ اونٹ بلا د طے میں پایا (خم اقبالیہ)

سرکار سید العلما سید علی نقوی مدظلہٗ رسالہ قبۂ و قبور میں حسب ذیل حالات لکھتے ہیں :-

قبہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ہارون رشید خلیفہ عباسی نے تعمیر کرایا ہے۔ چنانچہ جمال الدین بن عتبہ حسنی کتاب عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ :- اُن حضرت کی قبر پوشیدہ رہی یہاں تک کہ زمانہ ہارون رشید کا ہوا وہ ایک دن بیرون کوفہ شکار کرنے کے لئے گیا تو کچھ ہرن وحشی گدھے وہاں تھے۔ جب شکاری جانور چرخ اور کتے ان پر چھوڑے جاتے تھے وہ سب ہرن ایک ریگ کے ٹیلے پر پناہ لیتے تھے اور شکاری جانور پلٹ آتے تھے۔ ہارون رشید کو تعجب ہوا اور کوفہ جاکر واقف کاروں کو بلایا اور ان سے اس حقیقت کا انکشاف چاہا۔ بعض شیوخ کوفہ نے بیان کیا کہ یہ قبر امیر المومنین حضرت علی کی ہے۔ ایک شب ہارون رشید علی بن عیسیٰ ہاشمی کو ساتھ لے کر وہاں آیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو علیحدہ کرکے خود اس ٹیلے پر نماز میں مشغول ہوگیا اور روتا جاتا تھا اور کہا کہ خدا کی قسم میں آپ کے حق کو جانتا ہوں اور آپ کی فضیلت کا منکر نہیں ہوں۔ مگر آپ کی اولاد میرے اوپر خروج کرکے مجھے قتل کرنا اور میرے ملک کو بہت چاہتی ہے۔ اسی حالت میں صبح ہوگئی۔ اور اس وقت علی بن عیسیٰ کو جگا دیا اور کہا اٹھو اپنے ابن عم کی قبر کے قریب نماز پڑھو اُنھوں نے کہا کون ابن عم۔ کہا امیر المومنین حضرت علی۔ عیسیٰ نے کھڑے ہوکر وضو کیا اور نماز پڑھی اور زیارت قبر کی۔ پھر ہارون نے حکم دیا اور قبہ اس قبر پر تیار ہوگیا۔ اور لوگوں نے زیارت کرنا شروع کی۔ اور اپنے مُردوں کو اس کے گرد دفن کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عضد الدولہ دیلمی کا زمانہ آیا اُس نے بہت بڑی عمارت وہاں بنادی اور بہت سے اموال صرف کئے اور اوقاف معین کئے۔

واضح رہے کہ جناب امیر المومنین کا یہ واحد مزار نہیں ہے۔ ازنطے سے آپ کا

جنازہ غائب ہو جانے کی بنا پر ایران اور ہندوستان میں بھی متعدد جگہ مزار مبارک بنے ہوئے ہیں اور مقامی لوگوں کو یقین واثق ہے کہ وہ مزار حقیقی ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد دکن میں کوہ مولا بہت مشہور ہے۔ یہ ایک بہت بڑا پتھر ہے جس کا قطر دو میل ہوگا اور بلندی پانچ چھ سو فیٹ ہے۔ جس پر سیڑھیاں تراشی گئی ہیں اور مزار شریف چٹان کی پشت پر بنا ہوا ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں زائرین سالانہ وہاں حاضر ہوتے ہیں۔ وسط ہند میں بھی کئی جگہوں پر مزار پائے جاتے ہیں۔ صوبۂ سرحد میں لاہور کے پہاڑی غار میں بھی ایک مزار ہے اور جبل پور کے قریب ایک مولا کی پہاڑی موجود ہے یہ اس غرض کے لئے ہی حالات معرض وجود میں آئے جیسے ہارون رشید سے مفتریوں نے منسوب کر دیئے ہیں۔ کہتے ہیں حیدر آباد کا مزار ابو الحسن تانا شاہ کے دور میں بنا جو ایک غالی شیعہ تھا۔ اس کے ظلم و استبداد سے دکن کو اورنگ زیب نے نجات دلائی۔

علامہ ابی بکر احمد بن علی خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ثقہ راویوں کی سند سے لکھا ہے کہ۔

لو علمت الرافضة قبر من هذا لرجمته بالحجارة هذا قبر المغيرة بن شعبه۔

اگر رافضیوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ قبر (نجف میں) کس کی ہے تو وہ اس پر پتھر مارنے لگیں کیونکہ یہ قبر (حضرت) مغیرہ بن شعبہ کی ہے۔

علامہ موصوف کہتے ہیں کہ حضرت حسنؓ جب کوفہ کے خزانہ کا سامان لیکر مدینہ چلنے لگے تو خزانہ کے صندوقوں کے علاوہ اپنے والد کی لاش کو بھی ایک صندوق میں رکھکر لے چلے تھے کہ مدینہ میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کے پاس دفن کریں گے بلادِ طے جب قافلہ گذر رہا تھا۔ رات میں ڈاکہ پڑا اور ڈاکو وہ اونٹ بھی اس دھوکہ میں لے گئے کہ اس پر جو صندوق لدا ہوا ہے اس میں خزانہ ہے پھر دنیا کو آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ حضرت کی لاش کا کیا ہوا۔ (ص ۱۳۸ ج ۱)

حضرت علی مستشرقین کی نظر میں

پھر ان کے حالات اگر مستشرق حتی ان الفاظ میں قلمبند کرے تو کوئی صاحب عقل انکار نہ کر سکے گا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"اپنے شیعہ طرفداروں میں چوتھے خلیفہ وفات کے بعد ہی سب سے ممتاز بلکہ ویسے ہی اللہ کے ولی بن گئے جیسے اللہ کے رسول تھے۔ اُن کا زندگی میں اتنا اثر نہ تھا جتنا مرنے کے بعد وہ صاحب اثر ہو گئے۔ زندگی بھر میں جتنا انھوں نے کھویا تھا شہید تسلیم ہونے کے بعد سب پالیا۔ اور یہ وہ اوصاف جن سے ایک قاید اور سیاست داں بنتا ہے یعنی دوربینی، باخبری، عزم موقعہ شناسی ان کی حضرت علی میں کمی تھی۔ تاہم ایک بہترین عربی فرد کی صفات رکھتے تھے۔ رزم کے مرد میدان۔ بزم مشاورہ میں عقلمند مشیر تقریر میں فصیح اللسان۔ دوستی میں وفادار۔ دشمنی میں فراخ دل۔ غرض مسلم شرافت و فتوت (مردانگی) کا بے مثل نمونہ تھے گو یادہ عربی روایات کے شاہ سلیمان ہیں جن کے نام کے ساتھ بے شمار اشعار۔ امثال مواعظ و محاضرات منسوب کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت علی کو ساری اسلامی دنیا نے شجاع اور دانا اور فقیان اور صوفیہ نے لائق مثال عالی خیال اور خود شیعان علی نے معصوم اور مبرّیٰ عن الخطا سمجھا ہے۔ بلکہ اُن کے غلاۃ نے انھیں خدا کا اوتار مانا ہے۔ اُن کی دُنیادی زندگی گو قریب قریب بالکل ناکام رہی۔

نجف میں اُن کے مشہد پر زایرین کا ہجوم رہتا ہے اور قریب ہی کربلا میں اُن کے فرزند حضرت حسین کے روضے پر جو شیعوں کے ولی کامل اور سید الشہدا ہیں کثیر اژدحام رہتا ہے۔ اور تمام شیعہ دنیا میں ہر سال محرم کی دسویں کو مصائب حسین کی بہتیس نمائی گواہی دیتی ہے کہ سیما کی موت ہی زندگی سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔" (تاریخ ملت عربی ص ۲۵۳)

حضرت حسین کی قبر کے بارے میں خود شیعہ مورخین نے بار بار بیان کیا ہے کہ خلیفہ عباسی المتوکل علی اللہ نے قبر پرستی کو روکنے کے خیال سے کھدوا ڈالی تھی اور کربلا کی ساری عمارتیں مسمار کر کے اس میدان میں کھیتی کرا دی تھی جہاں بیسوں سال تک کھیتی ہوتی رہی جب بویہ خاندان کے لوگوں کے ہاتھ میں امیر الامرائی کی بدولت اقتدار آیا وہ غالی رافضی تھے انھوں نے پھر کربلا میں قبر حسین بنوا ڈالی معلوم نہیں اصلی جگہ بنی یا فرضی جگہ پر!

امام دوم۔ حضرت حسن رضؓ حضرت حسن سے ہمارے شیعہ بھائی کچھ خوش نہیں معلوم

ہوتے۔ ان کی امامت کو مختصر رکھا اور اُن کی نسل میں کوئی امام نہ پیدا ہونے دیا۔ اس خفگی کی وجہ کافی دلچسپ ہیں مگر مذہب بنانے میں اُن کو بھی بڑی خوبی سے امام برحق بنایا گیا ہے۔ اور لاتعداد جھوٹ ان کے سر بھی تھوپے ہیں۔ کچھ تاریخی حالات شیعہ کتب سے سُنئے :۔

تاریخ اعثم کوفی میں لکھا ہے کہ جناب امام حسن چالیس ہزار سوار و پیادہ فوج کے ہمراہ ساباط مدائن پہنچے تو اُس دن وہاں توقف کیا تاکہ لوگوں اور جانوروں کو آرام مل جائے۔ پھر بوقت کوچ حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ ایھا الناس تم سب نے بلحاظ اس شرط کے بیعت کی ہے کہ جنگ و صلح میں میرے مطیع و فرمانبردار ہو گے۔ قسم ہے اُس خدا کی جس کی قدرت بدرجۂ کمال ہے مجھکو کسی سے بغض و عداوت نہیں ہے۔ جمعیت و الفت و سلامت و اصلاح ذات البین تفرقہ و پریشانی و دشمنی سے مجھے زیادہ عزیز ہے۔

سب نے یہ سُنکر جانا کہ آنحضرت معاویہ سے صلح فرماکر ترکِ خلافت کریں گے تب خوارج نے کہنا شروع کیا کہ نعوذ باللہ یہ شخص بھی مثل اپنے باپ کے کافر ہوگیا ہے۔ چنانچہ خشم و غضب خلائق کا اس درجہ بڑھا کہ حضرت کے لباس کو کھینچ کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور وہ بساط فرش جس پر امام بیٹھے تھے کھینچ لیا۔ اور تکلیف کے درپے ہوئے۔ پھر حضرت جانب مدائن تشریف لے چلے اثناء راہ میں ایک شخص نے جس کا نام جراح بن قبیصہ تھا موقعہ پاکر ایک شمشیر حضرت کی ران پر ماری اور مجروح کیا۔ حضرت زخمی ہو کر قصر ابیض مدائن میں پہنچے اور معالجہ شروع کیا۔

آپ کے اس صلح اختیار کرنے سے جناب رسولِ خدا کی اس بشارت کا ظہور ہوا جو آپ نے امام حسن کی نسبت فرمایا تھا کہ بہ سبب حسن کے اللہ تعالےٰ مسلمانوں کے دو گروہ میں صلح کرائیگا۔ مگر عموماً سب لوگ آپ کی صلح کی وجہ سے ناراض تھے۔ بلکہ آپ کے بعض اصحاب تو رنجیدہ ہو کر آپ کے منہ پر کہتے تھے۔ یا عار المومنین۔ یا مذل المومنین اور آپ اُن کے جواب میں فرماتے تھے کہ عار ننگ دوزخ کی آگ سے اچھی ہے۔

(صفحہ ۱۵۵ خمسۂ اقبالیہ شیعہ تاریخ)

یہاں مورخ اقبال علی نے بڑی احتیاط سے ساری ذمہ داری خوارج پر ڈال دی ہے
مگر واضح رہے کہ یہ عراقی فوج تھی جو حضرت حسنؓ کو حضرت معاویہؓ سے لڑانے لئے جا رہی تھی۔
اگرچند خوارج نے یہ شرارت کی تو شیعوں نے کیا کیا۔ چالیس ہزار میں کتنے مخالف تھے
اور کتنے موافق۔

حضرت حسنؓ معاویہؓ کو شیعوں سے بہتر کہتے تھے

متذکرہ بالا واقعات کو مجالس محرم میں بھی اسی طرح بیان کیا جاتا ہے۔ مولوی رضا علی رسالہ عین حق نما میں لکھتے ہیں:۔

اور حضرت زخم سے نہایت بے چین تھے کہ زید بن وہب جہنی نے
حاضر خدمت ہو کر عرض کی یا ابن رسول اللہ اب رائے آپ کی کیا ہے۔
اس لئے کہ مردم متحیر ہیں پس فرمایا حضرت نے واللہ معاویہ واسطے
میرے بہتر ہے اِن لوگوں سے جو گمان کر رہے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں یہی درپے
ہو گئے میرے قتل کے اور لوٹ لیا اسباب مسافرت میرا۔ اور چھین لیا
مال میرا۔ واللہ اگر میں عہد لوں معاویہ سے یعنی مصالحہ کروں جس سے
میری اور میرے اہلِ بیت کی جان کو اماں ملے تو یہ امر بہتر ہے اِس سے
اے زید کہ یہ سب لوگ خود مجھکو قتل کریں۔ اور ضائع و برباد ہوں اہلِ
بیت میرے۔ اور اہل میرے۔ واللہ اگر مقاتلہ کرتا میں معاویہ سے تو ہر
آئینہ یہی لوگ میرے لشکر کے خود گردن میری پکڑتے اور مجھے حوالے
معاویہ کے کر دیتے زندہ و سالم۔ پس واللہ مسالمہ و مصالحہ کرلینا میرا
درحالیکہ میں عزیز ہوں اس کا بہتر ہے اِس سے کہ معاویہ مجھکو قتل
کرے حالت اسیری میں یا منت رکھے۔ مجھ پر اور رہا کر دے مجھکو تو
ایک سبکی اور خفت رہ جائے بنی ہاشم میں تا آخر دہر اور معاویہ مع
اولاد کے ہمیشہ احسان اپنا جتائیگا۔ بہ سبب اِس کے رہا کرنے کے
ہمارے زندہ و مردہ پر (چنانچہ مولوی صاحب کی رائے ہے) اب
میں کہتا ہوں کہ جس امام کا اپنا لشکر اس قدر منحرف ہو کہ خود صلح کے
خیال ہی سے اپنے امام کو قتل کرنے کا ارادہ کرے تو وہ امام بے ناصر و

یا وہ اپنے دشمن سے کس طرح محاربہ کر سکتا ہے بجز مصالحہ کے"

(یعین حق نما ص ۹)

مذکرہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ شیعان علی و امام کا مقصد کبھی صلح و مصالحہ نہ تھا وہ محض اسلام کا زور توڑنے کے لئے کسی نہ کسی کو پکڑ کر سامنے کر دیتے تھے اور جھوٹے وعدوں سے " تو شیر تیرا باپ شیر" کہہ کہہ کر لڑا دینا چاہتے تھے کہ اسلام کی قیادت کسی مضبوط ہاتھ میں نہ رہے اُنھیں تخریبی کارروائیاں کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ دیکھ لیجئے حضرت علی کو بھی اسی طرح کوفیوں نے گھیرا تھا اب حضرت حسن کو آگے کیا۔ مگر انھوں نے ہمت ہار دی تو اُن کے دشمن ہو گئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ شیعہ کبھی اپنے اماموں کے کام نہ آئے۔ بلکہ جب دیکھا کہ معاملہ بگڑ گیا تو خود ہی اُن کے دشمن ہو گئے۔ اور ذمہ داری خوارج پر ڈال دی جو خود غالی قسم کے شیعہ تھے۔

حضرت حسنؓ کی خانگی زندگی

خمسہ اقبالیہ میں ہے " امام حسن عورتوں کو کثرت سے طلاق دیتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ اہل کوفہ نے اپنی لڑکیوں کا عقد امام حسن سے کرنا چاہا۔ مگر جناب امیرالمومنین نے ان کو منع فرمایا کہ تم اپنی لڑکیوں کا نکاح حسن سے نہ کرو وہ تھوڑی ہی مدت میں عورتوں کو طلاق دیدیتے ہیں۔ ہمدان کے ایک شخص نے کہا یا امیرالمومنین کچھ بھی ہو میں تو اپنی لڑکی کا نکاح اُن سے کروں گا۔ اور حسن علیہ السلام جب تک چاہیں اس کو رکھیں اور جب چاہیں طلاق دیدیں۔ آپ کی عورتیں آداب شوہری میں بہت کم خطا کرتی تھیں اور آپ سے ناراض نہ ہوتی تھیں۔ شاید وہ آپ کے عقد نکاح میں آنا ہی اپنے دارین کی نجات کا باعث سمجھتی تھیں" (ص ۱۵۸)

"چنانچہ روایت ہے کہ آپ نے ایک سو عورتوں کو طلاق دی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے زیادہ کو۔ اور ۴۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا" (ص ۱۵۸)

وفات حضرت حسنؓ

خمسہ اقبالیہ میں ہے " بعض کا بیان ہے کہ امام حسن کو مسموم شربت پلایا گیا اور بعض بتاتے ہیں

کہ کسی قسم کی بیماری سے آپ کی وفات ہوئی۔ چالیس روز تک آپ بیمار رہے۔
مگر یہ روایت صحیح نہیں۔ چنانچہ امام حسن خود اپنے مرض الموت میں فرماتے تھے
"اِنّ السم مرتین وھذا الثالثہ" یعنی مجھکو دو دفعہ زہر
دیا گیا اور یہ تیسری دفعہ ہے۔ امام حسینؓ نے آپ کے زہر دینے والے کی
بہت تحقیق کی مگر کسی نے آپ کو اس کی خبر نہ دی۔ (صفحہ ۱۵۹)
ایقاظ النائمین نے ایک اور حدیث لکھی ہے۔ وقال بن سعد سمہٗ
معاویہ مرارًا لانہٗ کان یقدم علیہ الشام ھو واخواہ
الحسین یعنی معاویہ نے امام حسن کو کئی دفعہ زہر دیا۔ وہ حضرت ملک
شام میں مع برادر خورد امام حسین کے آیا کرتے تھے۔
(صفحہ ۱۶ بحوالہ تذکرۃ الخواص الائمہ)
گویا ان شیعہ مولفین کے نزدیک حضرت حسن اور حسین کو زہر پینے کا بڑا شوق تھا وہ دونوں
بار بار معاویہؓ کے پاس شام جایا کرتے تھے اور وہ ان کو زہر پلا دیا کرتے تھے کیا سنکھیا کھانیکی
عادت ہو گئی تھی کہ اسی وجہ سے اثر نہ ہوتا تھا۔ مگر آخری بار ڈوز زیادہ ہو گئی اور معاملہ ہو
گیا۔ نعوذ باللہ۔
کتاب تاریخ ملت عربی ان حالات کو اس طرح پیش کرتی ہے:۔
"ادھر امام حسن مسند خلافت کی جگہ حرم سرا میں زیادہ خوش رہتے
تھے۔ ان کی دلچسپیاں امور جہانداری سے زیادہ دوسرے میدانوں میں
تھیں۔ چنانچہ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ انھوں نے اپنے قابل تر حریف معاویہ
کے حق میں دست برداری لکھ دی۔ اور خود عیش و راحت کی زندگی بسر کرنے
مدینہ چلے آئے۔ اس کی ترغیب امیر معاویہؓ کی طرف سے یوں ہوئی کہ امام حسن
نے جتنی رقم اور شاہانہ وظیفے کا مطالبہ کیا وہ امیر شام نے منظور کر لیا۔
اس میں کوفے کے بیت المال کے نقد پچاس کروڑ درہم اور نواحیات ایران
کے ایک ضلع کا مالیہ بھی شامل تھا۔
اگرچہ ان کا انتقال شاید اہل حرم کی کسی سازش زہر خورانی کے باعث
پینتالیس سال کی عمر میں ہو گیا ۶۶۹ھ تاہم کہا جاتا ہے کہ اسی مدت میں وہ

کم سے کم سو نکاح کر چکے تھے جس کی وجہ سے انھیں مطلاق یعنی بہت طلاق دینے والے کا لقب حاصل ہوا۔ (تاریخ ملت عربی ص۲۹۲ بحوالہ الیعقوبی وابن عساکر ہہ ص۲۰۶)

حضرت حسن کے نکاحوں کی تعداد ملا باقر مجلسی نے ڈھائی سو سے تین سو تک بیان کی ہے اگر اس میں مبالغہ بھی ہو اور سوا سو ہی کی تعداد قرار دی جائے، تب بھی کثرتِ مباشرت کے زہر سے جسمانی طاقت کا بحال نہ رہنا اور ہلاک ہو جانا قدرتی بات ہے حسن چالیس دن بیمار رہے اور مرض ذیالطس میں فوت ہوئے۔ چونکہ ایک زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی حقیقی بھانجی تھیں رافضیوں نے زہر خورانی کی داستان گھڑ ڈالی اور اس عفیفہ پر تہمت لگائی۔

مگر شیعہ ان کی برات اس طرح کرنے کی کوشش کرتے ہیں:۔

خود جناب رسول خدا نے بہ نسبت اپنے فرزندان حسنؓ و حسینؓ کے قاما اور قعدا کے الفاظ فرمائے جو دال ہیں جہاد بالسیف یعنی جہاد اصغر قاما ہے اور جہاد اکبر یعنی جہاد نفس اور جہاد صبر قعود ہے۔ پس سبط اکبر نے جہاد اکبر فرمایا اور سبط اصغر نے جہاد اصغر فرما کر اپنے اپنے مرتبے کے موافق شجاعت کاملہ کو ظاہر کیا۔ اور قولِ رسول کی تصدیق فرمائی چنانچہ نفس رسول (حضرت علی) نے بعد از رسول جہاد اکبر بہ سبب عدم اعوان (یعنی حمایتیوں کی کمی) کے پچیس برس فرمایا اور باقی پانچ برس میں جہاد اصغر ناکثین و قاسطین و مارقین سے حسب ارشاد جناب سید المرسلین واقع کیا۔

پس حسنین علیہما السلام میں سے فرزند اکبر نے بسبب عدم اعوان و انصار کے تاسی اپنے بدو پدر کی جہاد اکبر میں کر کے معاویہ باغی سے مصالحت فرمائی۔ کہ یہی جہاد اکبر ہے۔ اور فرزند اصغر نے با قلت انصار تاسی اپنے پدر عالی وقار و پدر نامدار کی جہاد اصغر میں کر کے ستر ہزار کے گروہ پر صحرائے کربلا میں جہاد اصغر یعنی جہاد بالسیف تین روز کی بھوک اور پیاس میں کنارِ فرات واقع فرما کر حق و باطل کو عیاناً جدا کر دیا۔ دونوں بھائیوں نے اپنا حق ادا کر دیا امید ہے کہ اب کسی مومن کے قلب میں بعد ایسے جج

قاطعہ کے چون وچرا کو راہ نہ ملےگی" (رسالہ عین الحق تمام صـ۹۳)

مگر افسوس کہ شیعہ ذہن سے عار المومنین اور رذل المومنین کے القاب جو ان کے بزرگ دے گئے تھے نہیں نکلتے چنانچہ خود مورخ اقبال علی صاحب ان کی نسل کشی اس طرح فرماتے ہیں حسن کے پندرہ بیٹے اور بیٹیاں تھیں مگر افسوس ہے کہ آپ کی اولاد کے نام معلوم نہ ہوسکے۔

(خمسہ اقبالیہ صـ۱۶۱)

یعنی رافضیوں نے اپنے بغض وعناد کی وجہ سے پندرہ میں سے ایک بیٹے کا نام بھی بسط اکبر کا اپنی تاریخ میں نہ آنے دیا۔یہی غنیمت ہے کہ اُن کی امامت نہیں چھینی۔اور اس طرح رافضیوں نے ان پر جبا داکبر یعنی تقیہ سے دیگ جانے والی چادر ڈال کر ان کی پردہ پوشی کر دی۔

امام سوم۔حضرت حسینؓ

امام سوم کی منقبت میں جتنا کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے یہی اجازت نہیں دیتا کہ مزید خامہ فرسائی کریں جسے صحیح حالات معلوم کرنا ہوں وہ عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہؓ ویزیدؒ" تلاش کرے۔ ورنہ پروفیسر حتی نے بھی وہی کچھ لکھا ہے۔تاریخ ملت عربی میں ہے۔

"حضرت امام حسین کا خون اُن کے والد کی شہادت سے بھی بڑھ کر شیعہ مذہب کا بانی ثابت ہوا۔گویا دسویں محرم کو شیعت عالم وجود میں آئی۔ یوم کربلا سے شیعوں کو ایک نعرۂ جنگ مل گیا۔قتل حسین کا انتقام۔صـ۲۹۳)

شہادت حسین کی یادگار میں شیعہ مسلمانوں نے محرم کے دس دنوں میں ماتم کرنے کی رسم قائم کی اور ایک مذہبی تمثیل تیار کرلی ہے (جس میں ہندو رام لیلا کی طرح) ان کی بہادرانہ جنگ اور مصائب کو بڑے زور شور سے بیان کرتے ہیں یہ سالانہ تمثیل دو حصوں میں دکھائی جاتی ہے۔ایک جنگ کی یادگار میں عاشورہ کہلاتا ہے اور بغداد کے قریب کاظمین میں منایا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ دسویں محرم سے چالیس دن تک کربلا میں دکھایا جاتا ہے اور سر کی واپسی کہلاتا ہے (صـ۲۹۲)

یہ دسویں محرم ۶۱ھ کی تھی جو مطابق ہوتی ہے ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء اس بات پر نہ صرف جملہ مورخین کا اتفاق ہے بلکہ ماہرین علم ریاضی کی تحقیقات سے بھی ثابت ہے۔ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو بدھ کا دن تھا۔حساب سے بھی یہی دن آتا ہے۔اور تقویم سے بھی شیعہ عوام نے بہت سی

جھوٹی باتوں کی طرح ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو جمعہ کا دن قرار دے لیا ہے عباسی صاحب نے اپنی دونوں کتابوں میں اس کی بھی پول کھول دی تھی بتینات کا اڈیٹر شاید کسی سنہری مصلحت سے شیعہ عوام کی ہمنوائی کرنے پر مجبور رہے اوٹ پٹانگ باتیں کہہ کر بدھ کے بجائے جمعہ کا دن ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شیعوں کی تائید میں ادھار کھائے بیٹھا ہو مگر جھوٹ کی نیا کبھی تیرتی نہیں پھر ملا کو حساب دانی اور تاریخ سے واسطہ ہی کیا اسے تو چاہیئے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ اس کے اجداد ان لوگوں میں شامل نہ تھے جن کے اصلاب میں مومنوں کے نطفے دیکھ کر حضرت حسین نے قتل کرنے سے چھوڑ دیا تھا۔

اس کا ذکر شیعہ عقائد سے پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:۔

قطب الدین اشکوری نے اپنی کتاب محبوب القلوب میں لکھا ہے کہ جب امام حسین روز عاشورہ حملہ کرتے تھے تو بعض کو قتل کرتے تھے اور بعض کو باوجود امکان قتل کے چھوڑ دیتے تھے کسی نے حضرت سے سبب پوچھا تو فرمایا میرے سامنے سے پردے اٹھے ہوئے تھے۔ پس میں نے دیکھا کہ بعض کافروں کے اصلاب میں مومنوں کے نطفے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کو چھوڑ دیا۔ اور ایسوں کو قتل کیا جن کے اصلاب میں مومنوں کے نطفے نہ تھے۔ (عقائد الشیعہ ص ۴۷)

اور راوی نے شاید یہ بھی بتلایا ہو کہ یہ انکشاف حضرت حسین نے شام سے سر کی واپسی کے بعد فرمایا تھا۔ جب کوفی رافضیوں نے اسے جوڑ کر انھیں اٹھایا اور ان کی خیریت پوچھنے لگے ورنہ یوم عاشورہ میں حملہ کرتے ہوئے اور دوسروں کو قتل کرتے ہوئے آپ بھی تو قتل ہو گئے تھے۔

ایک غلط بیانی کی تردید

کسی من چلے شیعہ نے خواجہ معین الدین چشتی رح سے جنکی توہین کی پاداش میں شیعہ مجتہد اعظم شوستری کی زبان تالو سے کھینچ لی گئی تھی۔ ایک لغو رباعی منسوب کر دی ہے جو دراصل ایک غالی رافضی معین کاشانی کی ہے محض لفظ معین کی مماثلت سے رافضی زمانہ حال میں حضرت ممدوح سے منسوب کرنے لگے ہیں۔ اور اسے محرم میں جگہ جگہ مشتہر کیا جاتا ہے۔

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین   دین ہست حسین دین پناہ ہست حسین

سر داد نہ داد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

ہمارے ایک شیعہ دوست نے ہمیں بہت سمجھایا کہ یہ رباعی حضرت چشتی علیہ الرحمۃ کی ہے مگر ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ چشتی صاحب دراصل کہنا کیا چاہتے تھے۔ اگر وہ ہمہ وقت جذب ویاد الٰہی میں رہتے تھے تو اللہ اللہ کرتے۔ یزید اور حسین کے جھگڑے میں کیوں پڑے۔

لیکن شیعہ عقاید معلوم کرنے کے بعد ہماری پریشانی رفع ہو گئی۔ مطلب سمجھ میں آگیا اور ان کی عظمت و بزرگی میں جو شکوک پیدا ہو گئے تھے رفع ہو گئے۔ آپ بھی وہ عقیدہ سن لیجئے :۔

> ہمارا عقیدہ ہے کہ آئمہ ان کے دوستوں اور مومنین صالحین سے تولا یعنی محبت رکھنا ضروریات دین سے ہے۔ اور کفار مشرکین و منافقین اور تمام دشمنانِ اہل بیت سے تبرا یعنی بیزاری اختیار کرنا۔ علامت ایمان ہے ہمارا یہ عقیدہ کلمۂ توحید سے ماخوذ ہے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ نے ہم کو بتایا ہے کہ پہلے باطل معبودوں سے بیزاری کا اقرار کریں (یعنی تبرا بھیجیں)، پھر خدائے برحق کی معبودیت کی گواہی دیں (یعنی تولا کا ثبوت دیں)
>
> (عقاید الشیعہ ص ۴۲)

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ لا الٰہ بمنزلہ تبرا ہے یعنی خدا کے دشمنوں پر لعنت بھیجے پھر کہے الا اللہ جس سے آپ کی محبت و الفت کا اظہار ہوگا پھر چشتی صاحب کے منسوبہ آخری مصرعہ کو پڑھیے "حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین" اور غور فرمایئے انھوں نے بنائے الا اللہ نہیں فرمایا ہے۔ جو اسلام کا رکن رکین ہے بلکہ بنائے لا الٰہ کہا ہے جو تبرا کے مماثل ہے۔

اب غالباً مطلب صاف ہو گیا ہوگا۔ فرماتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ جناب حسین علیہ السلام نے دنیائے اسلام میں لا الٰہ کی بنا ڈالدی یعنی تبرا جاری فرما دیا کیونکہ نہ آپ لڑتے نہ رافضیوں کو آپ کے انتقام کے بہانے اسلام میں رخنہ انگریزی کا موقعہ ملتا نہ مذہب شیعہ تیار ہوتا نہ اسلام میں خون خرابہ ہوتا نہ یہ نفرت و بغض پھیلتا۔

بے شک جناب چشتی رحمت اللہ علیہ نے ایک معرفت کا دریا اس منسوبہ رباعی کے کوزہ میں بند کر دیا ہے جب ہی تو ایک عالم ان کی بزرگی کے سامنے سر نیاز خم کئے ہوئے ہے۔ حتیٰ کہ دشمن بھی ان کی ذم کو مدح سمجھ کر سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔

باقی نو امام | اماموں کی ضرورت اور اُن کا تخیل کس طرح معرض وجود میں آیا اہم تاریخی حوالو

سے شروع میں پیش کر چکے ہیں اس لئے باقی اماموں کے اقوال جو سب کے سب سبائی دماغ کی پیداوار ہیں پیش کرنا محض تضیع اوقات ہوگا البتہ بارھویں امام جن کی تعریف بچوں کو خاص کر بھائی جاتی ہے بے حد دلچسپ شخصیت کے مالک ہیں اور چونکہ ان کے ظہور کا زمانہ بقول شیعہ قریب آرہا ہے اُن کے عزائم جو ناصبیوں کے لئے بے حد خطرناک ثابت ہونے والے ہیں جاننا ضروری ہے۔ ہمارے شیعہ بھائی یہ حالات تسکین قلب کے طور پر اپنی مجلسوں میں سُناتے ہیں اور روتے روتے تھوڑی دیر کے لئے خوش ہو لیتے ہیں لیکن ناصبیوں کو نہیں بتاتے۔ حالانکہ جو کچھ وہ کرنے والے ہیں۔ اور جو کچھ ہونیوالا ہے اس کا تعلق صرف ناصبیوں سے ہے۔ اس لئے ان کا جاننا اوران کے لئے تیار رہنا ہر ناصبی کا فرض ہے۔

امام آخر الزماں یا امام غایب

آپ کا نام محمد کنیت ابوالقاسم اور ابو عبداللہ یعنی وہی جو رسول اللہ کے تھے

القاب۔ قائم آل محمد۔ حجت اللہ۔ مہدی آخر الزماں۔ المنتظر۔ صاحب العصر۔ امام غایب وغیرہ۔ آپ کے والد بزرگوار۔ امام حسن عسکری علیہ السلام والدہ ماجدہ نرجس خاتون۔ سوسن۔ ریحانہ۔ مریم۔ حکما اور صقیل (ان میں سے کوئی ایک) (اخلاق المعصومین ص ۱۹۳)

یہاں امام صاحب کی چھ ماؤں کے نام قابل غور ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آئیگی۔ پہلے چند شیعہ عقاید سُنئے۔

۱۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام جو رسول کے بارھویں جانشین ہیں بحکم خدا غائب ہیں۔ اور جب تک اس کی مشیت ہے غائب رہیں گے۔ قرب قیامت میں آپ کا ظہور ہوگا۔ اور اس وقت آپ تمام ادیان باطلہ کو نیست و نابود کر کے ہر طرف دین اسلام پھیلا دیں گے۔ اس وقت سوائے دین خدا کے کوئی اور دین پایا ہی نہ جائے گا۔

یہ دین اسلام سبائی و تولائی ہوگا۔ اس کے ذکر کی ضرورت نہ تھی تاہم شاید ناصبی خوش ہو جائیں کہ اُن کا اسلام ہر طرف پھیلنے والا ہے۔ حالانکہ وہ پہلے ہی سے پھیلا ہوا ہے۔ امام صاحب صرف سبائی مذہب قایم کرنے آرہے ہیں۔ اور غیر سبائیوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔

۲- ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور بہت سے لوگ آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے - آپ کے نائبین جو بحالت غیبت صغریٰ آپ کی خدمت میں جایا کرتے تھے آپ کے دستخطی توقیعات دعا کے زیارات جو کہ مومنین کے پاس آتے تھے - آپ پیدا ہو کر غائب ہو گئے - اور اب تک مخفی ہیں اور قیامت تک بحالتِ غیبت زندہ رہیں گے - آپ کے غائب ہونے میں خدا کی کیا مصلحت ہے اس کا اظہار امام علیہ السلام کے ظہور کے بعد ہو گا یہ اسرار الٰہیہ ہیں سوائے انبیاء و اولیاء کے دوسرا اُن سے واقف نہیں ہو سکتا -

(عقائد الشیعہ ص۳۳)

۳- لیکن آگے چند فوائد بھی لکھ دیئے گئے ہیں مثلاً حضرت کو غائب رکھ کر دشمنوں کے شر سے بچانا تھا تاکہ آپ قتل سے محفوظ رہیں آپ خدا کی آخری حجت ہیں اس لئے ضروری تھا کہ ان کو محفوظ رکھا جائے ورنہ زمانہ حجت خدا سے خالی ہو جاتا - جس سے غالباً یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مصنف صاحب بھی اسرار الٰہیہ جاننے والوں میں سے ہیں -

بارھویں امام کی پیدائش

"آپ کے والد بزرگوار جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے انتقال فرمایا (بعمر ۲۸ سال) آپ کے چچا جعفر ڈیوڑھی میں بیٹھے تھے - جو نہ تو امام تھے اور نہ اس عہدۂ جلیلہ کے کسی طرح اہل تھے - لیکن امامت کے دعویدار تھے - کچھ لوگ آ آ کر ان کو بھائی کے انتقال کا پرسہ دینے لگے اور امام ہونے کی مبارکباد دینے لگے - تھوڑی دیر میں خادم آیا اور کہا آپ کے بھائی کو کفن پہنا چکے ہیں چل کر نماز پڑھئے یہ سن کر جعفر نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے - راوی ابو الادیان البصری بیان کرتے ہیں کہ نا گہاں ایک خوبصورت لڑکا مکان کے ایک گوشے سے نکل آیا - آپ کا ملق ملاحظہ فرمائے کہ آپ کے چچا جو خود وہ شخص ہے جس نے امامت کا دعویٰ کیا مگر اسے ہٹا کر آپ نے صرف اتنا کہا اے عمو اپنے باپ پر نماز پڑھنے کا مجھ سے زیادہ مستحق میں ہوں اخلاق المعصومین (ص۱۹۳)

واضح ہو کہ امام حسن عسکری کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی - البتہ گھر میں چند لونڈیاں

تھیں۔ کاظمی صاحب کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ان میں کون بارھویں امام کی ماں تھی اس لئے جدول مقدور میں سب کے نام لکھدیئے۔ اور لڑکا گوشۂ مکان سے پیدا کر دیا۔ مگر اس کے ساتھ۔ دوسری روایت بھی سنیئے :۔

"جناب امام حسن عسکری بغیر کوئی اولاد چھوڑے مرگئے تو شیعان اہل بیت کے چند فرقے ہو گئے۔ ان کے جمہور اس پر قائم ہیں کہ حسن عسکری کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا مگر انھوں نے اسے پوشیدہ رکھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے حسن عسکری کی وفات کے بعد ان کے گھر انکی ایک کنیز سے جس کا نام صیقل تھا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور یہ بہت مشہور ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صیقل سے نہیں بلکہ دوسری کنیز سے پیدا ہوا جس کا نام سوسن تھا۔ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ صیقل سے ہوا۔ اس لئے کہ اس صیقل نے اپنے آقا حسن عسکری کی وفات کے بعد حمل کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی وجہ سے سات برس تک حسن کی میراث کو روکا گیا۔ اس معاملے میں اس کنیز سے حسن کے بھائی جعفر بن علی نے جھگڑا کیا تھا۔ اور ارباب دولت کی ایک جماعت اس کنیز کی مددگار تھی۔ اور دوسرے لوگ جعفر کے مددگار تھے۔ اس کے بعد وہ حمل بچک گیا۔ اور جھوٹا ہو گیا۔ اور حسن کے بھائی جعفر نے میراث لے لی۔ بحوالہ الملل والنحل ابن حزم تحقیق مزید ص۲۸۹"

چنانچہ غیبت صغریٰ کی ضرورت پڑ گئی ۔ اور نگ نہ ہوتی جب بارھویں امام اماں کے پیٹ سے نکلتے ہی اس قابل ہو گئے کہ اپنے پاؤں چل کر باپ کے جنازے پر آن پہنچے اور ان کے جنازے کی نماز پڑھنے کے لئے چچا سے لڑنے لگے چچا نے شاید ایک چانٹہ رسید کیا ہوگا اور امام صاحب جہاں سے آئے تھے واپس چلے گئے ہوں گے یعنی وہ پیٹ پچک گیا۔ اور حمل جھوٹا ہو گیا۔ لیکن اگر کاظمی صاحب کی روایت صحیح ہے تو ہمیں گیارھویں امام کی حالت پر افسوس ہے کہ ان کے ایک لوموونے لڑ جھگڑ کر نماز جنازہ سے بھی محروم کر دیا ۔

امام مہدی کیوں آرہے ہیں

مفضّل نے پوچھا۔ یا مولا مہدی آل محمد بیت اللہ کا کیا کریں گے۔

فرمایا امام جعفر علیہ السلام نے قایم اُسے مسمار کر کے صرف پائے رہنے دیں گے جس سے وہ خانہ مراد ہے جو عہد آدم میں بنایا گیا۔ اور وہ دیواریں باقی رکھیں گے جن کو ابراہیم و اسمٰعیل نے اُن پایوں پر تعمیر کیا تھا۔ باقی دیواروں کو مسمار کر دیں گے کیونکہ انھیں کسی پیغمبر یا وصی نے تعمیر نہیں کیا۔ اس کے بعد جس طرح منظور ہوگا کعبہ تعمیر کیا جائیگا۔

ونیز مکہ معظمہ مدینہ منورہ و عراق و دیگر اقالیم میں تمام آثار ظالمین خراب کر دیئے جائیں گے مسجد کوفہ کو مسمار کر دیا جائیگا اور قایم اسے بنیاد قدیم پر تعمیر کریں گے۔ قصر عتیق کو بھی گرا دیا جائیگا۔ وہ شخص ملعون ہے جس نے اسے تعمیر کیا (حدیث مفضل صفحہ ... از ملا باقر مجلسی)

امام مہدی سنیوں کے ساتھ کیا کریں گے

پھر مفضل نے پوچھا اے میرے آقا مہدی علیہ السلام اہل مکہ سے کیا کریں گے۔

"فرمایا امام جعفر علیہ السلام نے۔ جب قایم مکہ پہنچیں گے تو آپ مع جنوں اور نقبا کے آئیں گے اور حکم دیں گے کہ اہل مکہ سے سوائے اس کے جو مومن ہو جائے (یعنی شیعہ) کسی کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ پھر آنحضرت کے انصار اُن کو قتل کریں گے۔ بخدا سو آدمیوں میں سے ایک بلکہ ہزار میں سے ایک آدمی باقی نہ رہے گا۔ (حدیث مفضل)۔

۔یہاں اہل مکہ سے مراد اہل قبلہ یعنی کعبہ شریف کو قبلہ ماننے والے سُنی مراد ہیں۔ اور امام جعفر صاحب کی زبانی ملا مجلسی اُن سب کو قتل کروانا چاہتا ہے۔ ان خبیث سبائیوں کی ذہنیت کا اندازہ لگایئے کہ کیسے حوصلے اور کیسے ارمان اسلام کو تباہ کرنے کے دلوں میں لئے ہوئے مر گئے کہ آج تک اُن کی گندگی ختم نہ ہو سکی۔

امام مہدی کہاں ظہور فرمائیں گے

"مفضل: جناب مہدی کا مکان اور مومنین کا اجتماع کہاں ہوگا

امام جعفر۔ آپ کا پایۂ تخت کوفہ اور دار القضا مسجد جامع کوفہ اور بیت المال و غنیمت و اموال تقسیم کرنے کی جگہ مسجد سہلہ ہوگی۔ آپ کی

ہوت گا وہ صفہ ہائے سفید ہوں گے جو اطراف ہرٰی میں واقع ہیں اور جو وہ عمارتیں کوفہ میں مشہور ہیں۔

صفہ یعنی جھونپڑیاں۔ اور یہ وہ مشہور عمارتیں کوفہ کی ابھی بھی نہیں معلوم ہیں وہاں تہہ خانے ہوں گے جہاں سے تخریبی کارروائیاں شروع ہوئیں۔

شیعہ سب کہاں جمع ہوں گے

"مفضل۔ کیا تمام مومنین کوفہ میں جمع ہوں گے

امام جعفر۔ خدا کی قسم کوئی ایسا مومن نہ ہوگا جو وہاں یا اس کے اطراف میں نہ ہو۔ زمین کی قیمت وہاں اس قدر ہوگی کہ لوگ خواہش کریں گے کہ سینے میں ایک بالشت زمین ایک بالشت مال کے بدلے خریدیں شہر کوفہ کا دور ۵۴ میل ہوگا۔ اور اس کے مکانات کربلا سے ملے ہوئے ہوں گے۔ کربلا وہ مقام ہے جہاں ملائکہ و مومنین آمد و رفت رکھتے ہیں اور اس کی شان بلند ہے اے مفضل یہیں سے تا ظہور قائم آ[illegible] شہ[illegible] [illegible] سی نیکیاں ظاہر ہوں گی۔

مگر [illegible] پرستاران اہل بیت نے ہجرت شروع نہیں کی ہے

امام مہدی کہاں جائیں گے

"مفضل۔ یا ابن رسول اللہ اس کے بعد صاحب العصر کہاں جائیں گے۔

امام جعفر۔ وہ مدینہ رسول میں آئیں گے اور یہاں آپ کا مرتبہ اور مقام عجب طور پر ظاہر ہوگا۔ اس سے مومنین خوش اور کفار خلد و ذلیل ہوں گے یعنی قبر جناب رسول خدا پر پہنچ کر فرمائیں گے کہ اے گروہ خلائق آیا یہ قبر میرے جد جناب رسول خدا کی نہیں ہے۔ سب کہیں گے لاریب یہ آپ کے جد کی قبر ہے پھر آپ فرمائیں گے کہ میرے جد کی قبر کے پاس یہ اور قبریں کس کی ہیں۔ کہا جائیگا کہ حضرت کے دو مصاحبوں کی قبریں ہیں آپ پوچھیں گے یہ کیسے میرے جد کے پاس دفن ہوئے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ پیغمبر کے خلیفہ تھے، اور ان کی ازواج کے باپ تھے۔

لیکن آپ دونوں کو مسمار کرنے کا حکم دیں گے اور کہیں گے کہ قبروں کو اکھاڑ کر لاشوں کو باہر نکالیں۔ اس کے آگے کا حال ہم منتخب عربی میں

نقل کر دیا ہے۔

(گنج مقفل یعنی حدیث مفضل از ملا باقر مجلسی)

اس سے ناصبیوں کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ امام مہدی کس قسم کا عدل دنیا میں قائم کریں۔ اور کس قسم کا اسلام جاری فرمائیں گے۔ اور عام مسلمانوں کا کیا حشر کریں گے۔ ناصبی بھائیو! دعا مانگو کہ یہ کبھی نہ نکل سکیں تیرہ سو سال سے مارے ڈر کے چھپے چھپے پھرتے ہیں۔ ناصبیوں کے خلیے سے باہر آتے ڈرتے ہیں۔ مگر جب آئیں گے تو ان کا خانہ خراب کر کے رکھ دیں گے۔ ہزاروں میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ غالباً اس وقت ہمارے شیعہ بھائی مطمئن ہو جائیں گے۔ عدل قائم ہو جائیگا۔ اِن کی شکایتیں رفع ہو جائیں گی اور یہ تبرا بند کر دیں گے۔ تقیہ بھی چھوڑ دیں گے۔ ماتم بھی نہ کریں گے۔ دعائے سباسب بھی نہ پڑھیں گے اور دعائے عاشورہ بھی ختم کر دیں گے۔ خوش خوش رہیں گے اور چین کی بنسی بجائیں گے۔ خدا وہ دن کرے اور اِن کی جان کی ضیق ختم ہو۔

امام مہدی کی دعائیں

شیعوں کو امام صاحب نے مستور رہ کر بھی چند دعائیں سکھائی تھیں۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے چیدہ چیدہ الفاظ پیش ہیں ورنہ دعائیں کیا ہیں باقاعدہ ناموں کے صحیفے ہیں۔ اور گالیوں سے پر ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سب بھی گالی عربی لفظ ہے۔

اسناد دعائے سباسب

تحفۃ العوام تبول عن ۱۷۰ جناب صاحب الامر سے منقول ہے کہ دشمنوں کے دور کرنے ان کی رسوائی و سحر باطل کرنے اور مقاصد دینی و دنیاوی پورے ہونے کے لئے یہ دعا مجرب ہے۔ موجودہ زمانے میں شیعان علی سے مسلمان یوں دشمنی رکھتے ہیں کہ شیعہ ہیں۔ اور غیر قومیں نراکھرا مسلمان سمجھ کر بغض و عناد رکھتی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہر شیعہ روزانہ کم سے کم ایک مرتبہ پڑھ لیا کرے مولانا نجم الحسن کراروی

ترجمہ: یا اللہ تو ان سب کو اپنی قوت و سطوت سے مجھ سے دور رکھ تا کہ وہ پریشان و پراگندہ رہیں۔ حیران و پست و ذلیل و زیر دست رہیں۔ ہر طرح کا نقصان اٹھائیں کوئی ان کی مدد نہ کرے وہ مغلوب رہیں۔ منحوس سمجھے جائیں۔ برگشتہ رہیں۔ جہاں جانا چاہیں نابینا رہیں۔

آنا چاہیں تو راستے میں جکڑ کاٹتے رہیں ہلاکت میں پڑیں بلکہ اُن کے زخمی ہوں۔ وادیوں میں اُن کے ختو پڑے گر زمین اُن کی ماری جائیں سدھ کئے دیئے جائیں۔ زنجیروں میں قید ہوں۔ طوق ان کے گلوں میں پڑے ہوں بیڑیوں میں جکڑے ہوں۔ موت کی بجلیاں اُن پر گریں نسلیں ان کی منقطع ہوں۔ باقی رہنے والے اُن کے ہمیشہ روتے پیٹتے رہیں (دعائے سباسب)

ان دعاؤں اور اپنے مشاہدات سے ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ یہ سب باتیں تو شیعوں کو ہی پیش آتی رہتی ہیں اور روتے پیٹتے ہیں، امام صاحب نے یہ بددعائیں اُن کے کی ہونگی جی نہیں امام صاحب نے سرداب سر من رائے یعنی ٹھنڈے پانی کی تہہ سے لکھکر دستخط کے ساتھ شیعوں کو بھیجی تھیں کہ اِن کے پڑھنے سے اُن کے دشمنوں پر یہ سب واقع ہوگا لیکن خدا کی شان ہے کہ معاملہ اُلٹ گیا ہے۔

آگے اللہ کی ثنا بھی دی گئی ہے۔ فرماتے ہیں :-

"اے تمام مصیبتوں کے وقت موجود رہنے والے وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ جس وقت بھی وہ دعا مانگے۔ اللہ لکھ چکا ہے۔ کہ میں اور میرے رسول سردر غالب آئیں گے۔ میں خدائے تعالیٰ کی ضمانت میں ہوں جو ٹوٹ نہیں سکتی۔ میں خدائے تعالیٰ کے پڑوس میں ہوں۔ جسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور میں اسی کے لشکر میں ہوں جو مغلوب نہیں کیا جا سکتا" (دعائے سباسب)

ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اللہ کے پڑوس یعنی سرد آب کی تہہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر بار بار کر دیا ہے اسی لئے ہر کام میں دیر ہو رہی ہے اگر یہی التجا جناب تحت کے فرماتے تو شاید کام جلدی بن جاتا۔

شیعہ مذہب کی پانچویں جز۔ قیامت

یعنی ایک روز ایسا ہوگا کہ سب سب مر جائیں گے سوائے ذاتِ خدا کے کچھ باقی نہ رہے گا۔ نہ آسمان نہ زمین، نہ آفتاب نہ ماہتاب پھر خدا روحوں کو اُن کے بدن میں داخل کریگا اور حساب وغیرہ کے بعد نیکوں کو بہشت میں اور بدوں کو دوزخ میں بھیجے گا۔ ملا شیعہ بچوں کی نماز۔

اِس عبارت کو پڑھ کر میں سمجھا کہ مولوی صاحب کسی دُھن میں لکھ گئے کہ پہلے زمین آسمان آفتاب ماہتاب سب تباہ ہو جائیں گے تب خدا روحوں کو اُن کے بدن میں داخل کریگا۔ اور حساب کرے گا۔ مگر معلوم ہوا کہ شیعہ عقیدہ یہی ہے۔

عقائد الشیعہ میں ظفر صاحب بھی اس کی توثیق کرتے ہیں :۔

آیا معاد جسمانی۔ اجسام کو معدوم کر دینے کے بعد ہوگی یا تفریق اجزا کے بعد۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک معدوم کے بعد اعادہ ہوگا۔ اور اس کی دلیل جناب امیر علیہ السلام کا یہ قول ہے۔ یعنی خدا فنا کرنے والا ہے ہر شے کا۔ بعد اس کے وجود کے یہانتک کہ موجود مثل مفقود کے ہو جائیگا۔ اور دنیا کا فنا کرنا اس کے ایجاد کرنے سے زیادہ عجیب نہیں۔

دوسرا گروہ محققین کا کہتا ہے اعادہ معدوم ممتنع ہے (فائدہ) و محال ہے۔ ان کے نزدیک جسم مادی عود نہیں کرے گا۔ بلکہ اُس کی مثل دوسرا جسم ہوگا۔ اور دلیل یہ آیت ہے۔ یعنی جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر ہے کہ مثل ان کے پیدا کر دے ہاں وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے لیکن صحیح عقیدہ یہی ہے کہ متفرق اجزا کو پھر یکجا کر کے وہ کسی جسم کو بنائیگا جیسے جناب ابراہیم کے لئے پرندوں کو زندہ کیا تھا۔ (عقائد الشیعہ)

اِس بحث سے پتہ چلا کہ قیامت پر بھی سُنی شیعہ اعتقادات ایک جیسے ہیں کیا اُس میں بھی اُنھیں وہ شکوک ہیں جو دین اسلام میں ہیں۔ کوئی کہتا ہے قیامت کے بعد ہمارے جسم وہی نہیں ہوں گے بلکہ خدا ہمیں نئے جسم عطا کرے گا جو نئے مادے سے بنائے جائیں گے غالباً یہ اللہ میاں کی سہولت کے لئے سوچا گیا ہے۔ کیونکہ ٹوٹی ہوئی چیز درست کرنے سے نئی بنا لینا کہیں آسان ہوتا ہے۔ اور دوسرے گروہ کا اعتقاد ہے کہ ساری کائنات کو ذروں میں منتشر کر دے گا۔ پھر ذرات سے کہے گا اس کی طرف آ کر جمع ہو جاؤ۔ جیسے گیہوں صاف کئے جاتے ہیں تو بھوسی ایک طرف جمع ہو جاتی ہے اور گیہوں ایک طرف اور یہ بھی آسانی ہے اس سے اسی زمین پر ہر چیز ہر آدمی جگہ معاد کرے اور حشر گرم

بھی معاملہ خدا پر چھوڑ دیا ہے وہ جس شیعہ محقق کی رائے کو چاہے پسند کرے اور اس پر عمل کرے جنت دوزخ ثواب عذاب کا تعلق بھی چونکہ قیامت ہی سے ہے یعنی قیامت یا حشر نشر کے بعد معلوم ہوگا کہ کون کس کا مستحق ہے لیکن یہ عقیدہ دیکھئے۔

شیعہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی بہشت اور دوزخ کے بانٹنے والے ہیں۔ (ینابیع المودہ ص۲۴)

اِس عقیدے سے اللہ میاں کی توہین مقصد نہیں شاید یہ ان کی پیری بزرگی کے خیال سے کچھ خدمات ان کے ولی عہد کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ شیعوں کا خیال ہے کہ جنت حضرت علی نے صرف شیعوں کے لئے ریزرو کروائی ہے۔ یعنی ان کی تقسیم بمصداق اندھا بانٹے ریوڑی۔ اپنے اپنے کو دے۔ ہوگی۔ اور اللہ میاں کہدیں گے کہ ہمارا عدل یہی ہے کہ جو ہمارا ولی عہد چاہے کرے۔ اب دیکھنا ہے کہ وہاں کیا ہوتا ہے معاویہ نے خلافت بیٹے کو دیدی تو شیعہ قوم پیدا ہوگئی وہاں علی جنت شیعوں کو دیدیں گے تو نا معلوم کیا نہ کریں گے۔

ارکان دین اور فروع دین کا فرق

سنی ارکان دین چار ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ۔

شیعوں کے فروغ دین یعنی دین کی شاخیں چھ ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ۔ خمس اور جہاد۔ (شیعہ بچوں کی نماز۔ فرمان علی)

لیکن تحفۃ العوام مقبول مولفہ نجم الحسن کراروی سے پتہ چلا کہ فروع دین دراصل دس ہیں چھ مذکورہ بالا اور باقی چار یہ۔ امر المعروف نہی عن المنکر۔ تولا۔ تبرا۔ یعنی فرمان علی صاحب نے۔ بچوں کو دشوار فہم ہونے کی وجہ سے نہیں بتایا۔

ان کے علاوہ مذہب شیعہ میں چند اور عقاید ہیں جن کا شمار نہ اصول دین میں ہے نہ فروغ دین میں مگر ہیں اہم۔ مثلاً تقیہ جسے ائمہ کرام نے شیعہ مذہب کا ۹/۱۰ حصہ بتلایا ہے اور متعہ زندگی بھر کی تمام نیکیوں سے بہتر نیکی ہے۔ ان دو امور پر بہت وسیع لٹریچر موجود ہے۔ اور بہت دلچسپ بھی ہے۔ اس لئے ہم مندرجہ بالا آٹھ شاخوں کی معمولی تشریح پر اکتفا کریں گے۔ البتہ تولا تبرا۔ تقیہ اور متعہ کی جو شاخوں کی جگہ مستقل باغ بلکہ گلزار ہیں تفصیل سے سیر کرائیں گے۔

شیعہ مذہب کی پہلی شاخ

نماز :- نماز پنجگانہ کی سترہ رکعت ہوتی ہیں جو بالقسط

یا یکمشت ادا کی جا سکتی ہیں۔ عموماً شیعہ ان کو تین وقتوں میں ادا کر لیتے ہیں یعنی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ملا لیتے ہیں۔ یہ فرض نہیں بلکہ واجب کہلاتی ہیں۔

مبطلات نماز میں تحت شرائط صرف دو ہیں۔ (۱) بغیر تقیہ کے ہاتھ باندھ کر نماز کا پڑھنا (۲) بغیر تقیہ بعد سورۂ الحمد کے آمین کہنا۔ یعنی ان سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ مثلاً نماز پڑھتے وقت کوئی سنی آ جائے تو شیعہ کو چاہیئے کہ فوراً ہاتھ باندھ لے۔ اور الحمد کے بعد زور زور سے آمین کہہ دے تاکہ دیکھنے والا غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ جسے شیعہ سمجھے تھے وہ سنی نکلا۔ اس سے نماز کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ لیکن ایسا موقعہ نہ ہو تو ہاتھ باندھنے اور آمین کہہ دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور یہ بچوں کو سکھا دیا جاتا ہے۔

درود شریف واضح ہو کہ نماز میں التحیات اور درود شریف دونوں شیعہ سنی کے مختلف ہیں بلکہ انھوں نے دونوں کا ایک مخلص تیار کر لیا ہے۔ جو بے حد مختصر اور مفید ہے۔ مگر درود شریف کے معاملے میں یہ مذہب ذرا زود رنج واقع ہوا ہے۔ الفاظ کو الٹ پھیر سے خفا ہو جاتا ہے اور جنگ تک پر آمادہ ہو جاتا ہے جس کا مجھے ذاتی تجربہ بھی ہے۔ اسے بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

درود شریف میں فرق ہمارے پڑوس میں مجالس ہوا کرتیں۔ ایک دن دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ ایک سیاہ جبے والے مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے اور حاضرین زور زور سے درود پڑھتے تھے۔ میں بھی پڑھنے لگا لیکن ایسا محسوس ہوا کہ میرا درود ختم نہ ہوتا تھا اور دوسروں کا کہیں بیچ ہی سے ٹوٹ جاتا تھا پھر یاد آیا کہ ہمارے مولوی صاحب نے ایک چھوٹا درود بھی بتلایا تھا۔ چنانچہ اسے دل ہی دل میں دوہرایا اور تیار ہو کے بیٹھا کہ اس بار میں بھی سب کے ساتھ ہی ختم کر دوں گا۔ اشارہ ملتے ہی سب نے درود شروع کیا اور میں بھی باآواز بلند پڑھنے لگا۔

صلی اللہ علی محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

مجتہد صاحب نے گھبرا کر کچھ عربی میں کہا۔ ہر طرف سے لعنت لعنت کا شور بلند ہو گیا اور لوگ مجھے گھورنے لگے۔

میں گھبرا گیا۔ سنا تھا کہ شیعہ سنی بچوں کو پکڑ کر مار بھی ڈالتے ہیں۔ آخر کر بھاگا اور جوتیاں چھوڑ آیا۔

گھر کے قریب ہمارے مولوی صاحب مسجد سے واپس آتے ملے۔ میری پریشانی دیکھ کر خیریت پوچھنے لگے۔ میں نے اکھڑے اکھڑے سانس سے واقعہ سنایا۔

وہ ہنسے اور کہنے لگے۔ تم آیندہ مجلسوں میں نہ جانا ورنہ پٹ جاؤ گے۔ جیسے شیطانون میں گھس کر لاحول نہیں پڑھتے۔ شیعہ لفظ اصحابہ سے اسی طرح گھبراتے ہیں جس طرح شیطان لاحول سے گھبراتا ہے۔

مولوی صاحب کی نصیحت تو یاد رہی مگر مطلب سمجھنے کی نوبت ۔۔ تک نہ آئی جبتک پیش نظر لٹریچر نہ ملا۔ ناظرین کو معلوم ہوگا کہ شیعہ درود۔ اللّٰھم صلی علی محمد وعلیٰ آلِ محمد سے آگے نہیں بڑھتا۔ اِلا اِس کے کہ مخصوص درود مخصوص مقاصد کے لئے پڑھے جائیں۔ جن کی مختصر تفصیل نقل کرتا ہوں۔

شیعہ درود شریف کے فضائل

"لمعات الانوار میں ہے کہ ایک شخص نے کہا میں نے ایک تعداد مقرر کر لی تھی اور ہر شب سونے سے پہلے اتنی بار درود شریف پڑھا کرتا تھا۔ ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسالتماب تشریف لائے ہیں اور نور جمال آنحضرت سے در و دیوار گھر کے روشن ہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ وہ منہ کہاں ہے جس سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے تاکہ میں اُسے چوموں۔ میں نے شرم کی کہ منہ سامنے کروں رخسارہ سامنے کر دیا۔ حضرت نے میرے رخسارے کا بوسہ لیا۔ بس بسبب زیادتی خوشی سے بیدار ہوا۔ جو لوگ میرے ساتھ تھے سب بیدار ہوگئے۔ وہ مکان بوئے خوشِ آنحضرت سے معطر تھا گویا مشک وغیرہ سے مملو ہے۔ بس آٹھ دن تک وہ بو میرے چہرے سے آتی رہی"۔

(صفحہ ۹ زاد الصالحین حصہ ششم)

اِس روایت سے درود شریف کا مرتبہ بڑھایا گیا ہے یہ گھٹایا ! ۔ صرف ذی شعور مسلمانوں کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ مولوی بدایونی اِس میں کوئی خرابی محسوس نہیں کرتے

(۲) فرمایا جناب رسالتماب نے کہ یا علی جو شخص صلوٰۃ بھیجے مجھ پر ہر روز یا ہر شب تو واجب ہوتی ہے اُس پر شفاعت اگرچہ وہ اہل کبائر سے ہو۔ (صفحہ ۱۳ زاد الصالحین)

واجب ہونا ملاحظہ فرمایئے۔ یہ فرض کو بھی واجب ہی کہتے ہیں۔ یعنی رسول پر درود بھیجنے سے شفاعت لازم ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ بندہ گناہاں کبیرہ کا مرتکب ہوا ہو۔ اور یہ غالباً سُنی حدیث۔ یا فاطمہ۔ انقذی نفسک من النار۔ فانی لا املک لکم من اللہ شیئاً۔ کے رد میں ہے یعنی رسول تو فرماتے ہیں کہ اے فاطمہ دوزخ کی آگ سے خود کو بچاؤ میں وہاں تمہارے لئے کچھ کام نہ آؤں گا یعنی اگر تم نے گناہ کئے تو سزا بھگتنی پڑے گی۔ میری بیٹی ہونے کا بھی خیال نہ کیا جائیگا۔ اور یہاں یہ خوش اعتقادی ہے کہ رسول پر درود پڑھنے سے گناہانِ کبیرہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ معافی کس طرح کرائی جائے گی۔ اس کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

(۳) حدیث از جمع المعارف۔ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ بروز قیامت ایک شخص کو میری اُمت میں سے جہنم لے جانے کا حکم ہوگا۔ جب ملائکہ کنارہ دوزخ پر لیکر پہنچیں گے وہ ملائکہ سے بعجز و الحاح استغاثہ کرے گا۔ کہ تھوڑی دیر توقف کرو۔ تاکہ میں اپنے حال پر رولوں وہ کہیں گے کہ کوئی عمل دُنیا میں کیا ہوتا تو فائدہ ہوتا۔ وہ کہے گا کہ میں اُمت محمدؐ سے ہوں۔ آتشِ جہنم کی تاب نہیں رکھتا۔ اور یہ گمان مجھکو اپنے پروردگار سے نہ تھا کہ مجھکو کافروں کے ساتھ جمع کرے گا۔ ملائکہ کہیں گے کہ جناب رسول خدا نزدیک پروردگار کے ہیں اُن سے استغاثہ کر۔ پس وہ بہ آواز بلند محمدؐ سے فریاد کریگا۔ کہ یا محمدؐ پس میں اس کے نزدیک آکر کہونگا۔ اس کو میرے سپرد کردو۔ تاکہ مکرر وزن کردوں پس ایک صحیفہ نور کا پلۂ حساب پر رکھدیا جائیگا۔ کہ پلۂ سیئات پر غالب ہو جائیگا۔ حکم خدا ہوگا۔ کہ اسے بہشت میں لیجاؤ۔ پس وہ شخص کہیگا کہ اگر صلوٰۃ نہ ہوتی تو میں دوزخ میں جاتا (زاد الصالحین ص۱۰ جلد ششم)

بھئی یوں صلوٰۃ پڑھو۔ مگر اس کے معنی نماز کے نہیں ہیں جو جھٹ کھڑے ہو جاؤ صلوٰۃ شیعہ زبان میں درود کو کہتے ہیں اور یہ بروزن بلا تاء بولا جاتا ہے معاذ اللہ رسول اللہ پر بہتان تو دیکھئے کہ ایک شیعہ اُمتی پھنسا ہے جس کی زندگی میں کوئی نیک کام نہیں سوائے ایک صلوٰۃ کے سو اُسے دوزخ سے بچانے کے لئے رسول کو اُس کا حساب دوبارہ

کرواتے ہیں جیسے حضرت علیؑ حضرت عمرؓ کے فیصلے بدلوا دیا کرتے تھے۔ اور اس بار جناب رسول خدا آنکھ بچا کر وہ صحیفۂ نور رکھ دیتے ہیں۔ پلہ جھک جاتا ہے خدا کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑتا ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ کیا مرتبہ ہے درود شریف کا۔ مگر درود کون سا۔ وہ بھی سنئے اور روایت کے ساتھ سنئے۔

(۴) سید نعمت اللہ جزائری سے منقول ہے کہ ایک اکابر دین نے کہا کہ ایک عورت اپنے فرزند پر عاشق ہوئی۔ پس اس کو ایک دن شراب کھانے میں ملا کر دی۔ وہ لڑکا مست و بیہوش ہو گیا۔ پس وہ عورت آئی اور اپنے فرزند سے مقاربت کی۔ پس عورت حاملہ ہو گئی۔ اور اس کے فرزند نے ارادہ مکے کا کیا۔ اور روانہ ہوا۔ اس کے پیچھے عورت کی لڑکی پیدا ہوئی۔ اس نے اس کو ایک جگہ ڈال دیا۔ ایک شخص اٹھا کر لے گیا۔ اور تربیت کی۔ بعد اس کے وہ لڑکا مکہ سے واپس آیا اس کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کو بہت رنج ہوا۔ ایک دن اس نے اپنے رفیقوں سے کہا کہ مجھکو اپنی ماں کا نہایت رنج ہے۔ ایک رفیق نے کہا۔ کہ فاحشہ ماں کے لئے اس قدر رنج کیوں کرتا ہے۔ (اس جوان نے کہا میری ماں پر افترا نہ کر۔ اس نے کہا فلاں وقت تیرے ساتھ تیری ماں نے یہ عمل کیا تھا۔ اس سے اس کے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پس اس جوان نے قبر کو کھودا کہ اس کی لاش کو آگ میں جلا دے۔ پس قبر میں بوئے عطر آئی۔ اور جب پتھر سر کی طرف کا اٹھایا۔ دیکھا کہ اس کی ماں ایک تخت پر بیٹھی ہے اس نے اس حال کو اپنی ماں سے پوچھا اس نے کہا سچ ہے۔ اس نے کہا پھر یہ جاہ و جلال و سلطنت کیسے حاصل ہوئی۔ اس نے کہا کہ یہ برکت صلوۃ محمد و آل محمد سے اور بسبب لعنت کرنے کے اوپر ان کے دشمنوں کے۔ میں ہر شب پنجشنبہ اور ہر شب جمعہ میں بعد نماز کے ہزار مرتبہ یہ کہا کرتی تھی۔ (زاد الصالحین جلد ششم ص)

اللھم صلی علی محمد و آل محمد و بارک علی محمد و آل محمد کافضل ما صلیت	اے اللہ محمد اور آل محمد پر درود بھیج اور برکت کر محمد و آل محمد پر کہ وہ اس سے

بارکت وترحمت علیٰ ابراھیم و آل ابراھیم انك حمید مجید و لعنة الله علیٰ اعداء محمد وآل محمد من الاولین والاخرین۔

بہتر کے مستحق ہیں جیسے تونے درود بھیجا، برکت کیا اور رحم فرمایا ابراہیمؑ پر بے شک تو قابل تعریف اور بزرگ ہے اور لے اللہ لعنت بھیجانہ بھولنا دشمنوں پر محمدؐ اور آل محمد کے پہلوں سے لیکر پچھلوں تک جو سنی ہیں۔

تو بھائی صاحب یہ تھا وہ درود شریف جمان کو معلوم تھا جس کے برتے پر اس نے بیٹے کو کھانے میں ملاکر شراب پلائی اور اپنا کام نکال لیا۔ مگر بیٹے کو پتہ نہ تھا کیونکہ وہ کم جاننے والے قسم کا مسلمان تھا۔ واپسی پر درود شریف کے فضائل معلوم ہوئے تو فوراً ماں کا دین قبول کر لیا۔ یعنی شیعہ ہو گیا۔ اور قبر میں کود پڑا۔ ماں کہتی رہی بیٹا یہ متبرک تخت جنت کا ہے۔ یہاں پانی کی قلت ہے۔ تو جاکر میری بیٹی سے مل۔ مگر بیٹے نے کہا۔ میں تیرے درجات میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ استغفر اللہ تعالیٰ من ذالک۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ عید غدیر اور نوروز کے جشنوں میں جو دوپٹے اور کرتیاں لوٹی جاتی ہیں اسی درود شریف کا کرشمہ ہیں۔

شیعہ مذہب کی دوسری شاخ

روزہ:۔ ماہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہر مرد اور عورت پر واجب ہیں (شیعہ بچوں کی نماز)

ان میں صرف دیر سے کھولنے اور جلد سحر کرنے کے علاوہ کوئی خاص اختلاف نہیں۔ یہ فرض نہیں کہلاتے۔ واجب ہیں۔ البتہ روزہ جلد افطار کرنے والوں پر لعنت بھیجنا فرض سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مرزا غالب کا مشہور لطیفہ ہے۔ رمضان میں چار بجے شام کو کھانا کھا رہے تھے کوئی صاحب آگئے اور پوچھا کیوں مرزا، روزہ نہیں رکھا فرمایا سنی مسلمان ہوں پہر دن رہے روزہ کھول لیتا ہوں۔ یہ دراصل ایک تبرائی اعتراض ہے جو سنیوں پر عام طور پر کیا جاتا ہے۔

شیعہ مذہب کی تیسری شاخ

حج۔ حکم اس کا یہ ہے کہ مرد بالغ عاقل اور آزاد جتنا ہوا مد جو قرضدار نہ ہو اور اپنے اہل وعیال کے خرچ کو بھی اس قدر دے جائے گا جس کے

آئے تک وہ خرچ کفالت کرے اُس وقت واجب ہوتا ہے۔

(تحفۃ العوام ص۲۴)

لیکن اگر یہ شرائط مقدور میں نہ ہوں تو زیارت آئمہ اطہار و امیر المومنین کو چلے جائیے اور وہاں نہ جاسکے تو گھر بیٹھے کر لیجئے۔ زمین پر انگلی سے اماموں کے مرقد مبارک کا نقشہ بنائیے اور دعائے زیارت پڑھ لیجئے۔ شاید اسی بنا پر عضد الدولہ دیلمی رافضی نے ایک فرضی مقام پر مشہد علی تعمیر کرا ڈالا تھا۔

زیارت کے فضائل

(۱) زیارت جناب رسول خدا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو زیارت جناب رسول خدا کی کرے ایسا ہے کہ حق تعالیٰ کی زیارت کی ہوگی۔ (تحفۃ العوام ص۲۵۱)

اسے پھر پڑھئے۔ اس زیارت کو پڑھنے سے حق تعالیٰ کی زیارت ہوتی ہے اور وہی زیارت جس کے بارے میں ظفر حسن صاحب نے فرمایا ہے کہ خدا دیکھنے میں نہیں آتا نہ دنیا میں دیکھا جاسکتا ہے نہ آخرت میں دیکھا جاسکے گا کیونکہ دیکھنے کے لئے جسم چاہیئے اور جسم خدا کو میسر نہیں ورنہ وہ فانی ہوجائیگا۔ چنانچہ سُنا ہے کہ ولی خدا صاحب دن بھر حجاب میں بیٹھے زائرین کو خدا کی طرف سے زیارت دیتے رہتے ہیں۔

(۲) زیارت جناب امیر علیہ السلام بسند موثق روایت ہے کہ جو کوئی پیادہ پا جاوے زیارت جناب امیر المومنین علیہ السلام کو حق تعالیٰ ہر قدم میں ثواب دو۔ حج و دو عمرہ واسطے اُس کے لکھتا ہے۔ نہ کھائیگی آتش جہنم وہ قدم کہ جو غبار آلودہ ہو زیارت کے جانے میں پیادہ ہو خواہ سوار (ص۱۵۳ تحفۃ العوام)

اس کا مقابلہ اپنے حج سے کر لیجئے۔ وہاں صرف ایک حج کا ثواب ہے اور وہ بھی قبول ہو یا نہ ہو۔ مگر یہاں ہر قدم پر دو حجوں کا اور دو عمروں کا ثواب بطور انعام کے شرطیہ ملتا ہے جیسے تبت سنو یا ٹوتھ پیسٹ خریدنے پر ایک کلنڈر مفت ملتا ہے۔

(۳) زیارت جناب امام حسین علیہ السلام۔ بسند موثق روایت ہے کہ فرمایا زیارت کرنے والا روضہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا چالیس برس آگے سب لوگوں سے داخل بہشت ہوگا۔ اور لوگ مرقف

میں مشغول ہو رہے گے حساب دینے میں۔ اور فرمایا کہ زیارت اُن حضرات کی
برابر ہے دس حج و دس عمرے کے۔ (تحفۃ العوام)

یہ لیجئے ابھی آپ تو حساب ہی دے رہے ہوں گے وہ بھی محض دوزخ میں جانیکے لئے اور ہمارے زوّار بھائی جا کر جنتوں پر قبضہ فرمالیں گے جس طرح جناب نقوی کے عہد کمشنری میں آگران سب نے ہندوؤں کے گھروں پر قبضہ کرلیا اور اچھے اچھے گھر لے لئے۔ اور یہ زیارت دس حجوں کے برابر ہے۔ اس کے ساتھ ہی دس عمروں کا ثواب گھاتے میں ملتا ہے۔

ان زیارتوں کی دعائیں طویل ہیں۔ ہم یہاں دلچسپی کے لئے امام صاحب العصر یعنی امام غائب یا شیعوں کے بارہویں امام کی دعائے زیارت نقل کرتے ہیں جسے نماز پڑھنے والے شیعہ حضرات بعد نماز کے پڑھا کرتے ہیں۔ اسے شیعہ بچوں کی نماز مولفہ فرمان علی سے نقل کیا جاتا ہے جو لکھتے ہیں (صفحہ ۳۰)

دیگر زیارتوں کے بعد قبلہ رخ ہو کر زیارت جناب صاحب العصر والزمان عجل اللہ فرجہٗ اس طرح پڑھے۔

السلام علیک یا صاحب العصر والزمان	اے دُنیا زمانے کے مالک سلام علیک
السلام علیک یا خلیفۃ الرحمٰن	اے اللہ میاں کے خلیفہ سلام علیک
السلام علیک یا امام الانس والجان	اے جن اور انس کے امام سلام علیک
السلام علیک یا شریک القرآن	اے شیعوں کا قرآن لادینے والے سلام علیک
السلام علیک یا قاطع الکفر والطغیان	اے سنّی مذہب کو ختم کرنے والے سلام علیک
السلام علیک یا دافع الظلم والعدوان	اور اُن کے ظلم اور دشمنی کو دفع کرنیوالے سلام علیک
عجل اللہ فرجک	اللہ آپ کو جلدی نکالے۔
وسھل اللہ مخرجک	اور آپ کا نکلنا آسان فرمائیے۔
السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ	سلامتی ہو آپ پر اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں بھی ہوں۔

(عربی دان حضرات اس ترجمے سے چراغ پا نہ ہوں کیونکہ یہ ترجمہ۔ آغا سلطان مرزا کی زبان میں ہوا ہے اور نہج البلاغہ کی طرح یہ عبارت بھی معمولی نہیں ہے۔

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ سارا ثواب صرف مستطیع حضرات کا حق ہے غریب شیعہ حجوں کا ثواب گھر بیٹھے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

گھر بیٹھے حج کی ترکیبیں

(۱) حدیث از عدۃ الداعی فرمایا آئمہ علیہ السلام نے کہ زیارت علماء کی یعنی دیکھنا علما کا محبوب بہتر ہے نزدیک خدا کے ستر طواف کعبہ سے اور بہتر ہے ستر حج و عمرہ مقبولہ سے بلند کرتا ہے حق تعالیٰ واسطے اُس کے ستر درجے اور رحمتیں کرتا ہے اس پر رحمت کو اور گواہی دیتے ہیں فرشتے کہ بہشت واجب ہوا۔

(ص ۴۷ زاد المعاد لحین حصہ اول)

اپنی پہلی فرصت میں کسی سیاہ عبا۔ سیاہ جبہ۔ سیاہ ٹوپی اور سیاہ جوتے والے مولوی کو ڈھونڈھ کر اس کا چہرہ بغیر ڈرے اور سہے ہوئے غور سے دیکھئے اور ستر حجوں کا ثواب لیکر گھر آئیے۔ بال بچوں کو دیجئے بزرگوں کو بخشئے اور جی چاہے تو محلے میں بٹوا دیجئے ہمارے ایسے بدنصیب ناصبی تو شاید ایک آدھ حج خریدنے کو بھی تیار ہو جائیں۔

(۲) مفضل بن عمر کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت امام جعفر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں دُرِ نجف ملاحظہ فرما کر فرمایا اے مفضل دُرِ نجف مومنین و مومنات کی سیر گاہ ہے۔ بے شمار دردوں کا علاج ہے۔ اس پر نظر کرنے سے درد کو سکون ہوتا ہے۔ اور جتنی بار اس پر نظر کی جائے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ عام حج و عمرہ کا نہیں بلکہ پیغمبروں و صلحا کے حج و عمرے یہ خدا کی مہربانی ہے کہ اسے سستا کر رکھا ہے ورنہ یہ اس قابل ہے کہ بہت گراں بکے۔ (تحفۃ العوام ص ۲۷۵)

پہلا نسخہ گو مفت کا تھا مگر اس میں تلاش کے علاوہ غلطی کا بھی احتمال تھا۔ کہیں کوئی مخالف مولوی اسی ہیئت کذائی سے نکل آیا یا آپ اصلی مولوی کی صورت دیکھ کر ڈر گئے تو لینے کے دینے بھی پڑ سکتے ہیں یعنی عذاب بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے دوسرا نسخہ ٹرائی کیجئے۔ بے خطر اور تیر بہدف ہے۔ ایک نگینہ دُرِ نجف کا خرید کر موٹی سی چاندی کی انگوٹھی میں نصب کروا لیجئے۔ جب حج کا ثواب درکار ہو اور وہ بھی پیغمبر دن کے

ساتھ والے حج کا انگلی اٹھائی اور گنبد دیکھ لیا۔ سخاوت کا موڈ آجائے تو دوست احباب کو دکھائے محلے والوں کو دکھایئے اور حج کا ثواب اتنا عام کر دیجئے کہ پھر اُدھر جانے کا کوئی نام ہی نہ رہے تا آنکہ جناب صاحب العصر ظہور فرمائیں اور خانہ کعبہ کو مسمار کر دیں۔ ماشاء اللہ سبحان اللہ۔

دیگر وسائل حج

انوار نعمانیہ میں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول خدا ہمارے پاس تشریف لائے۔ فاطمہ دیگ چڑھائے کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔ اور میں مسور کی دال صاف کر رہا تھا۔

فرمایا اے ابوالحسن سنو میرے کلام کو اور میں نہیں کہتا مگر بحکم خدا کہ نہیں ہے کوئی مرد جو اعانت کرتا ہے اپنی زوجہ کی گھر میں مگر بعدد ہر بال کے جو اس کے بدن پر ہے ثواب ملتا ہے۔ اور ثواب بھی ایک سال کی عبادت کا جس میں دن کے روزے شب کی نمازیں ہیں۔

اے علی! جو خدمت اہل وعیال میں تکبر نہ کرے تو خدا اس کے نام کو دیوانِ شہدا میں لکھے گا۔ اے علی! ایک ساعت خدمت عیال اندر مکان کے بہتر ہے ہزار سال کی عبادت سے۔ ہزار حج سے اور ہزار عمرے سے اور بہتر ہے ہزار بندے آزاد کرنے سے اور ہزار جہاد سے اور ہزار عبادت سے اور ہزار نماز جمعہ سے اور ہزار مشایعت جنازہ سے اور بہتر ہے اس کے لئے توریت و انجیل و زبور و قرآن پڑھنے سے۔

اے علی! نہیں خدمت کرتا عیال کی مگر صدیق یا شہید یا وہ شخص جس سے خدا ارادہ کرتا ہے بہتری دنیا و آخرت کا۔ (اصلاح الرسوم ص۸۳)

ذرا اس حدیث کے فوائد کا اندازہ فرمایئے۔ ایک گھنٹہ خدمت عیال سے ہزار حج ہزار عمرے ہزار جہاد۔ ہزار عبادت۔ ہزار نماز جمعہ کا ثواب مل جاتا ہے۔ اور قرآن و انجیل جیسی کتابوں میں وقت صرف کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ اسی لئے جناب امیر نے فرمایا کہ اپنے مذہب کو چھپاؤ۔ سب کو معلوم نہ ہونے دینا۔ ورنہ دوسرے

بھی یہ آسان نسخہ جان جائیں گے تو جس مصیبت میں ان کو پھنسا کر رکھا گیا ہے۔ مثلاً پانچ وقت کی نماز تیس دن کے روزے۔ اور اپنی محنت کی کمائی سے زکوٰۃ دینا بند کر کے تمہاری طرح سے آرام کرنے لگ جائیں گے۔ بیوی کی خدمت کر لی اور جنت کے حقدار ہو گئے تو پھر تمہارے مومن اور اُن کے مسلمان ہونے میں فرق کیا رہ جائے گا۔

مبادا ہمارے ناصبی بھائی مسجدوں کے چکر کاٹنے اور حج وغیرہ کے لئے قرعہ اندازیوں کے پھیر میں پڑنے سے باز نہ آجائیں۔ اور اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو جائیں کہ ان کا نام بھی دیوان شہداء میں لکھا جا سکتا ہے اور سید الشہداء نہیں تو شہید ثالث کا حشر نصیب ہو سکتا ہے (جن کو تالو سے زبان کھینچ کر مارا گیا تھا) یہ فائدے صرف شیعہ تبرائیوں کے لئے مخصوص ہیں۔

ہمارے ایک ناصبی کرم فرما کہتے ہیں کہ یہ حدیث اور اس کے فضائل صرف رسول اللہ کی چوتھی بیٹی فاطمہ کی خدمت سے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ حضرت علیؓ (جس کو رسول نے وصیت کی تھی کہ جب سب دنیا سمیٹنے لگیں تم آخرت کی فکر کرنا) اپنی دیگر ازواج کی خدمت چھوڑ کر دربار خلافت کی حاضری میں کیوں اپنا وقت ضائع کرتے۔

شیعہ مذہب کی چوتھی شاخ

زکوٰۃ:۔ یہ صرف شیعوں کو دی جانا چاہیئے۔ اگرچہ تلاش میں سالہا سال گزر جائیں

(تحفۃ العوام ص۔۔)

غالباً یہی وجہ ہے کہ اس فرقے کے لوگ بھیک مانگتے نہیں پھرتے اور یہ واقعی بڑی اچھی تعلیم ہے کاش مسلمانوں میں بھی یہ جذبہ ہوتا اور وہ اپنے محتاجوں کو در بدر پھرتے اور بھیک مانگتے نہ دیکھ سکتے۔

شیعہ مذہب کی پانچویں شاخ

جہاد:۔ اس زمانے میں نہیں ہے کیونکہ امام زمانہ بحکم خدا غائب ہیں۔ اور شرط جہاد کی یہ ہے کہ امام کے ہمراہ یا امام کے حکم سے کافروں سے جہاد کرے ورنہ جائز نہیں۔

(تحفۃ العوام مقبول ص ۳۲)

اماموں کے حکم سے ہمارے شیعہ بھائیوں نے جو جہاد کئے اُن کا ذکر مجملاً باب الامامت میں آپ دیکھ چکے۔ مولا علی کے ساتھ صفین میں شریک ہوئے اور بغاوت کر بیٹھے۔ حضرت حسن کے ساتھ ساباط میں چالیس ہزار کی تعداد میں جمع ہوئے۔ پھر ان کی جانماز کھینچ کر

نہیں اوندھا دیا۔ بھاگنے لگے تو ٹانگ کاٹ ڈالی۔ ان کو عار المومنین و مذل المومنین کے خطابات
دیے۔ ان کی اولاد کو امامت سے محروم کر دیا اور ان کا نام لینا بھی باعثِ عار قرار دیا۔
حضرت حسین کو خط لکھ لکھ کر کوفہ بلایا۔ وہاں ستر آدمیوں کو ستر ہزار سے بھڑا کر تماشہ
دیکھا اور دنیا کو دکھلایا۔ اب بیچارے امام غائب کو ڈھونڈ رہے ہیں اور بلا رہے ہیں
جو اپنی جان کے خوف سے بارہ سو سال سے چھپے چھپے پھر رہے ہیں۔ اللہ جانے
ان کا کیا حشر کرنے والے ہیں۔ ارادے تو بے شک خطرناک ہیں۔

مگر یہ مسئلہ ہر مسلم حکومت اور عام مسلمانوں کے سوچنے کا ضرور ہے کہ اگر پاکستان
کو کوئی وقت پڑا اور جہاد کی ضرورت ہوئی تو ہمارے ان بھائیوں کا موقف کیا ہوگا۔
اور حکم کی موجودگی میں وہ کوئی مالی جسمانی یا اخلاقی ہمدردی کر سکیں گے یا نہیں۔ اور نہ
کریں گے تو کیا صورت ہوگی ان سے کیا امید کی جا سکتی ہے۔

مذہب کی چھٹی شاخ خمس:۔ احادیث معتبرہ سے ثابت ہے کہ جس کسی
مال میں خمس کی شرطیں پائی جائیں۔ اُس کا پانچواں
یعنی خمس خاص سادات بنی ہاشم کو دینا واجب ہے۔

... اشیاء خمس حسب ذیل ہیں۔ مال غنیمت یعنی لوٹ کا مال جو کفار
سے یا اُن مسلمانوں سے ہاتھ آئے جن مسلمانوں نے امام علیہ السلام
یا شیعان اثنا عشری پر خروج کیا ہو (تحفۃ العوام ص۲۳۶)

یعنی سنیوں کا مال لوٹ لینا اور اُس کا پانچواں حصہ سادات بنو ہاشم کو دینا
واجب ہے۔ چنانچہ اسکندر مرزا کے زمانے میں بڑے بڑے مرثیہ گو شاعروں اور دیگر بزرگوں
کی اسکیم کے تحت ہندوستان سے بلا کر آباد کیا گیا تھا۔ یہاں دلچسپی کے لئے اس اعتراض
کا جواب نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔ (شمس الضحیٰ ص۲۷۴)

یہ سنت الٰہی تو قدیم سے جاری ہے۔ دیکھئے توریت میں لکھا ہے
کہ خداوند تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اب فرعون تم کو جانے دیگا
ہر ایک تم میں سے اپنے پڑوسی قبطی سے مال اسباب۔ سواری۔ زیورات۔
پوشاک عید کے بہانے سے عاریتاً مانگ لے۔ میں اُن کا دل ملائم کر دونگا
اور وہ تم کو دے دیں گے۔ تم وہ مال لیکر چلدینا تو پھر شیعہ بھی ایسا کریں تو
متابعت حکم الٰہی ہے۔

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ مجتہد صاحبان قرآن اور حدیث پر تو ایمان نہیں رکھتے مگر توریت و انجیل کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ اور حوالے ڈھونڈتے ہیں۔ یہی حال اماموں کے احکام کا ہے اور یہی جناب امیر کی بھی خصوصیت بتائی گئی ہے یعنی یہودی کو توراۃ سے اور نصاریٰ کو انجیل سے قائل کرتے تھے اور قرآن کے بارے میں کہتے تھے۔ ہم خود قرآنِ ناطق ہیں۔ کیا اِس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ مذہب عبداللہ بن سبا کا تیار کردہ ہے جو یہودی تھا۔ اسی لئے یہودیت اس پر آج تک غالب ہے۔ ورنہ قرآن نے یہودیوں کے اس فعل کی صریح مذمت فرمائی ہے۔ آل عمران ۷۵

شیعہ مذہب کی ساتویں شاخ

امر بالمعروف: یعنی حتی الامکان لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دینا اور احکام شرعیہ جس قدر معلوم ہوں تعلیم کرنا۔ اور پند و نصیحت کرنا (تحفۃ العوام ص۳۲)

اِن احکام کو پہلے اماموں سے سُنئے۔ شیعہ سنی میں آپس میں شادی بیاہ کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں:۔

(۱) وسایل الشیعہ میں درج ہے فضیل نے پوچھا امام باقر علیہ السلام سے کہ ناصبی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ فرمایا واللہ نہیں حلال ہے فضیل کہتے ہیں کہ دوبارہ میں نے پوچھا کہ میری جان فدا ہو آپ کیا فرماتے ہیں اُن سے نکاح میں۔ فرمایا کہ نکاح یہودیہ و نصرانیہ کا محبوب تر ہے میرے نزدیک نکاح ناصبیہ سے (اصلاح الرسوم ص۹۸)

(۲) فضیل بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ زنِ مومنہ کا نکاح ناصب سے کردوں فرمایا نہیں اس لئے کہ ناصب کافر ہے اور فرمایا جناب صادق علیہ السلام نے کہ نکاح کرو شکاک میں اور نہ دو لڑکی انہیں پس عورت اخذ کرتی ہے ادب کو اپنے شوہر سے۔ اور وہ قہر کرتا ہے

(اصلاح الرسوم ص۹۸)

ہم نے اڈیٹر بیّنات کراچی کا عطا کردہ لقب ناصبی اپنے اور عام مسلمانوں کے لئے بار بار استعمال کیا ہے۔ ناظرین کو غالباً اشتیاق ہوگا کہ یہ آخر ہے کیا چیز جس

ے بعض لوگ آپس میں ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں اور بعض اُس کا بُرا نہیں مانتے ہم نے اِسی لئے اسے اب تک معرض التوا میں رکھا تھا اب مجتہد صاحب سے بزبان آئمہ اظہار سخنے، جنھوں نے ناصب کو کافر بتایا ہے اور شیعوں کو اُن کی لڑکی لینے اور ان کو دینے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ نجس ہوتے ہیں۔

ناصبی کی شیعہ تعریف

ناصبی وہ ہے جو غیر امیر المومنین کو اُس جناب پر فضیلت دے اور وہ ہے جو جبت و طاغوت یعنی صنمی قریش کو امام و پیشوا جانے (یہ خلفائے ثلاثہ کی تعریف ہے جن کو خلیفہ ماننے والے ناصبی ہیں) اور وہ ہے جو شیعان اہل بیت سے نصب عداوت کرے بوجہ اس کے کہ وہ اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں (جی ہاں اسی محبت سے جس کی تفصیل آپ پڑھ رہے ہیں) اسی وجہ سے بعض علما کل مخالفین کی نجاست کے قائل ہیں (اصلاح الرسوم ص۹۵)

یہاں کل مخالفین سے مراد سب سنی ہیں جن میں ملّا صاحبان بدایونی اور نعمانی بھی شامل ہیں یعنی عباسی صاحب اور مستشرقین کی بے لاگ تحقیق کو اعتبار کا درجہ دینے والے حمید اللہ کو ناصبی کہنے سے بھی ان کی نجاست کم نہیں ہوتی۔ واضح رہے کہ آپ کی فقہ میں کتا سور اور مردار نجس ہیں انسان نجس نہیں ہوتے۔

ایک دوسرے مجتہد صاحب اس سے زیادہ وضاحت فرماتے ہیں:۔

اصلی نام فرقہ مخالفین کا ناصبی ہے۔ دو اعتبار پر اوّل یہ کہ ناصب عداوت اہلِ بیت ہیں۔ دوسرے ناصب خلیفہ بہ ناحق۔ اور یہ فرقہ نواصب جن کا لقب اہلِ سنت والجماعت ہے اس طرح منشعب ہے۔

اوّل قاسطین۔ عثمان، ابوسفیان۔ یزید۔ مروان و معاویہ کو فضیلت دینے والے۔

دوم ناکثین۔ طلحہ و زبیر و حضرت عائشہ کا گروہ جو علی سے لڑا۔

سوم۔ مارقین۔ اس میں چوبیس فرقے ہیں جن میں بیس قدیمی ہیں اور چار جدید فرقے وہابیوں کے۔ شیعہ ان ہی کو خوارج کہتے ہیں۔ اور یہ تینوں نام نواصب یعنی سنیوں کے بہتر فرقوں پر حاوی ہیں۔ جن میں تفضیلیہ۔ معتزلے

سب شریک ہیں کیونکہ سب متخلفین ثقلین ہیں۔ پس کافر ہیں۔ اور تبرا اُن پر لازم ہے۔ (شمس الضحیٰ بجواب اظہار الہدیٰ ص۱۵۱)

غالباً اس سے ہر پڑھنے والے کو اپنا اپنا مقام خود معلوم ہو گیا ہوگا۔ مجتہد صاحب نے تفضیلیوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ جو کہتے ہیں کہ علی دیگر خلفا سے بہتر تھے۔ یہ مسلک بدایونی نے نظام حیدر آباد کو بتلایا تھا۔ مگر افسوس اس سے بھی سرخروئی نہ ہوئی نجس نجس ہی رہا۔ بلکہ نجس تر ہو گیا کہ نہ اپنے ہی پوچھیں اور نہ غیر منہ لگائیں از یں سو رانده وزاں سو درمانده

سُنّی جنازے کی شرکت

فرمایا حضرت امام جعفر صادق نے کہ چل آگے جنازہ مومن کے اور نہ چل آگے جنازے مخالف کے پس آگے جنازۂ مومن کے ملائکہ جلدی کرتے ہیں اُس کو جنت کے لیجانے میں۔ اور آگے جنازہ مخالف کے ملائکہ جلدی کرتے ہیں اُس کو جہنم لے جانے میں۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ نہ چل آگے جنازہ مخالف کے کہ ملائکہ عذاب انواع عذاب سے اس کے آگے رہتے ہیں (اصلاح الرسوم ص۲۶۰)

غالباً یہاں مخالف اور اس کی ضمیر کو ناظرین پہچان گئے ہوں گے۔ اور اپنا مقام سبائی مذہب میں بھی سمجھ گئے ہوں گے۔ اماموں نے موت اور زندگی میں مخالفوں کے ساتھ سلوک بتلا دیا ہے۔ اب بھی بدایونی قماش کے ملاؤں کے ورغلانے سے اتحاد کی امید لگائے رکھنے والے کے لئے کیا کہا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول سنا دوں جو اسی قوم کے لئے نازل ہوا ہے۔

"اے ایمان والو! تم ان کے ساتھ میل جول مت بڑھاؤ۔ وہ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ وہ تمہاری تباہی کی تمنا رکھتے ہیں۔ واقعی بغض ان کے چہروں سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے۔ ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو۔ مگر تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو جو تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہارے قرآن کے منکر ہیں۔ جب یہ لوگ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں تو مارے غصے کے اپنی انگلیاں

کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم مرجیو اپنے غصہ میں۔ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی بات جاننے والا ہے۔ (آل عمران ۱۱۶ تا ۱۱۹)

ہم نے وہ مشہور احکام عمداً حذف کر دیئے ہیں جن میں کسی کو عمر بنا کر یا اُن کی شبیہہ بنا کر بے حرمتی کی جاتی ہے۔ یا کسی سنی لڑکی کو پکڑ کر حضرت عائشہ کے نام سے ایذا پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح شہادت خلیفہ ثانی کے دن جشن مناتا اور سنیوں کو نجس کھلاتا پلاتا وغیرہ لکھا ہوا ہے۔ وہ کتابیں آج کل قابلِ قبول نہیں رہی ہیں ان کی صداقت سے انکار کیا جانے لگا ہے۔ کیونکہ وہ مُردہ مجتہدوں کی کتابیں شمار ہوتے

شیعہ مذہب کی اٹھویں شاخ

نہی عن المنکر یعنی جہاں تک ہو سکے لوگوں کو بری باتوں سے منع کرے اور عذاب خدا سے ڈرائے۔ (تحفۃ العوام ص۲۲)

بدعت سے روکنا

بدعت دین اسلام میں بدترین معاصی سے ہے اور امتیاز شیعہ سنی اسی طرح ہوا ہے کہ شیعہ حسب ارشاد آئمہ علیہم السلام کے عمل کرتے ہیں اور سنیوں نے اپنا ہاتھ صاحبعت سے ان حضرات کے اٹھالیا ہے۔ اپنی عقلہائے نحیف سے دین میں بدعتیں کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور ہمارے آئمہ علیہ السلام اس کی مذمت کرتے آئے ہیں۔ مجلسی علیہ الرحمۃ نے حدیث مذمت بدعت میں بہ آواز بلند تکبیر و تہلیل کرنے کے طریقے جو صوفیوں نے ایجاد کئے ہیں اور شارع سے وارد نہیں ہیں اس کو اچھا سمجھ کر عبادت کرنا بدعت فرمایا ہے (اصلاح الرسوم ص۳۲۱)

دیکھئے اِس مذہب میں بھی بدعت کی بڑی مذمت کی گئی ہے۔ یعنی بہ آواز بلند اللہ اکبر کہنا اور لا الٰہ الا اللہ کی تکرار کرنا بدعت ہے۔ اللہ اکبر کی جگہ۔ جس سے ہمارے سپاہی بھائیوں کے دل لرز جاتے ہیں یا علی کہا کرو۔ جو نہایت نرم لہجے میں بولا جاسکتا ہے اور سماعت پر بار نہیں گزرتا۔ اسی طرح کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تکرار کا کیا فائدہ۔ کسی کو پڑھنا ہی ہو تو دل میں پڑھے لیکن اگر اس کے بدلے "علی ولی اللہ وصی الرسول اللہ" کہے تو کتنا بھلا معلوم ہو۔ اس سے سنت نبوی بھی ادا ہو جاتی ہے۔ خدا بھی خوش ہوتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر فائدہ یہ ہے کہ جناب مشکل کشا خوش ہو جاتے

ہیں جو آپ کے کام بنا سکتے ہیں۔ اسی لئے مجلسی علیہ ما علیہ نے تکبیر و تہلیل کو بدعت کہا ہے

دوسری چند بدعتیں

(۱) بحار الانوار جلد سیزدہم میں ابوہاشم جعفری سے منقول ہے کہ میں ایک روز جناب امام حسن عسکری کے پاس بیٹھا تھا کہ فرمایا اُس جناب نے کہ جب قایم علیہ السلام ظہور فرمائیں گے تو حکم دیں گے مینار بلند مساجد کے گرانیکا کیونکہ وہ جدید ہیں اور یہ بدعت بنائی گئی ہیں، نہیں بنایا ان کو کسی نبی نے اور نہ کسی حجتِ خدا نے (اصلاح الرسوم ص ۳۲۴)

(۲) فرمایا امام محمد باقر نے کہ پہلے جس امر میں قایم ابتدا کریں گے وہ سقوف مسجد ہیں پس توڑیں گے ان کو اور حکم کریں گے عریش بنانیکا مثل عریش موسیٰ کے۔ اور عریش چھپر ہے درخت خرما کے پتے والی ڈالیوں کا (اصلاح الرسوم)

(۳) اور دوسری حدیث میں فرمایا امام محمد باقر نے کہ جب قایم علیہ السلام ظاہر ہوں گے۔ تو نہ باقی رہے گی کوئی مسجد جس میں کنگرہ ہوگا۔ مگر وہ جناب اس کو گرا دیں گے۔ (اصلاح الرسوم ص ۳۲۵)

یعنی جناب قایم کو زحمت دینے کے لئے لوگ بڑی بڑی مسجدیں بنالیتے ہیں اور اُن میں اونچے اونچے مینار بناتے ہیں حالانکہ یہ سب بدعت ہیں امام مہدی جب آئینگے تو پہلے سب اونچے مینار توڑیں گے۔ پھر مسجدوں کی چھتیں توڑ ڈالیں گے۔ اور کہیں گے کہ ان پر چھپر ڈالو جیسا موسیٰ نے ڈالا تھا۔ کہ جیسا رسول اللہ نے مسجد نبوی میں ڈلوایا۔ لیکن جن مسجدوں میں مینار اونچے نہ ہوں گے بلکہ گنبد نما قبے ہوں گے انھیں باقی رکھا جائیگا چنانچہ اب جب گزر ہو تو دیکھئے گا کہ شیعہ مسجدوں کے مینار بلند نہیں ہوتے بلکہ گنبد بنائے جاتے ہیں۔ مجھے بھی اس سے پہلے یہ مابہ الامتیاز فرق معلوم نہ تھا

شیعہ مذہب کی نویں شاخ

تولّا:۔ یعنی اہل بیت طاہرین علیہم السلام اور ان کے دوستوں سے دوستی رکھنا (تحفۃ العوام ص ۳۲)

اس تولا کا حکم اللہ تعالیٰ نے بھی دیا ہے۔ رسول نے بھی دیا ہے اور اماموں نے

بھی اس کی بڑی اہمیت بتائی ہے حتی کہ اِس کے جواز میں کلمۂ لا اِلٰہ اِلا اللہ بھی پیش کیا جاتا ہے جو نصف تبرا اور نصف تولا کا کام دیتا ہے۔ ہم اس کا ذکر امام معصوم حضرت حسین کے تحت کر چکے ہیں، یہاں اللہ میاں کا حکم سنیے جو آپ کے قرآن میں نہیں البتہ اس قرآن میں تھا جو حضرت علی نے جمع کیا تھا پھر تلف کر دیا۔ اصل عبارت دیکھنا ہو تو ظہور جناب قایم آل محمد کا انتظار فرمائیے البتہ ترجمہ چاہئے تو وہ یہاں پیش ہے۔

جو شخص جانتا ہو کہ میں خدائے واحد ہوں۔ اور محمد میرا بندہ ہے اور رسول ہے اور علی میرا خلیفہ ہے اور آئمہ اُس کی اولاد میں سے حجت میری ہیں تمام مخلوقات پر اس کو میں بہشت میں داخل کروں گا۔ اور جو شخص میری توحید کا اقرار نہ کرے یا توحید کا اقرار کرے مگر علی کے خلیفہ ہونے کی شہادت نہ دے یا اماموں کی شہادت نہ دیوے پس تحقیق اُس نے میری نعمتوں کا انکار کیا اور میری عظمت کو حقیر جانا اور صغیر جانا اور میری آیتوں اور کتابوں سے انکار کیا اور کفر اختیار کیا۔

(مناقب مرتضوی ص۱۹۰ بحوالہ فردوس اخبار دیلمی جلد دوم ص۳۶۲)

دیکھئے تیور تو اس عبارت کے یہی بتلا رہے ہیں کہ اللہ کا کلام ہے اور اگر نہ مانئے تو اللہ کے بیٹے کا ہوگا اور اللہ کے بیٹے کا نہیں تو موجد رفض جناب عبداللہ بن سبا کا ضرور ماننا پڑے گا ورنہ اللہ تعالےٰ سمجھ لیگا کہ آپ نے کتابوں سے انکار کیا اور کفر کیا ہے۔

اور دیکھنا یہ ہے کہ اللہ میاں کے اس حکم کی تعمیل ہوئی یا نہیں اماموں کے صحائف سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دن تعمیل ہوئی پھر لوگ بھول گئے۔ اس کی تفصیل سُنئے

جلد نہم بحار الانوار میں انس سے مروی ہے کہ بعد جنگ خیبر کے لوگ اپنے فرزند کو اپنے شانے پر لیکر گزرگاہ امیر المومنین پر کھڑے ہوتے تھے اور جب حضرت کو دیکھتے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے کہ اے فرزند اس شخص کو دوست رکھتا ہے پس اگر وہ ہاں کہتا تھا تو اُس کو فرزندی میں قبول کر لیتے اور نہیں کہتا تھا تو اس کو زمین پر پھینک دیتے تھے کہ اپنی ماں سے جا کر مل (اصلاح الرسوم ص۲۴)

گویا اس طرح بچے کے حرامی ہونے کا پتہ چل جاتا تھا اور باپ اس کی پرورش کی ذمہ داری سے بری ہوجاتا تھا۔ ہمارا خیال ہے انھوں نے مصریوں سے یہ ترکیب سیکھی ہوگی جو بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کر کے اُن کی نسل ختم کرنا چاہتے تھے اور یہاں یہ خوبی تھی کہ وہ کام خود باپ سے کرواتے تھے جو حکومت کو کرنا پڑتا ہمیں یقین ہے کہ ان کے زیرک وچالاک بزرگ بھانپ گئے جب ہی بعد ولِ حکمی شروع کر دی یعنی امتحان کی رسم ختم کردی۔ اور ولد الزنا (حرامی بچوں) کو پالنے میں کوئی حرج نہ پایا۔ یہ غالباً متعہ کی سہولت حاصل ہونے کے بعد محسوس ہوا۔ جب بچے گلی گلی پھرنے لگے اور عورتوں نے سر منڈھنا شروع کر دیا۔

رسول اللہؐ پر مظالم آغا صاحب نے رسول اور اہلِ بیتِ رسول پر خلفاء اور اُن کے ماننے والوں کے مظالم پر تقریباً دو ہزار صفحے سیاہ کئے ہیں۔ اور یہ سارا مواد نہایت مستند اور باوثوق شیعہ کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔ جو تیرہ سو سال سے فضلۂ گوبہ کی طرح چھپا چھپا کر رکھا گیا تھا۔ جہاں کسی نے اس کو کریدنے کی کوشش کی عفونت پھیلی اور شور مچا بند کرو، بند کرو۔ اس لئے کبھی منظرِ عام پر نہ آسکا مگر آغا صاحب نے بڑی جسارت سے اسے دو جوالوں میں چُن کر پیش کر دیا ہے۔ البتہ اوپر لگے ہوئے لیبل سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تبرکات صرف تولائیانِ اہلِ بیت کے لئے مخصوص ہیں لیکن ہم نے اِس میں سے ایک مٹھی بھر بلا اجازت نکال لیا ہے۔ آئیے دیکھئے یہ کیا کیا ہضم کر جاتے ہیں۔ آپ سے برداشت نہ ہو تو تھوک دیجئے گا کہتے ہیں کہ:۔

> جب حالات یہاں تک پہنچے اور زمانہ رحلتِ رسول نزدیک آگیا تو آنحضرتؐ نے سوچا کہ اس مخالف جماعت کے بڑے بڑے اراکین میری رحلت کے وقت مدینہ سے دور ہوں گے اور بوجہ دوری کے اپنے منصوبوں کو عمل میں نہ لا سکیں گے۔ تو ممکن ہے کہ علی کی حکومت دخلافت قائم ہوجائے اور اس طرح اُمت کو صراطِ مستقیم پر چلانے والا ہادی بغیر رکاوٹ مِل جائے لہٰذا جس دن مرض الموت شروع ہونے والا تھا اس سے ایک دن پہلے آپ نے جیش

اُسامہ مرتب فرمایا۔ اور اس میں تمام صحابہ کو بہ استثنا حضرت علی و بنو ہاشم
شامل ہونے کا حکم دیا۔ مدعا یہ تھا کہ جب آپ رحلت فرمائیں اور خلافت کے
قیام کا وقت آئے تو وہ لوگ جو حضرت علی کے مخالف تھے اور خود مسند
حکومت کی خواہش رکھتے تھے مدینہ میں موجود نہ ہوں۔ لیکن (افسوس) وہ
تو پہلے ہی سے اِس وقت کی اُمید لگائے بیٹھے تھے۔ وہ کیونکر مدینہ چھوڑ سکتے
تھے۔ آنحضرت کی بار بار کی تاکید اور اصرار کے باوجود نہ گئے۔

(ص ۱۹۹ البلاغ المبین حصہ اوّل)

یعنی رسول اللہ کی (نعوذ باللہ) آخری تدبیر بھی حضرت علی کے لئے راستہ ہموار کرنے کی
فیل کرادی۔ کس قدر دل گرفتہ اور مایوس ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہوں گے (نعوذ باللہ)
آغا صاحب کو یہ سب بلا تقیہ تولائے اہل بیت میں لکھنا پڑا ہے ناصبیوں کے لئے جائز نہیں
کہ اس میں کسی طرح کی توہین رسالت یا ہتک نبوت محسوس کریں۔
سابق شش پنج ہونے کی وجہ سے آغا صاحب جو بات کہتے ہیں گھما پھرا کر اُسے طویل
کر دیتے ہیں اس لئے ہم زیادہ نمونے پیش نہیں کر سکتے۔ البتہ ایک نگران مظالم کا لکھے کا بڑا جی
چاہتا ہے جو رسول کی رحلت کے بعد ان کے گھر والوں پر ہوئے۔ یہ بے حد دلچسپ بھی ہیں
اور بالکل نئے بھی کیونکہ ہم تو مسلمان گھر میں پیدا ہو کر بھی اپنے پیارے رسول کے یہ حالات معلوم
نہ ہو سکے تھے۔

(۱) فوراً تو اُمت پیدا نہیں ہوتی۔ ورثے میں ملا ہوا ترکہ اس پر حرام ہو گیا
اب وہ بیچارہ پیغمبر کیا کرے کافروں کے محلے میں جا کر گداگری کرے اور
اُن کے خداؤں کو برا بھلا بھی کہے۔ تو کافر اُسے بھیک کیوں دیں گے۔
وہ تو چاہیں گے کہ کل کا مرتا آج ہی مرجائے۔ عجیب صورت ہے اُمت
ہے جو نذرانہ نہیں دیتی کافر بھیک نہیں دیتے۔

آغا صاحب اُس حدیث کو جھٹلانے کے لئے نقشہ کھینچ رہے ہیں جو حضرت ابو بکرؓ نے
حضرت فاطمہ کو سنائی تھی "ہم گروہ انبیا نہ کسی سے میراث لیتے ہیں نہ ہم سے کوئی میراث
پاتا ہے"۔

"اس حدیث کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر کے مرتے ہی اُس کے مال و متاع

کی تو امت مالک ہو گئی مگر اُمت پر یہ فرض نہیں کہ اُس کے بچوں کی پرورش کرے۔ پیغمبر کے لئے اجازت ہے کہ بیویاں کرے، سلسلہ تناسل جاری کرے۔ لونڈیاں رکھے۔ ہر ایک عورت سے بچے پیدا ہوں تو ۲،۲ یا ۳،۳ بچے تو ہوں گے کچھ بچے صغیر سن کچھ قریب بلوغت کے پیغمبر کا انتقال ہوتا ہے شام کو یہ چیں تیس خدا کے بندے گھر بار لٹا کر سڑک پر پڑے ہوئے روٹیوں سے محتاج اُمت کی جان و مال کو پیغمبر کی روح کو دعا دیتے ہوئے صبح کرتے ہیں کسی نے روٹی ڈال دی اور دستگیری کی تو جان بچی ورنہ موت تو سامنے کھڑی ہے۔ یہ ہے اس حدیث کا نتیجہ۔ (البلاغ المبین حصہ دوم ص ۲۴۷)

کون سچا مسلمان اس بدتمیز و بدگو مصنف کی ہمنوائی کرکے پیغمبر کی روح کو دُعا دے سکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ اتنی بہت سی شادیاں کیوں کیں۔ لونڈیاں کیوں رکھیں اور ان سے ڈھیر بھر بچے کیوں پیدا کئے۔ جب ایسی حدیث کہا تھی۔ جس سے وہ ورثے سے محروم ہو گئے۔ پھر لطف کی بات تو یہ دیکھئے کہ بجائے اُن سب کو اُمت کے حوالے کرنے کے رافضیوں کے سر تھوپ گئے۔ جنھوں نے بجائے روٹی ٹکڑا ڈالنے کے ان کو دیکھ دیکھ کر رونا اور سر پیٹنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ سب وہیں سڑک کے کنارے بھوکوں مر گئے اور دنیا کو ان کا نام و نشان بھی معلوم نہ ہو سکا۔ اب انہی رافضیوں کی اولاد سازی ذمہ داری اُمت پر ڈال کر اپنی جان کو روتی ہے۔ نعوذ باللہ خدا کی مار ہو ان خبیثوں پر جو بے سوچے سمجھے سب کچھ لکھ جاتے ہیں اور اُسے دنور محبت اور تولا کہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں کیسی ناپاک گستاخیاں کر رہے ہیں۔

حضرت علی پر مظالم آغا سلطان مرزا نے البلاغ المبین میں حضرت علیؓ پر حسب ذیل مظالم کی سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔

۱۔ حضرت علی کی خلافت مورد غصب کر لی گئی۔

۲۔ حضرت علی کی امامت تسلیم نہیں کی گئی۔

۳۔ حضرت علی کے القاب پر قبضہ کر لیا گیا۔ مثلاً "صدیق" حضرت ابوبکر نے لیا۔ "امیر المومنین" پر حضرت عمرؓ نے قبضہ کر لیا۔ "سیف اللہ" حضرت خالد بن ولید کو دیا گیا۔ سید الشہدا حضرت حمزہؓ کا خطاب ہوا۔

۴- حضرت ابوبکر نے فدک چھین لیا۔
۵- حضرت عمر نے خلافت پر ابوبکر کو نصب کرا دیا۔
۶- حضرت عمر نے علی کا حق حضرت عثمان کو دے دیا۔
۷- حضرت عمر نے علی کا گھر جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کیں۔
۸- حضرت عمر نے علی کے گلے میں رسی ڈال کر دربار خلافت میں بلایا۔
۹- حضرت عمر نے لات مار کر سقط محسن کیا۔

اور ان سب مظالم پر جناب امیر نے محض صبر فرمایا۔ نہ تلوار اٹھائی نہ شور مچایا نہ دہائی دی اور کہہ دیتے مشکل کشا جو ٹھہرے ان کی مشکل کشائی کون کر سکتا تھا۔ البتہ فرماتے ہیں کہ ایک خطبہ شقشقیہ شیعوں کو دے گئے تاکہ قیامت تک آپ پڑھ پڑھ کر رو یا کریں۔ اور جناب امیر کے دشمنوں پر تبرا یعنی لعنت بھیجتے رہیں۔ جس کی تعمیل کی جا رہی ہے۔ شقشقیہ کے معنے آغا صاحب بتلاتے ہیں اونٹ کے بلبلانے کے ہیں یعنی جب بوجھ زیادہ لاد دیا جاتا ہے تو اونٹ احتجاج کر لیتا ہے۔ چنانچہ جناب امیر نے بھی صرف احتجاج ہی پر اکتفا فرمایا۔

۱۰- لیکن شیعہ کتب پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جناب امیر کی ایک اور چیز بھی غصب فرمائی تھی جس کا ذکر کرتے ہوئے آغا صاحب جیسے ڈھیٹ اور بے باک مصنف کو بھی شرم آ گئی ہمیں امید ہے کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں البلاغ المبین کی تیسری جلد اسی بحث پر تالیف فرمائیں گے اور ہم جیسے کور باطنوں کا ایمان تازہ فرما دیں گے۔

یہ دسویں چیز ایک حدیث میں مروی ہے۔ فرمایا جناب صادق علیہ السلام نے هُوَ اَوَّلُ فَرْجٍ غُصِبْنَاهُ ۔ یعنی یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے غصب ہوئی۔

یہاں پہلی شرمگاہ سے خدا را یہ نتیجہ نہ نکالئے گا کہ ایسے واقعات اہل بیت اطہار پر ہمیشہ ہوتے رہے جن میں اولیت اس واقعہ کو حاصل ہے۔ یہ محض سبائی خباثت کا ایک نمونہ ہے جو اسلام کو بدنام کرنے کے لئے امام کے منہ سے کہلوایا گیا ہے۔ اور صاف بتلا رہا ہے کہ حدیثیں بنانے کا ہنر کوفی تہہ خانوں میں کس قدر ترقی کر چکا تھا۔

ہمیں اس ذلیل بحث پر لب کشائی کرتے شرم محسوس ہوتی ہے۔ مگر سبائی جھوٹ اور افترا کا جو امام زادیوں پر باندھا گیا ہے طشت از بام کرنا اور ان کے فریب تو لگا کا بھانڈا پھوڑنا چونکہ ہم نے اپنا مذہبی فریضہ قرار دے لیا ہے۔ اس ناپاک حدیث کی

تفصیل ہم آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ تاکہ ان کے دل و دماغ کا گوشہ گوشہ عریاں ہو جائے۔

آغا صاحب نے اس حدیث اور اس سے متعلقہ روایتوں کو عمداً نظر انداز کیا ہے جس کی وجہ ظاہر ہے۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آج کل کے تعلیم یافتہ شیعوں کے سامنے یہ روایات بالکل پیش نہیں کی جاتیں۔ پہلے ایک مجلس امام حسین کا سین دیکھئے۔

"اور بیٹیاں لینے پر خیال نہ کرو۔ بیٹی لینا اور بات ہے۔ اور بیٹی دینا اور بات ہے کیا لونڈی باندی گھر میں نہیں ڈالی جاتی۔ پر دیتے اسی کو ہیں جس کی قرابت سے آنکھ نیچی نہ ہو۔ دامادی کا رشتہ بہت نازک ہے۔ یہ کم سنی کا حیلہ اہل سنت کو خوب ہاتھ آیا ہے اور جگہ بھی یہی تھی یعنی عقد ام کلثوم میں بھی یہی حیلہ گڑھا ہے یہ نئی بات ہے کہ یہاں کم سنی کو عقد کا مانع سمجھا۔ میاں اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور وہاں ڈھٹائی سے باز نہ آئے۔ نعوذ باللہ کجا ام کلثوم دختر سیدہ مظلوم اور کجا فرزند ضحاک نامعلوم۔ کجا دامادی ابوتراب اور کجا پور خطاب (قرآن السعدین ص ۲۳)

یہاں آپ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ہو گا۔ مولوی صاحب غصہ میں آگئے ہیں اور تبرا بھینک رہے ہیں۔ اہل مجلس سمجھ رہے ہیں اور لطف اٹھا رہے ہیں ہمارے جیسے جو بیٹھے ہیں حیران ہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کچھ سبائی مذہب کے اسرار الہیہ ہوں گے۔ جی نہیں یہ تبرائی اشارے ہیں۔ یہاں ہر ہر جملے پر سامعین کو اگر مخالفین موجود نہ ہوں تو بآواز بلند لعنت کہنا پڑتا ہے اور اگر ہوں تو آہستہ سے دل میں لعنت کہہ لینا فرض ہے۔ یہ بی بی فاطمہ سے نکاح کے ذکر کا ایک ٹکڑا ہے۔ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے بی بی فاطمہ کو شادی کی خواہش کی تو رسول اللہ نے انکار کر دیا۔ کیونکہ بیٹی دیتے اسی کو ہیں جس کی قرابت سے آنکھ نیچی نہ ہو۔ بیٹی لینے کی اور بات ہے۔ رسول اللہؐ نے کہہ دیا کہ فاطمہ کی عمر کم ہے تمہارے لئے موزوں نہیں۔ لیکن اب عمرؓ کی ڈھٹائی دیکھئے اسی بی بی کی بیٹی پر نظر ڈالی مگر نعوذ باللہ کجا ام کلثوم دختر سیدۂ مظلوم اور کجا ضحاک نامعلوم۔ یعنی شادی اور نکاح سے انکار کر دیا گیا۔ تو حدیث کا واقعہ پیش آگیا۔ یعنی امام جعفر صاحب نے فرمایا کہ

ہماری پردادی کی شرمگاہ زبردستی چھینی گئی تھی۔ استغفراللہ۔ لاحول ولا قوۃ۔

چنانچہ ایک روشن ضمیر شیعہ جمانِ مکروہات سے بیزار ہو کر اپنا مذہب بدلنے پر مجبور ہو گیا لکھتا ہے۔

ارذل عوام (یعنی کنجڑے قصائی) بھی اس قدر غیرت رکھتے ہیں کہ اگر کوئی ان کی بیٹی یا جورو کو بھگا لیجاوے تو ایسا لفظ زبان پر نہیں لاتے۔ اپنی بیٹی یا جورو کی نسبت شرمگاہ کے غصب کر لینے کا ذکر نہیں کرتے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ جناب امام جعفر صادق نے ایسا (رکیک) لفظ زبان سے نکالا ہو۔ اگر فی الواقعی یہ نکاح بجبر و اکراہ ہوا تھا تو امام کو مناسب تھا کہ فرماتے یہ نکاح بضرورت ہوا تھا۔ یا بجبر ہوا تھا۔ نعوذ باللہ استغفراللہ"

(آیات بینات ص۱۹۲ مطبوعہ کراچی)

دیکھئے اس مذہب کا بغض محض خلفاء پر ختم نہیں ہوتا۔ گالیاں دینے پر آئے ہیں تو نہ رسول کو چھوڑتے ہیں نہ اہل بیت کو۔ حتیٰ کہ حضرت فاطمہ اور علی کی جگر گوشہ اور پیاری بیٹی کو بھی بدنام کرنے سے نہیں چوکتے۔

اس سلسلے میں سبائی دروغ بافیاں دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس روایت میں نکاح سے انکار کیا گیا ہے۔ اس لئے پہلے چند انکاری روایات سنئے:۔

۱۔ حضرت عمرؓ نے ام کلثوم بنت ابوبکر سے حضرت عائشہ کی معرفت نکاح کرنا چاہا (کنزالمطاعن ص۳۳ بحوالہ معارف ابن قتیبہ ص۵۸)

۲۔ زید اور اس کی ماں امّ کلثوم جو زوجہ عمر تھی امیر معاویہؓ کے عہد میں ایک ہی دن فوت ہوئے۔ تاریخ داں حضرات پر ظاہر ہے کہ امّ کلثوم بنت علی شہادت حسین کے بعد اسیر ہو کر کوفہ و شام کے بازاروں میں تشہیر ہو کر مدینہ واپس آئیں (بحوالہ ازالۃ العین ص۹۲۷ کنز المطاعن ص۴۴)

یہاں پھر کوشش کی گئی ہے کہ دو امّ کلثوم ثابت کی جائیں۔ حضرت عمر کی بیوی جن کے لڑکے کا نام زید بن عمر تھا معاویہ کے عہد میں فوت ہو گئیں اور مع بچے کے فوت ہوئیں۔ مگر حضرت علی کی بیٹی شہادت حسین کے بعد بھی زندہ رہیں بلکہ حضرت زینب کے طلاق کے بعد ان کے شوہر سے نکاح کر لیا اور برسوں زندہ رہیں۔ مگر جناب گوشہ نشین صاحب مولف

کنز المطاعن کی بے حیائی ملاحظہ فرمائیے کہ اس طرح تاریخی حوالوں سے اس نکاح کا انکار کرنے کے بعد حسب ذیل روایت بھی درج فرماتے ہیں۔

۳۔ جب حضرت عمرؓ نے اُم کلثوم بنت علی کی خواستگاری کی اور حضرت علی نے عذر کیا کہ وہ صغیرہ ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے عورت کی حاجت نہیں ہے۔ میں صرف محمد کی طرف وسیلہ چاہتا ہوں۔ کیونکہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ کل نسبت اور سبب موت کے بعد قطع ہو جاتے ہیں۔ سوائے میرے نسب کے۔ تب حضرت علی نے چار ہزار درہم پر اُم کلثوم دختر فاطمہ کا عقد حضرت عمرؓ سے کر دیا۔ اُس وقت اُم کلثوم کی عمر چار یا پانچ سال تھی۔ اور حضرت عمرؓ کی تقریباً ساٹھ سال۔

پھر حضرت عمرؓ نے اُم کلثوم کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور اس کی چادر اس کے سر سے اُتاری۔ اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر پھیرا۔ اور اس کی پنڈلی کو برہنہ کیا اس پر اُم کلثوم نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور قریب تھا کہ حضرت عمر کے منہ پر طمانچہ مارے۔ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کو واپس کرو کیونکہ یہ زنانِ ہاشمیہ قریشیہ ہے (کنز المطاعن ص۳۲ بحوالہ مناقب السادات باب ششتم شرح خصاف)

گویا ان شیعہ مصنف کے نزدیک امام جعفر جھوٹے تھے جنھوں نے شرمگاہ کے غصب ہو جانے کی حدیث فرمائی۔ یہ شادی حضرت علی نے اپنی خوشی سے کی اور چار ہزار درہم مہر پر کی۔

اس پر طرفہ یہ کہ حضرت عمرؓ اُس کی اوڑھنی اُتار کر پنڈلیاں ننگی کرنے لگے اور خود حضرت علی بھی بیٹھے ہوئے دیکھتے رہے۔ استغفر اللہ ولعنت اللہ علی الکاذبین اور دعویٰ ہے کہ یہ سب کچھ اہل بیت کی محبت میں ان کی شان کم کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ انصاف نہ ہوگا اگر ہم اس مضمون پر خود ایک با ایمان شیعہ کی زبانی کچھ تبصرہ نہ سنائیں جو بے حد عبرتناک اور ایمان افروز ہے۔

حقیقت میں یہ بحث غور کے لائق ہے۔ حضرات شیعہ نے عبداللہ بن سبا کے زمانے سے لے کر جناب سید مرتضےٰ مؤلف تنزیہہ اثنا عشری تک اِس

معاملے میں کیا کیا رنگ بھرا ہے۔ اور کیسی کیسی توجیہات کی ہیں۔ کسی نے اس نکاح کے ہونے سے ہی انکار کیا ہے۔ کوئی اُمّ کلثوم کے بنت مرتضوی ہونے سے منکر ہے۔ کسی نے نکاح پر غصب کا اطلاق فرمایا ہے۔ کوئی ہم بستر ہونے سے منکر ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ جنیہ بشکل حضرت اُمّ کلثوم کے حضرت عمر کے پاس آتی تھی اور ہم خواب ہوتی تھی۔ کسی نے اس کو جناب امیر کے اعلیٰ درجہ کے صبر کا نتیجہ کہا ہے۔ کسی نے اس کو تقیہ پر ٹالا ہے۔ بہر حال ہر شخص کا جدا ترانہ ہے اور ہر مجتہد کا ایک نیا فسانہ ہے جس کے سننے سے فقط ہم ہی نہیں بلکہ ایک عالم محوِ حیرت ہے اور قابو سے باہر ہوا جاتا ہے۔

اہل انصاف اس فرقے کے تعصب و عناد کو دیکھیں اور اُن کی کج بیانی ملاحظہ فرمائیں۔ اگر ایک دن۔ ایک ہفتہ یا ایک مہینہ حضرت اُمّ کلثوم دختر حضرت علی و فاطمہ حضرت عمر کے نکاح میں رہتیں تو کسی کو خبر نہ ہوتی اور موقعہ انکار کا نکلتا۔ لیکن جب سالہا سال اُمّ کلثوم زینت افزائے خانہ فاروق رہی ہوں۔ اُن سے اولاد بھی ہوئی ہو۔ ان کے بیٹے کا نام زید بن عمر خطاب رکھا گیا ہو اور بعد وفات حضرت عمر کے ان کا نکاح محمد بن جعفر طیار سے ہوا ہو تو ایسے متواتر اخبار کون چھپا سکتا ہے۔ (آیات بینات ص ۱۹۸)

آگے لکھتے ہیں:۔ کافی میں ملا یعقوب کلینی لکھتا ہے کہ کسی نے امام جعفر صادق سے اس نکاح کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ھوا اول فرج غصبت منا یعنی یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم اہل بیت میں سے غصب ہوئی یعنی چھینی گئی"

افسوس جب علمائے شیعہ نے دیکھا کہ اس روایت سے انکار کرنا اور جھٹلانا مشکل ہے تو توجیہہ پر توجہ فرمائی۔ اور ابطال فضیلت پر کمر باندھی مگر ان کو دیکھنے سے ہر شخص مذہب تشیع سے نفرت کرتا ہے۔ اور ان کو سن کر ہر مسلمان کے دل میں غیرت کا جوش پیدا ہوتا ہے (ص ۱۷۳ آیات بینات)

"دین محمدی کو خراب کر چکے تو اہل بیت جن کی محبت کا دعوے کرتے ہیں اُن کو بھی رسوا کر دیا۔ ان کے فضائل کو بھی ایسی بے غیرتی کے کلمات سے منسوب کر کے معایب سے بدل دیا۔

"اور یہ سب محض ایک حضرت عمرؓ کی فضیلت سے انکار کرنے کے لئے
کیا کیا توجیہات کی ہیں۔ کیسے کیسے الزام اہل بیت پر دیے ہیں کچھ ہو اہل بیت
بدنام ہوں۔ ان کی بیٹیاں معصوم ٹھیریں یعنی اغوا کرلی جائیں۔ ان کے اولیا
دائمہ پر دقاحت کا الزام آوے۔ سب کچھ منظور اور قبول ہے مگر حضرت عمرؓ کی
فضیلت کا اقرار نہ کریں گے۔ حالانکہ نفس الامر یہی ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ
سے راضی اور حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے خوش تھے۔ دونوں ایمان و اخلاص میں
ایک دوسرے پر بھروسہ رکھتے تھے۔ اس لئے اپنی خوشی سے اپنی بیٹی کا
عقد حضرت عمرؓ سے کر دیا تو جھگڑا ختم ہے۔"

"لیکن مذہب تشیع کا بطلان کالشمس فی النہار کی طرح ثابت ہو جائیگا۔
اگر وہ مان لیں اور کوئی چارہ نہ رہے گا۔ سوائے اس کے کہ اپنا مذہب ترک
کریں۔ اور توبہ کریں۔ (آیات بینات ص ۱۹۰)

حالانکہ حضرت علیؓ کے دل میں حضرت عمرؓ کی جو منزلت اور محبت تھی اس کا اظہار مختلف مواقع
پر ان کی زبان سے ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کے جنازے پر کھڑے ہو کر کسی حسرت سے فرمایا تھا
کاش میرا نامہ اعمال بھی ایسا ہی ہو جیسا صاحب جنازہ کا ہے۔ ان الفاظ سے ان کی عقیدت کا
اظہار ہوتا ہے جو جناب فاروق اعظمؓ کی ذات سے ان کو تھی اور کیوں نہ ہوتی جب کہ فضائل و کمالات
اور خدمات جلیلہ کے اعتبار سے بعد حضرت صدیق اکبرؓ حضرت فاروقؓ ہی کا درجہ تھا بقول کسے

بعد محبوبِ خدا اور جناب صدیقؓ — ناشر دینِ خدا کے دوسرا یعنی عمرؓ
برملا آپ نے اعلان کیا کعبے میں — سامنے آئے کسی شخص میں ہمت ہو اگر
تھے کہاں اور زمانے سے بہ لرزاں تھے — جب نماز آپ نے کعبہ میں پڑھی کو نڈر
اہلِ ایراں کو ہے آپ سے بغضِ دیریں — کر دئے زیر و زبر آپ نے ان کے لشکر
صولت و دبدبۂ سطوتِ فاروقی سے — غیر اقوام کا اُبھرا نہ مخالف عنصر
غزوۂ بدر ہو یا جنگِ اُحد کا میدان — ہر جگہ آپ نے ہمت کے دکھائے جوہر
آج تک گونج رہی ہے یہ حدیث محکم — "بعد میرے کوئی ہوتا تو نبی ہوتے عمرؓ"
حضرتِ فاطمۂ زہراؓ کی طیبں خوشدامن — اور علیؓ ابن ابی طالب سا ملا ان کو خسر
اُمِ کلثوم کوئی غیر تھیں یا بنتِ علیؓ — تھے بہر حال وہ داماد علیؓ حیدر

اُن سے جو بغض رکھے ابن سبا کے مثل | اس کی تقدیر میں ہوں آخری طبقاتِ سقر
ان سے جو بغض رکھے وہ نہیں مسلم ہرگز | حکمِ قرآن ہے یہی اور یہی حکمِ خبر
تھے ہر اک بات میں اخلاقِ محمد کی مثال | تھے مجسم عمل و قولِ نبی کے مظہر
یہ جگر اور دگر تو ہیں پئے حسنِ سخن | ورنہ اصل اس کی سمجھتے ہیں ہر اک اہلِ نظر
اہلِ دل غور کریں اور حقیقت دیکھیں | آج پہلوئے محمد میں دگر ہیں کہ جگر

شمسؔ خوشحال رہیں ان کے بہی خواہ تمام
ان کے بدخواہ رہیں سینہ زن و خاک بسر

اماموں کی زندگی پر اعتراضات

تو لّائیان اہل بیت کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی اور حضرت فاطمہؓ کی اہانت

آپ منقبت سننے کے بعد شاید ناظرین کو خیال ہو کہ شیعانِ اثنا عشری چونکہ اماموں کے پرستار ہیں۔ اپنے اماموں کا بڑا احترام کرتے ہوں گے۔ آئیے وہاں بھی ان کی گرم جوشی کا حال دیکھ لیجئے اور فیصلہ کیجئے۔

(۱) وسائل الشیعہ میں زرارہ کہتے ہیں کہ دیکھا میں نے امام باقر علیہ السلام کو لباس سرخ پہنے ہوئے پس مجھ سے فرمایا کہ میں نے ایک عورت قریشیہ سے نکاح کیا ہے۔ (اصلاح الرسوم صـ۱۱۶)

یہ سرخ لباس پہن کر امام کو کھیلنے کی ضرورت کیوں ہوئی اس حدیث سے معلوم ہوگا

(۲) فرمایا جناب صادق علیہ السلام نے کہ مکروہ ہے سرخ رنگ مگر عروس کے لئے اور فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ کے پاس ایک چادر زرد تھی کہ پہنتے تھے اس کو پاس زوجہ کے تا آنکہ اس کا رنگ بدنِ اقدس پر اثر کرتا تھا اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پہنتے ہیں سرخ رنگ کا لباس زوجہ کے لئے۔

یعنی خود ہی فرما چکے تھے کہ سرخ لباس مردوں کو مکروہ ہے مگر بڑھاپے میں شادی رچائی اور سرخ کپڑے پہنے تو کہدیا کہ صرف شادی کے موقع پر سرخ لباس پہننا جائز ہے۔

(۳) حکم بن عتیبہ کہتے ہیں کہ میں خدمتِ امام زین العابدین میں حاضر ہوا اور حضرت ایک مکان آراستہ میں تشریف رکھتے تھے اور ایک کرتا تر

اور چادر رنگین پہنتے تھے۔ جس سے رنگ کا اثر حضرت کے شانے پر تھا پس میں
بہ نظر حیرت مکان کو اور حضرت کی ہیئت کو دیکھنے لگا۔ پس فرمایا کہ اے حکم تو مجھے
ایسے لباس میں دیکھ کر کیا کہتا ہے۔ میں نے کہا میں کیا کہوں۔ در آں حالیکہ آپکو
ایسے لباس میں دیکھتا ہوں۔ ہمارے یہاں ایسے لباس نوجوان پہنتے ہیں۔ فرمایا
کہ حکم کون ہے جو حرام کرے اُس زینت خدا کو جس کو اُس نے اپنے بندوں کیلئے
پیدا کیا۔ لیکن یہ مکان جس کو تو دیکھتا ہے۔ مکان زن ہے اور میری عروسی کو
قریب زمانہ گزرا ہے۔ اور میرا وہی مکان ہے جس کو تو جانتا ہے۔

پس دوسرے دن میں گیا تو دیکھا کہ وہ جناب ایک مکان میں ہیں
جس میں سوائے چٹائی کے کچھ نہیں ہے۔ اور موٹا کرتہ پہنے ہیں۔ پھر فرمایا کہ
کل تو جب آیا تھا تو میں مکان زن میں تھا۔ کل اُسی کا دن تھا اور وہ مکان اُسی
کا مکان اور متاع اُسی کی متاع ہے پس میرے لئے اُس نے زینت کی تھی،
اس اقرار پر کہ میں بھی اس کے لئے زینت کروں گا جیسے اُس نے میرے
لئے زینت کی پس تیرے دل میں بدگمانی نہ ہونی چاہیئے (اصلاح الرسوم ص۱۱۲)

ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ سبائی فرقہ اپنے اماموں پر بھی کافی دار وگیر
کرتا تھا۔ اُن کی حرکات، سکنات اور اُن کی زندگی کی نگرانی کرتا۔ اور کوئی بے اعتدالی
برداشت نہ کرتا تھا جب تک اس کی صحیح وجہ نہ بتا دی جاتی۔ امام صاحب کو بڑھاپے میں
سُرخ چادر پہن کر ایک محل میں بیٹھے دیکھا تو رافضی آپے سے باہر ہو گیا۔ امام صاحب نے
سمجھایا کہ یہ مکان میری زوجہ کا ہے اور میں نے حال ہی میں اس سے شادی کی ہے۔
اُس نے میرے لئے زینت اس شرط پر کی تھی کہ میں بھی ویسی ہی زینت کروں اس لئے
رنگین چادر پہن کر بیٹھ گیا تھا۔ اتنی سی بات پر تجھے مجھ سے بدگمان نہ ہونا چاہئیے۔ پھر
دوسرے دن جا کر اُسی ڈھنڈار گھر میں جیٹھے رہے جہاں سوائے ایک بوریئے کے کچھ نہ تھا اور
اور رافضیت کا درس دینا شروع کر دیا۔

ظاہر ہے ایسے متشکی مریدوں اور پرستاروں سے جو اپنے اماموں کو اچھی حالت میں
دیکھنا بھی برداشت نہ کر سکتے تھے حضرت امیر معاویہؓ کی شوکت و دبدبہ کی زندگی کیسے برداشت
ہوتی۔ ان کو جتنا بھی بُرا کہیں کم ہے۔

(۵) امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ چند لوگ خدمت امام حسین علیہ السلام میں آئے اور کہا یا ابن رسول اللہ آپ کے گھر میں ہم ایسی چیزیں دیکھتے ہیں جن سے ہم کو کراہت ہوتی ہے۔ اور دیکھا تھا حضرت کے گھر میں فرش و مسندیں تو حضرت نے فرمایا کہ ہم تزویج کرتے ہیں عورتوں سے اور دیتے ہیں مہر ان کا مول لیتی ہیں جو چاہتی ہیں۔ اس میں ہمارا کچھ نہیں۔

(اصلاح الرسوم ص ۱۱۳)

اس طرح جناب امام حسین کو اپنی امامت کی لاج رکھنا پڑتی تھی۔ رافضی ان کے گھر میں مسندیں اور فرش دیکھکر خفا ہو جاتے تھے کہ یہ امامت کی شان کے خلاف ہے، امام کو تو مسجد میں بیٹھکر سوکھی روٹی کھانا چاہیئے اور زمین پر لیٹنا چاہیئے تاکہ ابو تراب کا صحیح وارث سمجھا جائے۔

حضرت بی بی فاطمہؓ پر مظالم

آغا صاحب کا دعویٰ ہے کہ جناب سیدہ فاطمۃ الزہراؓ پر بھی وفات رسول کے بعد لاتعداد مظالم ہوئے۔ فدک چھین لیا گیا۔ دربار میں بلا کر شرمندہ کیا گیا۔ ان کے گھر کو جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کی گئیں۔ دروازے پر لات مار کر ان کے شکم پر گرایا گیا۔

"اور اسی قسم کی سیکڑوں دوسری سختیاں جن کی وجہ سے جناب سیدہ نے پھر ان حضرات کی صورت نہیں دیکھی۔ حتیٰ کہ وصیت فرمائی کہ جنازہ بھی دن کے وقت نہ نکالا جائے تاکہ وہ شریک نہ ہو سکیں۔ (البلاغ المبین)

علامہ کاظمی اخلاق المعصومین میں جناب سیدہ کی وفات کا سبب پہلو پر دروازہ گرانے سے سقط محسن ہوا بتلاتے ہیں۔ یہ ایک تبرائی اشارہ ہے۔ جسے سنتے ہی مومنان امام باڑہ۔ محسن کش پر لعنت کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور جہال ناصبی جو ان مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں کچھ نہیں سمجھتے۔ بلکہ محسن کش یعنی احسان کرنے والے کو مارنے والا سمجھکر خود بھی ہمدردی میں آنسو بہانے لگتے ہیں۔

سقط محسنؓ

ہم محسن کش کے تعارف سے پہلے سقط محسن سمجھانا زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ سقط محسن کے معنی محسن کا اسقاط ہوا یعنی حمل گر گیا۔ حمل کس نے گرایا۔ محسن کش نے۔ یہ محسن کش کوئی برتھ کنٹرول کی دوا تھی جس سے اسقاط ہو جاتا تھا۔ اور والدین بچے کی پرورش سے محفوظ ہو جاتے تھے۔ جی نہیں تو یہ سمجھئے یہ شیر خدا کی جناب

میں سوءِ ظن ہے پھر بھید کیا ہے۔ مجتہد العصر جناب کلب حسین صاحب سے سنئے:۔

رحماء بینھم۔ یعنی مسلمان آپس میں بہت مہربان ہیں۔ اس کا
موقع دیکھنا ہے تو چاہے رسول کی اکلوتی بیٹی کے ہاتھ سے فدک کا پروانہ
پھاڑ ڈالنے کو دیکھ لیجئے۔ (مجالس الشیعہ ص ۴۱)

اس مختصر سے بیان کی تفسیر طویل ہے۔ مولوی صاحب نے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ رحلت رسول کے بعد مسلمانوں میں خلافت کا جھگڑا ہو گیا ہے۔ آپس کی محبت ختم ہو چکی ہے۔ شیعہ۔ سنی دو پارٹیاں بن گئی ہیں۔ سنی ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ ہیں اور کھلے بندوں اپنے لیڈروں کو لاکر مسجد میں بٹھا دیا ہے۔ حزبِ مخالف انڈر گراؤنڈ چلا گیا ہے۔ ان کا لیڈر گھر میں گھسا بیٹھا ہے۔ اُسے بلایا جا رہا ہے۔

"چنانچہ بیعت ابوبکر کے لئے علی کو بلانے چلے تو حضرت عمرؓ تھوڑی سی لکڑیاں
اور ایک رسی ساتھ لائے۔ (البلاغ المبین وکنز المطاعن و مجالس الشیعہ)
علی سے کہا چلو نکلو خلیفہ وقت حضرت ابوبکر کی بیعت کرو۔
علی نے کہا۔ خدا کی قسم خلافت کو ابوبکر نے تنگ کرتے کی طرح کھینچ
تان کر پہن لیا ہے حالانکہ میرا مرتبہ ایسا ہے جیسے کیلی کا چکی میں کہ بغیر اُس
کے چکی چل نہیں سکتی۔ خطبہ شقشقیہ۔"
(ترجمہ آغا سلطان مرزا۔ البلاغ المبین حصہ دوم ص ۳۰۰)

"عمر نے کہا زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ نہ نکلو گے تو تمہارے گھر میں آگ
لگا دوں گا۔
جناب شیر خدا نہ ڈرے نہ گھر سے نکلے۔ البتہ دروازے پر جناب سیدہ
کو کھڑا کر دیا اور خود ان کے پیچھے سے ترکی بہ ترکی جواب دیتے رہے۔"
(البلاغ المبین)

"عمرؓ نے غصہ میں آکر جناب خیبر شکن کے دروازے پر لات ماری دروازہ
اکھڑ گیا۔ جس کی توقع نہ تھی۔ اور پہلوئے فاطمہ مجروح ہو گیا۔"
(اخلاق المعصومین اور مجلس الشیعہ)

"حضرت عمر گھر میں گھس آئے۔ دونوں نے مل کر جناب سیدہ کو پلنگ پر

لٹا دیا پھر شیر خدا نے اپنی گردن جھکا دی۔ عمر نے رسی ڈال دی اور گھسیٹتے ہوئے مسجد کی طرف لے گئے۔ سارے شہر میں تشہیر کرتے پھرے۔ پھر بیعت طلب کی جناب شیر خدا نے خدا کی قسم کھا کر کہا میں تم سے بیعت نہیں کروں گا۔ پھر حضرت علی کا بیعت کرنا ثابت نہیں۔ جب جبر و اکراہ کا شائبہ آگیا تو بیعت ناجائز ہو گئی۔ ایسی بیعت کس کام کی نہ بیعت کرنے کے برابر ہے اسی کو ہم تقیہ کہتے ہیں" (البلاغ المبین ص۲۰۷)

چنانچہ ان کو خلیفۂ وقت کے حکم سے چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد یہ شیعہ روائتیں سنئے۔

" امام مظلوم گھر تشریف لائے۔ چھ ماہ کا حمل ساقط ہو پڑا تھا فوراً بازار گئے دو بکرے خریدے۔ نائی اور قصائی کو ساتھ لائے۔ حمل کا عقیقہ فرمایا اور اس استعاط کا نام محسن رکھا۔ بکرے ذبح کئے۔ سارے شہر کی یا غالباً صرف رافضیوں یعنی منافقین مدینہ کی دعوت کی۔ مہمانوں کو گلے کی رسی دکھائی۔ فاطمہ کا مجروح پہلو دکھایا۔ محسن مرحوم کا مردہ حمل دکھایا۔ اور دعوتیوں کو خوب رلایا۔ پھر کھانا کھلا کر ہنسی خوشی رخصت فرمایا بنو ہاشم نے کہا یا علی آپ تلوار کیوں نہیں اٹھاتے۔ فرمایا قلت اعوان دیکھو۔ مگر لوگوں سے نہ کہنا بلکہ کہنا کہ اس سے اسلام کا شیرازہ بکھر جانے کا احتمال تھا۔ علاوہ اِس کے جناب رسول خدا نے منع فرمایا تھا اور کہا تھا۔ یا علی میرے بعد تمہارے ساتھ یہ اُمت دغا اور بغاوت کرے گی۔ تم میری ملت پر رہوگے اور میری سنت پر قتل کئے جاؤ گے۔ پس صبر کرنا ہے اس لئے میں صرف فصبر جمیل" کہتا ہوں۔

(البلاغ المبین ص۴۷ حصہ دوم)

چنانچہ آج بھی تو لائیاں اہل بیت رو رو کر یہ قصے بیان کرتے ہیں پھر مجلس کا حصہ لیکر ہنستے ہوئے اپنے اپنے گھروں کی طرف واپس ہوتے ہیں۔

ہم سے ایک ناصبی صاحب کہتے ہیں کہ چھ ماہ کے استعاط شدہ حمل کا عقیقہ نہیں ہوتا پھر مردہ بچے کا عقیقہ کروانا تو جناب امیر پر محض اتہام ہے۔ ہم نے پوچھا عقیقہ نہ کرواتے تو نام کس طرح رکھا جاتا۔ محسن نہ ہوتے تو سقط محسن کیسے ہوتا۔ محض اسقاط حمل کہلاتا۔ اور

سب سے بڑھ کر محسن کُش پر تبرا کی کیا صورت ہوتی کہنے لگا تم اپنے بلاغ السنڈ اس سے رجوع کرو
مگر افسوس آغا صاحب نے اس پر روشنی نہیں ڈالی غالباً موضوع وسیع ہونے کی وجہ سے علیحدہ
کتاب لکھ رہے ہوں گے۔ بہر حال آپ کی تشنگی کے لئے ہم یہ گتھی انہی کی کتابوں سے سلجھائے
دیتے ہیں:۔

"وسائل الشیعہ جناب صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ فرمایا
جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے کہ نام رکھو اپنی اولاد کا قبل ولادت
کے پس اگر نہ جانو کہ وہ فرزند ہے یا دختر تو نام رکھو اُن ناموں سے جو دونوں
کے لئے ہوسکتا ہے پس تمہاری اسقاط جنا تمام پیٹ سے گر جائیں۔ جب تم
سے قیامت میں ملاقات کریں گے اور تم نام نہ رکھ چکے ہو گے تو سقط اپنے
باپ سے کہیگا کہ کیوں تو نے میرا نام نہ رکھا حالانکہ جناب رسول خدا نے
محسن کا نام قبل اُن کی ولادت کے رکھا تھا۔ لوگوں نے حضرت سے عرض کیا
کہ اگر ظاہر نہ ہو کہ بیٹا ہے یا بیٹی تو فرمایا کہ اسمائے مشترکہ سے نام رکھو مثل
زایدہ و طلحہ۔ وعتبہ و حمزہ وغیرہ کے۔ (اصلاح الرسوم ص۳۹)

اس حدیث کی موجودگی میں تو انکار دشوار ہے یعنی وہ حمل جو ساقط ہوا محسن ہی
کا تھا اور یہ استقرار حمل کے دن ہی رکھ دیا گیا تھا یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسقاط دروازہ
گرانے سے ہوا۔ اور دروازہ گرانے والا محسن کش تھا جس کو سُنی زبان میں داماد شیر خدا
بھی کہتے ہیں یعنی اُم کلثوم بنت فاطمہ زہرا اور رسول کی نواسی کے شوہر و سرتاج سیدنا حضرت عمرؓ
اور سوچئے کہ جناب امیر نے اس واقعہ کے بعد کیسے انھیں دامادی میں قبول فرمایا۔ تو شیعہ جواب
یہ ہے کہ تقیہ ایک مومن سے جو کچھ نہ کروائے کم ہے۔ اور سُنی جواب وہی ہوگا جو محسن
الملک نے آیات بینات میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"حضرت علی اور حضرت عمر فاروق کے مابین کوئی عداوت نہ تھی اگر دوستی
نہ ہوتی تو حضرت علی اپنی بیٹی کا نکاح حضرت عمر سے نہ کرتے۔ محض اسی حقیقت
سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے کبھی کسی قسم کا رنج اور صدمہ جناب امیر
یا حضرت فاطمہ کو نہیں پہنچایا اور کسی قسم کی دشمنی اُن کے ساتھ نہیں رکھی۔
ورنہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا۔ غالب علی کل غالب۔ مطلب کل طالب

مظہر العجائب والغرائب اپنی پیاری بیٹی کا نکاح اُن کے ساتھ نہ کرتے۔
کچھ مزاحمت ضرور کرتے۔ جنگ نہ کرتے تو بد دعا ہی کرتے۔ مگر صبر نہ فرماتے
کہ ادنیٰ آدمیوں کو بھی ایسے میں بے صبری ہو جاتی ہے۔ اور وہ جان لینے
اور دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔" (ص ۱۶۷)

اس ذریب تولا پر جس کا شیعہ مذہب نے اتنا شور مچا رکھا ہے۔ مولوی مہدی علی صاحب (محسن الملک) بلا وجہ یہ لکھنے پر مجبور نہ ہوئے ہوں گے ہے۔

"استغفر اللہ! تشیع بھی عجیب مذہب ہے جس کے تیر ملامت سے کوئی نہیں بچا اصحاب کو تو کافر اور منافق بنا ہی چکے تھے۔ رہ گئے اہل بیت تو وہ بھی لعن وطعن سے نہ بچے۔ خدایا مذہب تشیع دین ہے یا الحاد و زندقہ جس کے باقی نہ رسول کا خیال کرتے ہیں نہ اہل بیت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جو سامنے آیا اسی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا جس کا ذکر آیا اُسی پر تبرا کرنے لگے۔ کسی کو صراحتاً کافر بنایا۔ کسی کو اشارۃً منافق کہا۔ یہ کیا دین ہے اور کیا مذہب جس کے طعن و تشنیع سے کوئی نہ بچا۔ ایسے بے حیا فرقے کی شکایت کیا کی جائے"
(آیات بینات ص ۱۸۰)

اس عبارت کی اہمیت صرف اس وجہ سے ہے کہ لکھنے والا خود شیعہ گھرانے میں پیدا ہوا۔ تبرا۔ تقیہ اور متعہ وعید غدیر کے فضائل سنتے سنتے آنکھ کھولی اور ایک عمر گذار دی پھر سوچنے لگا کیا واقعی اللہ تعالےٰ نے زندگی میں صرف رونا دھونا۔ جھوٹ بولنا۔ گالیاں بکنا اور زنا کرنا ہی انسان کے لئے بخشش کا ذریعہ مقرر کیا ہوگا۔ پھر مخالفین کی کتابیں پڑھیں اور اپنے آبائی مذہب سے متنفر ہو کر تائب ہوا اور اس مذہب کی پول کھولی جس میں گالی دینا کار ثواب ہے ۔

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد
مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

شیعہ مذہب کی دسویں شاخ

تقیہ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ تقیہ میرا اور میرے آبائے ذوالکرام کا طریقہ ہے اور طریقہ تقیہ کا یہ ہے کہ حتی الامکان کذب

درمیان میں نہ ہو۔ بلکہ ایسے طریقے سے اظہار امر کرے کہ معنی دیگر پیدا ہوں کلام راستی کی طرف رجوع کرے اور وقت اظہار دوسرے ہی معنی کا دلی اشارہ ہو۔ مثلاً ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کفار نے کہا کہ بتوں کی پرستش کو چلو۔ اس وقت انکار کرتے تو جان کا اندیشہ تھا۔ آپ نے فرمایا "إِنِّي سَقِيمٌ" یعنی میں بیمار ہوں۔ اگرچہ درحقیقت بیمار نہ تھے۔ مگر دلی مدعا یہ تھا کہ مریض الفت خدا ہوں۔ بتوں کی پرستش نہیں کر سکتا۔ (تحفۃ العوام ص۲۳۵)

دیکھئے اس سیائی بچاؤ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کتنی چالائی سے تقیہ کیا۔ کافروں کو خوش کر دیا اور خدا بھی ناراض نہ ہوا۔ اس طرح کا جھوٹ امام جعفر نے اپنے باپ دادا کی سنت بتلایا ہے۔ اس لئے اسے دین کا جزو قرار دے لیا گیا ہے۔ اور دسویں نمبر پر رکھا ہے۔ جی نہیں یہ مذہب شیعہ کی شان میں سوء ظن ہے۔ اصل حدیث عربی میں اس طرح ہے:۔

قال لی ابو عبد اللہ السلام	امام جعفر صادق نے فرمایا کہ نو حصہ
یا ابا عمران ان تسعۃ اعشاء	دین تقیہ میں ہے اور ایک حصہ
الدین فی التقیۃ ولا دین	باسوا میں۔ اور جو تقیہ نہیں کرتا اس
لمن لا تقیۃ لہٗ	کا کوئی دین نہیں۔

(شواہد الصادقین ص۹۲ بحوالہ اصول کافی ص۴۸۲)

شاید آپ سمجھیں کہ امام جعفر نے شیعوں پر طنز کیا ہو گا کہ تمہارا مذہب نوے فی صد جھوٹ ہے۔ اور باقی دس فیصد میں تولا۔ تبرا۔ اور متعہ ہے اس لئے تم مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔ کیونکہ دنیا میں آج تک کوئی ایسا مذہب نہیں آیا جس میں گندی اور پلید حرکات کو ثواب بتلایا گیا ہو۔ تو یہ آپ کی ناسمجھی ہو گی۔ علامہ نجم الحسن کراروی نے تحفۃ العوام میں صاف بتایا ہے۔ امام جعفر کہتے تھے کہ جھوٹ بولنا نہ صرف ان کا بلکہ ان کے باپ دادا کا بھی شعار تھا۔ استغفر اللہ منہ۔

تقیہ جھوٹ نہیں ہے

ایک سابق سشن جج صاحب جو عمر بھر جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرتے رہے اور جھوٹ کی رگ رگ سے واقف ہیں۔ اس کے مدارج اور اس کی قسمیں بھی جانتے ہیں کہتے ہیں تقیہ جھوٹ نہیں ہے۔ آپ کے

شکوک رفع کرنے کیلئے ان کا فیصلہ کافی ہونا چاہیئے۔ فرماتے ہیں:۔

کذب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو واقعات کے متعلق ہوتا ہے۔ وہ مذموم ہے۔ دلی حالات کے متعلق یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہنے والا خود اپنی دلی کیفیت سے اچھی طرح آگاہ نہیں۔ مثلاً میں دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں اور وہ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تم ہم کو کیسا سمجھتے ہو۔ اگر میں کہدوں کہ میں تم کو اچھا سمجھتا ہوں تو فعل مذموم نہیں۔ کیونکہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا اور کسی کیسی صفت میں تو دشمن بھی اچھا ہوگا۔

اسی طرح فرض کرو کہ میں شیعہ ہوں اور کسی آفریدی ریاست کے خارجیوں میں گرفتار ہو جاتا ہوں جو تلواریں نکال کر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم شیعہ ہو یا نہیں اور میں کہدوں کہ میں شیعہ نہیں ہوں۔ تو کبھی کا میں نے کیا نقصان کیا۔ اور اگر وہ پوچھیں کہ تم شیخین کو کیا سمجھتے ہو اور میں یہ خیال کر کے کہ خلافت کے جھگڑے سے پہلے انھوں نے فلاں فلاں کام اچھے کئے تھے۔ یہ کہدوں کہ وہ اچھے تھے۔ یعنی اس وقت اچھے تھے تو کیا حرج ہے۔ بہر صورت یہ فعل مضر تو نہیں۔ اور کذب کے اجزائے ضروری میں سے جو ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ موجود نہیں۔ لہذا وہ کذب نہ ہوا۔ اس نکتے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے نادان لوگ تقیہ کو کذب کہتے ہیں۔

ممکن ہے کہ اعتراض ہو کہ شروع اسلام میں اصحاب نے اور آنحضرت نے کیوں تقیہ نہ کیا۔ یہ اعتراض ہمارے اصول موضوعہ کو نظر انداز کرتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس قول سے جو امر واقعہ کے خلاف ہے نقصان ہو تو وہ قول کذب ہے۔ اس وقت اصحاب رسول کے انکار کرنے سے اسلام کو نقصان وضعف عظیم پہنچتا۔ لہذا جائز نہ تھا۔"

(البلاغ المبین حصہ دوم ص۵۲۷)

اب آپ کو کذب یعنی جھوٹ کی قسمیں بھی معلوم ہو گئیں اور مواقع بھی معلوم ہو گئے کہ کب کب تقیہ کرنا جائز ہے اور کب نہیں۔ سب سے بڑھ کر آغا صاحب نے یہ بھی واضح کر دیا کہ رسول اللہ کو مکہ کے قیام میں تقیہ کرنا جائز نہ تھا۔ اس سے اسلام کو نقصان

پہنچ سکتا تھا۔ البتہ مدینہ آنے کے بعد جب ہر طرح کا اطمینان ہو گیا۔ اور جان کا خطرہ ختم ہوا تو تقیہ کرنا پڑا۔ (نعوذ باللہ)

تقیہ کے مواقع آغا صاحب نے تقیہ کے واقع جائز بتلائے ہیں۔ جب جان کا خطرہ لاحق ہو اور اسلام کو ضرر پہنچتا ہو۔ مگر مذہبی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کے دوسرے مواقع بھی ہیں مثلاً مولوی فرمان علی شیعہ بچوں کی نماز میں مبطلات نماز یعنی نماز کو باطل کرنے والے اعمال و افعال کے تحت سمجھاتے ہیں۔

"نماز باطل ہو جاتی ہے (۱) حدث یعنی شکستہ وضو و غسل سے (۲) استدبار یعنی رو گردانی قبلہ سے (۳) تکفیر یعنی بلا تقیہ کے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا (ص ۲۱)

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ نماز میں ہاتھ باندھنا کفر کے مماثل ہے البتہ از راہ تقیہ ہاتھ باندھ لینے میں نہ صرف یہ کہ کوئی ہرج نہیں بلکہ ثواب بھی ہوتا ہے ذرا سوچئے ایک شیعہ بچے کو نماز پڑھتے وقت جان کا خطرہ کس طرح لاحق ہو جاتا ہے خاص کر جب وہ نب سڑک یا مسجد میں بھی نماز پڑھنے نہیں جاتا بلکہ گھر میں پڑھ رہا ہے۔

دوسرے مجتہد صاحب دو جگہ تقیہ کو جائز بتلاتے ہیں (۱) بغیر تقیہ کے ہاتھ باندھ کر نماز کا پڑھنا۔ (۲) بغیر تقیہ سورۂ الحمد کے بعد آمین کہنا۔ تحفۃ العوام ص ۲۰۹ اور ایک تیسری صورت کا ذکر اس طرح کیا ہے "تقیہ اور اسی کے مانند صورتوں میں کپڑے وغیرہ پر سجدے میں کوئی ہرج نہیں۔ اور جب ایسی صورت درپیش ہو جائے تو راہ فرار تلاش کرنا واجب نہیں۔ البتہ اگر ہو سکے تو فرش یعنی کپڑے پر سجدہ کرنے کی بجائے بوریا وغیرہ پر کرکے کام نکال لے۔ اور ایسی صورت میں بس یہی واجب ہے۔ (تحفۃ العوام ص ۲۲۴)

ان مسائل سے واضح ہے کہ تقیہ کے لئے خاص صورتوں کی ضرورت نہیں۔ نماز پڑھتے وقت کوئی سنی آجائے۔ تو فوراً ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے لگو۔ الحمد کے بعد زور سے آمین کہہ دو اور سجدہ گاہ ہٹا کر کپڑے پر سجدہ کر لو تاکہ اسے یہ نہ معلوم ہو سکے کہ تمہاری نماز بھی دیگر عقائد کی طرح اس سے مختلف ہے۔ اور یہ سب کچھ کرنا واجب ہے۔

تقیہ کیوں ضروری ہوا جب امت نافرجام نے اہل بیت رسول اللہ صلعم

سے بدسلوکی پر بدسلوکی کرنی اختیار کی اور ان کی مخالفت پر یہاں تک کمر باندھی کہ ان کو شہید کیا۔ زہر دے کر مارا ان کو قید کیا۔ ان کے گھر لوٹے۔ ان کے گھروں میں آگ لگائی۔ ان کے خیمے جلائے تو پھر بجز تقیہ کے دنیا میں کیسے گزران کرتے۔ اور مذہب حق کا نام کیسے قایم کرتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ائمہ علیہ السلام عقائد مذہبی میں تقیہ نہ فرماتے تو دین حق بالکل ملعنہ ہو جاتا۔ (شمس الضحیٰ ص ۳۶۶)

جی ہاں یہی دین حق جو بارہ سو سال سے چھپا ہوا تھا اب سرعام پیش کیا جا رہا ہے کیونکہ رسول نے فرمایا تھا کہ قرب قیامت میں دنیا سے شرم اٹھ جائے گی۔

رسول اللہ نے تقیہ کس طرح کیا

شمس الضحیٰ کے مجتہد صاحب حسب ذیل امور کو رسول اللہ کے تقیہ پر محمول فرماتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ہجرت کے لئے تین روز تک غار حرا میں مخفی رہے یہ بھی تقیہ تھا۔

۲۔ ایام غلبہ میں بھی تقیہ کیا۔ جیسے اہل عقب کا نام تقیتہً ظاہر نہ فرمایا۔

۳۔ اعلان خلافت مرتضوی میں تا یوم غدیر تقیہ کیا۔ (شمس الضحیٰ ص ۳۶۸)

ہجرت کے بعد جب اپنے جاں نثاروں کے بیچ میں رسول اتنے با اثر ہو گئے کہ سارا عرب ان کے قدموں میں تھا تو تقیہ کی ضرورت کیوں پڑی کبن میاں کی زبانی سنئے :۔ فرماتے ہیں :۔

کفار کے بیچ میں رہ کر تقیہ فرماتے تو اسلام کو ضرر پہنچتا مگر اسلام کے مستحکم ہونے کے بعد اللہ تعالے کا حکم ہوا۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔ یعنی دیکھو جب تم مکمل تبلیغ کر چکو تو کسی کو اپنی جگہ نصب بھی کر دو۔ قایم مقام بھی بنا دو۔ اور جب قایم مقام بنا چکو تو ہماری طرف آنے کی رغبت کرنا (یعنی مرنا) یعنی جب تک کسی کو قایم مقام ذکر لینا۔ ہماری بارگاہ میں آنیکا بھی خیال نہ کرنا۔ (مجالس الشیعہ)

مگر جانشین صاحب نے اپنی صلاحیتوں کے بارے میں فرمایا :۔

۱۔ کلیث عاہات کریہ المنظر۔ میں مثل شیر صحرائی کے کریہہ المنظر ہوں۔ (خمسہ اقبالیہ)

۲۔ میری ٹانگیں پتلی ہیں۔ میری آنکھیں دکھتی ہیں (مناقب مرتضوی ص ۸۲)

حضرت بی بی فاطمہ نے فرمایا۔ علی کا پیٹ بڑا ہے۔ بازو لمبے لمبے ہیں۔

جوڑ بند بھاری ہیں۔ آنکھیں پھٹی پھٹی ہیں۔ گردن پتلی ہے۔ منہ کھلا رہتا ہے اور غریب و نادار ہیں۔ (قرآن السعدین ص۳۱)

حضرت عمر کہتے تھے علی میں لڑکپن ہے اور مزاح کی عادت ہے۔ (البلاغ المبین)

منذر بن جارود رافضی کہتا تھا علی بھنگنے سے بے ڈول آدمی تھے جیسے ٹوٹی ہوئی لکڑی کو جوڑ کر باندھ دیا گیا ہو۔ (الزہرا ص۶۰)

واقعی رسول کو بڑی مشکل درپیش ہوگی۔ اللہ میاں کہتے ہیں جب تک تختِ خلافت پر بٹھا نہ دو مجھے صورت نہ دکھانا۔ اور قوم کہتی ہے۔ خلیفہ میں تھوڑی سی سنجیدگی کی ضرورت ہے۔ کیا کرتے بقول شیعہ مجبوراً تقیہ اختیار کیا کسی سے کہا۔ علی کو خلیفہ بنا دیا ہے۔ کسی سے کہا پیغمبر کوئی ورثہ نہیں چھوڑتے۔ لوگوں سے فضائل علی بیان کئے رافضیوں سے کہا اپنی اولاد کا امتحان کرو جب علی سے جو الکار کرے سمجھو حرامی ہے مگر رافضیوں نے اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور بجائے نسل ختم کرنے کے متعہ کے ذریعہ حرامیوں کی تعداد بڑھالی۔ (اصلاح الرسوم)

دوسرے کانٹے صاف کرنے کے لئے جیش اسامہ تیار کیا مگر وہ اسکیم فیل ہوگئی۔ (البلاغ المبین)

مجبوراً علی کو بلا کر نصیحت کی کہ میرے بعد تم پر مظالم ہوں گے۔ مگر تم صبر کرنا اس کا دوسرا نام تقیہ ہے (البلاغ المبین)

دیکھئے اس نصیحت یعنی تقیہ کو قبول کرنے سے حضرت علی کو کتنا نقصان ہوا۔ خلافت ماری گئی۔ فدک چھن گیا۔ لقب صدیق وسیف اللہ پر دوسروں کا قبضہ ہو گیا۔ امیر المومنین کوئی اور بن گیا۔ اور ایک شرمناک چیز بھی چھن گئی۔ مگر جناب مولا نے صبر فرمایا اس کے اجر کا اندازہ فرمایئے۔ تقیہ کو جھوٹ اور کذب کہہ کر گناہگار نہ بنئے اب رہا کلمہ ششم رد کفر ہیں جو سکھلاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ	میں پناہ مانگتا ہوں کسی چیز کو تیرا شریک بنانے
بِکَ شَیْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ بِہٖ وَاَسْتَغْفِرُکَ	سے جس کا مجھے علم ہو اور معافی مانگتا ہوں اس
بِکَ شَیْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ بِہٖ وَاَسْتَغْفِرُکَ	گناہ سے جس کا مجھے علم نہیں توبہ کرتا ہوں
لِمَا لَا اَعْلَمُ بِہٖ تُبْتُ عَنْہُ وَتَبَرَّاْتُ	اور بیزار ہوں کفر سے اور شرک سے اور

مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَالْكِذْبِ وَ الْغِيْبَةِ وَالْبِدْعَةِ وَالنَّمِيْمَةِ وَالْفَوَاحِشِ وَالْبُهْتَانِ وَالْمَعَاصِیْ كُلِّهَا وَاَسْلَمْتُ وَاَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

جھوٹ سے اور غیبت سے اور بدعت سے اور چغلی سے اور بے حیائی کے کاموں سے اور تہمت سے اور نافرمانیوں سے۔ میں ایمان لاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں۔

تو واضح ہے کہ یہ کلمہ شیعہ کلمے "علی ولی اللہ وخلیفۃ بلا فصل" سے منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ شیعہ کلمہ پڑھنے کے بعد جھوٹ یعنی تقیہ۔ غیبت یعنی تبرا۔ بے حیائی کے کاموں یعنی متعہ سے پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ سب کام ثواب ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" یعنی نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جاؤ۔ ان پر منطبق نہیں۔ پھر خدا اس قوم کی عقل و دانش پر رحم فرمائے کیونکہ وہ کہہ چکا ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا ہے۔

حضرت علی کا تقیہ

لطیفہ۔ ایک مرتبہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ہشام علیہ الرحمہ سے دریافت کیا کہ آیا حضرت علی بھی عمر بن خطاب کو امیر المومنین کہتے تھے یا نہیں دیکھئے یہ ہشام صاحب رافضی ہیں۔ آپکی شمائل نبوی مستند مانی جاتی ہے۔
آپ نے کہا۔ چونکہ عوام الناس اُن کو اُسی خطاب سے مخاطب کرتے تھے عوام حکماً ایسا کہنے پر مجبور تھے۔ اس لئے ممکن ہے کہ حضرت علی بھی عرف عام میں اُن کو ایسا ہی کہتے ہوں۔ خداوند تعالیٰ نے بھی رواج کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے بتوں کو الہ کہلایا ہے حالانکہ حضرت ابراہیم کے اعتقاد میں بت خدا نہیں تھے۔ (تفریح الشیعہ ص۱۵)

یعنی حضرت علیؓ از راہ تقیہ حضرت عمرؓ کو امیر المومنین کہہ لیتے تھے۔ حالانکہ ہر کلمہ گو مسلمان جانتا ہے کہ حضرت علی کو خود حضرت عمرؓ مولا و قبلہ سے خطاب کرتے تھے (بہ سبب رشتۂ اُم کلثوم دختر حضرت فاطمہ) اور سسرے کے لئے داماد کو جو بیٹے کے برابر ہوتا ہے احترامی کلمات استعمال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ بیٹا عمر یا عمر میاں کہتے تو بھی کافی تھا۔
حضرت علیؓ کے تقیے کا کمال اُن کے خطبۂ شقشقیہ سے بھی ثابت کیا جاتا ہے۔

جو دلچسپ ہے مگر طویل ہونے کی وجہ سے نقل نہیں کیا جا سکتا البتہ نمونہ پیش ہے جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ جناب امیر کی شان سے بعید تھا کہ وہ حضرت ابو بکر کی تعریف کرتے۔ اسلئے ہجو فرمائی ہے۔

شیعہ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ یہ امر تو ناظرین کو بادی النظر میں ہی معلوم ہو جائیگا کہ کلام حضرت علی مرتضےٰ کی عبارت معمولی نہیں ہے۔ جو الفاظ عموماً اُن معنی میں لیے جاتے ہیں اُن کو استعمال نہیں کیا ہے۔ بلکہ غور و فکر کے ساتھ ایسے الفاظ تلاش کئے ہیں کہ دوسرے معنی پر بھی دلالت کرتے ہیں۔
ہم نے جو روایت تقیہ بیان کی ہے اس کے ثبوت میں فقط یہی عبارت نہج البلاغہ کافی ہے۔ (شمس الضحیٰ ص ۷۹)

اوّل قوم الاود۔ جس کے معنی کجی کو سیدھا کیا لکھا ہے یہ بھی نکلتے ہیں کہ کجی کو قائم کیا۔ داوی العمد جس کے معنی اصلاح ستون کیا ہے۔ ٹیڑھا کیا ستون کو بھی ہو سکتے ہیں۔
اقام السنۃ یعنی سنت کو قائم یا جاری کیا اس کے معنی سنت کو بند کیا یا رد کر دیا بھی ہو سکتے ہیں۔

خلف البدعۃ کے صاف معنی ہیں کہ بدعت کو دُنیا میں چھوڑ گیا۔
ذھب نقی الثوب کے معنی بھی صاف ہیں کہ پاکدامنی کو دور کر گیا۔
قلیل العیب۔ یہ کوئی صفت نہیں۔ مراد ہے کہ بہ نسبت دوسروں کے کم عیب تھا۔
اصاب خیرھا کے معنی پائی اس نے خوبی خلافت کی غلط ہے۔ اس کے معنی ہیں گرا گیا اس کی نیکی کو یعنی خلافت کا مرتبہ گرا دیا۔ اور بُری طرح خلافت کی۔
ادی اللہ طاعتہ جس کے معنی لکھے ہیں ادا کی بندگی خدا کی۔ اس کے معنی ہو سکتے ہیں الٹ دے خدا اطاعت اُس کی یعنی مبدل بہ معصیت کر دے۔

اس عقل و دانش پر جو ہمارے شیعہ بھائیوں کو ودیعت کی گئی ہے جو کسی بات میں خوبی دیکھ ہی نہیں سکتی ہم کیا تبصرہ کریں۔ خود اُن کی قوم کا ایک فرد باغی ہوا تو کہنے پر مجبور ہو گیا ؎

حضرات شیعہ نے دین کو مسخ یہ اور ٹھٹھے میں ڈال دیا ہے۔ نہ خدا کے کلام کو کلام مبین مانتے ہیں نہ پیغمبر صاحب کی حدیث کو صاف سمجھتے ہیں سب کو ذو معنی اور ذو جہت جانتے ہیں اور چونکہ بنا مذہب تشیع کی

نفاق اور جھوٹ پر ہے۔ اس لئے سب کو اپنی ہی طرح کا جانتے ہیں۔

(آیات بینات ص ۱۳۱)

اماموں کے تقیہ کا حال

فرمایا جناب صادق علیہ السلام نے کہ مومن و منافق پہچانا جاتا تھا تکبیر جناب رسول خدا سے کہ مومن پر پانچ تکبیریں اور منافق پر چار تکبیریں فرماتے تھے۔

(اصلاح الرسوم ص ۳۶۵)

یعنی امام صاحب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ میں (نعوذ باللہ) اخلاقی جرات نہ تھی منافق کی نماز سے انکار کرنے کے بجائے صرف چار تکبیروں پر ٹرخا دیتے تھے اور نمازیوں پر واضح نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ منافق تھا جس سے سنیوں نے چار تکبیریں اخذ کر لیں۔ مگر مومن (یعنی رافضی) یا منافق کے جنازے پر بڑی احتیاط سے پانچ تکبیریں کہتے تھے جو انہوں نے اختیار کی ہیں اب آپ سوچ لیجئے کہ کون سی صورت پسند ہے۔ پانچ تکبیریں کہنے سے مُردہ سیدھا جنت پہنچا دیا جاتا ہے اور چار تکبیروں سے فرشتے اسے دوزخ میں لیجا کر ڈھکیل دیتے ہیں۔ اور اللہ میاں ابھی حساب کتاب کا دن ہی مقرر نہیں کر پائے ہیں۔

امام غیر مومن کی نماز کس طرح پڑھتے تھے

اور خلاف مذہب (یعنی سُنّی) پر نماز پڑھے تو بضرورت بعد از تکبیر چہارم بلکہ بعد از ہر تکبیر اُس پر لعنت و نفرین کرے اور بہتر ہے کہ یہ کہے جو وسائل الشیعہ میں جناب صادق سے منقول ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے جنازہ منافق پر پڑھا تھا۔ اور اپنے غلام سے فرمایا تھا کہ تو میرے پہلو میں کھڑا ہو اور جو مجھ کو کہتے سُن وہی کہہ۔ پس جب ولی میت نے تکبیر کہی تو امام حسین نے فرمایا۔

ترجمہ:۔ اللہ اکبر۔ اے اللہ اس مردے پر لعنت بھیج۔ ہزار لعنتیں جو ساتھ ساتھ ہوں۔ مختلف نہ ہوں۔ اے اللہ اس مُردے کو اپنے بندوں (شیعوں) میں اور شیعہ شہروں میں ذلیل کر اپنی آگ کی سوزش میں اُسے پہنچا۔ اُسے اپنے عذاب کی سختی چکھا یہ وہ تھا جو تیرے دشمنوں سے دوستی رکھتا تھا اور تیرے نبی کے اہل و عیال سے بغض رکھتا تھا۔

(اصلاح الرسوم ص ۳۶۶)

یعنی امام صاحب کے اس ناپاک تعارف کے بغیر اللہ میاں کو معلوم ہونا دشوار تھا کہ مُردے کو کہاں بھیجا جائے چنانچہ فرشتوں کو بھی سہولت ہو گئی ہو گی وہ قیامت کا انتظار کیئے بغیر بلاحساب کتاب محض امام صاحب کی سفارش پر سیدھے جہنم پہنچا کر ٹھنڈے ٹھنڈے گھر چلے گئے ہونگے۔

اب ذرا اُس مردے کے حال پر غور فرمایئے جس کی نماز شیعہ اور سنی دونوں پڑھتے ہوں گے سُنی تو بغیر اُس کے اعمال پر غور کئے دعا کریں کہ اسے جنت نصیب فرمائے اور شیعہ کہیں اے اللہ اسے جہنم رسید فرما۔

شاید آپ سوچیں کہ رسول اللہ نے کہا ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو بُرے الفاظ سے یاد نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ غیبت کا مترادف ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام صاحبان نے رسول کے اُس حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ شیعوں پر یوں بھی اللہ اور رسول کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔ وہ جنت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے اماموں کو مانتے ہیں جو اللہ کے جانشین تھے۔

اگر کوئی کہے کہ حضرت حسین کو اُس ناصبی سے نفرت تھی تو اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیتے۔ نماز کی امامت کر کے مقتدیوں کو بھی دھوکا دیا اور وارثین مردہ کو بھی جو اُن کی بخشش کی دعا کروانا چاہتے تھے۔ آپ نے لعنت بھیج کر اور اپنے غلام کو سکھا کر جس اخلاق کا ثبوت دیا ہے سوائے بدبخت رافضیوں کے کون اس کی قدر کر سکتا ہے۔

کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ سبائی مذہب نہ صرف اسلام کا دشمن ہے بلکہ خود رسول۔ حضرت علی اور حضرات آئمہ سے بھی۔ کوئی ہمدردی نہیں رکھتا۔ ان کو مطعون اور ذلیل کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔ مگر از راہ تقیہ الفاظ ایسے استعمال کرتے ہیں جو جاہل ان کی منقبت پر محمول کر کے خوش ہو جاتے ہیں۔

گلزارِ تبرا

تبرا سبائی مذہب کی محض ایک شاخ ہی نہیں بلکہ مکمل باغ اور گلزار ہے۔ بلکہ سبائی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ یہ بچے کی گھٹی میں پلایا جاتا ہے۔ پالنے میں اس کو لوریاں دی جاتی ہیں گود میں بٹھا کر فضائل سنائے جاتے ہیں مدرسے بٹھا کر پڑھایا جاتا ہے۔ جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو از خود استعمال کرنا سکھایا جاتا ہے۔ چنانچہ سن بلوغ کو پہنچتے پہنچتے وہ اس قدر ماہر ہو جاتا ہے کہ عمر بھر بغیر سوچے سمجھے طوطے کی طرح بچپن کے یاد کرائے ہوئے اسباق زندگی

کے ہر ہر قدم پر دہراتا ہے اور نہیں شرماتا۔ شرمانے کے مواقع آجائیں تو فوراً تقیہ کی کچھلی میں گھس کر رنگ بدل لیتا ہے تاکہ پہچانا نہ جاسکے۔

تبرا کی فقہی تعریف

تبرا یعنی اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے دشمنوں سے اور ان دشمنوں کے دوستوں سے بیزاری رکھے۔

(تحفۃ العوام مقبول ص ۲۲)

ان دشمنوں اور اُن کے دوستوں کو غالباً آپ پہچانتے ہوں گے۔ ان سے بیزاری رکھنے یعنی لعنت بھیجنے کے احکام خدا اور رسول نے کیسے دیئے ہیں۔ اور کس طرح یہ لوگ بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ حسب ذیل روایات سے معلوم ہوگا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ کلمہ توحید سے ماخوذ کلمہ لا الہ الا اللہ نے ہم کو بتلایا ہے کہ پہلے باطل معبودوں سے بیزاری کا اقرار کریں پھر خدائے برحق کی معبودیت کی گواہی دیں۔ چونکہ دوست کا دوست دوست اور دوست کا دشمن دشمن ہوتا ہے لہذا ہمارا عقیدہ موافق فطرت ہے۔ ہر شخص اپنے دوست سے محبت رکھتا ہے اور دشمن سے نفرت اور بیزاری (عقائد الشیعہ ص ۴۷)

چنانچہ محرم کے چالیس دن تولا یعنی محبت کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے اور باقی تین سو چودہ دن تبرا یعنی نفرت و بیزاری کے لئے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ تولا کا حال آپ دیکھ چکے ہیں۔

تبرا کا حکم رسول اللہ نے دیا ہے

وسائل الشیعہ ابواب الامر بالمعروف میں جناب صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ جب دیکھو تم اہل شک و بدعت کو بعد میرے تو ان سے بیزاری ظاہر کرو۔ اور بہت سب و شتم اُن پر کرو تاکہ طمع نہ کریں فساد اسلام میں اور نہ سیکھو بدعت ان کی لکھے گا خدا تمھارے لئے حسنات کو اور بلند کریگا درجات کو آخرت میں۔

(اصلاح الرسوم ص ۳۵۲)

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی یہ نہیں فرمایا ہوگا ہاں عبداللہ بن سبا

کا قول ہوگا۔ کہ الوہیت علی و ائمہ کرام میں شک کرنے والے اور یا علی کی جگہ۔ اللہ اکبر کہنے والے بدعتیوں کو دیکھو تو بہت سب و شتم کر دیعنی جی بھر کے گالیاں دو۔

تبرا کیا ہے

شیعہ چونکہ روشن ضمیر اماموں کے مقلد ہیں اس لئے مستحق اور غیر مستحق تبرا کو خوب جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔ اور بہ تعمیل حکم خدا و رسول و ائمہ ہدی مستحقان لعنت پر ہر دم لعنت بھیجتے ہیں اور شیعوں کی بھیجی ہوئی لعنت کہیں نہیں رکتی۔ یہاں تک کہ جو جو مستحق لعنت لعنت کے خوف سے جہنم کے ساتویں طبق میں جا گھسے گا سو وہاں بھی اُس کے سر پر پہنچ کر گلو گیر ہو جائے گی۔ (شمس الضحیٰ ص ۲۸۶)

بظاہر یہ اشارہ تقیہ کرنے والوں کی طرف ہے جو ڈر کر مستور ہو جاتے ہیں۔ مگر مجتہد صاحب کچھ اور کہنا چاہتے ہیں۔

تبرا کب اور کہاں ہوتی ہے

مخالفین کہتے ہیں کہ آٹھویں محرم کو حلوے پر تبرا پھونکتے ہیں اُسے کھانا حرام ہے تبرا کوئی دعا یا اسم اعظم یا جادو یا ٹوٹا نہیں ہے کہ حلوے پر پھونکا جائے۔ اور شیعوں کو ضرورت نہیں کہ کسی کو دھوکے سے وہ حلوہ کھلا دیں۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ وہ پاک نیاز کسی ناپاک منہ اور غیر مستحق کے پیٹ میں نہ جائے، شیعہ لوگ بہ آواز بلند پکار دیتے ہیں کہ مخالف یہاں سے چلا جائے۔ اگرچہ نکہ حلوے کی حلاوت سے اکثروں کے منہ میں پانی بھر آتا ہے وہ اقرار رسائی کر کے کھا جاتے ہیں۔ (شمس الضحیٰ ص ۳۳۲)

غالباً یہ مولینا بدایونی کی طرف اشارہ ہے جو مجلسوں میں گھسے رہتے ہیں اور تبرا کا اقرار رسائی فرما کر حلوہ کھا جاتے ہیں۔

تبرا کا حکم اماموں نے دیا ہے

جلد ششم بحار الانوار میں ہے۔ حنان اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے انہی دونوں شخصوں کا حال پوچھا جو شیعوں میں مشہور ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اے ابو الفضل کیا پوچھتا ہے۔ ان دونوں کو۔ پس واللہ نہیں مرا ہم میں کوئی مگر غضبناک تھا۔ ان دونوں پر اور نہیں ہے

ہم میں سے کوئی آج تک مگر غضبناک دونوں پر وصیت کرتا ہے۔ ان کا کبیر ہم میں سے صغیر کو۔ بدرستیکہ دونوں نے حق ہمارا چھین لیا اور ہمارے حصے کو ہم سے باز رکھا۔ اور تھے وہ دونوں اوّل وہ جس نے ہم پر ظلم وستم کیا۔ اور ایسا فتنہ ہمارے اوپر اسلام میں برپا کیا جو کبھی بند نہ ہوگا۔ تا آنکہ قائم ہمارے ظہور کریں۔ سر انشاءشین بنیاد ڈالی گئی کسی بلا کی جو ہم اہل بیت پر جاری ہوئی مگر یہ کہ وہ دونوں بنیاد اس کی پہلے قائم کر گئے تھے۔ پس دونوں پر لعنت خدا کی اور ملائیکہ کی اور تمام لوگوں کی (اصلاح الرسوم ص۳۳)

یہ کن دونوں کا ذکر ہے غالباً اب بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تبرائی اشارے عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ محرم کی مجلسوں میں محض قتل حسینؓ کے تذکرے ہوتے ہیں اور یزید اور اس کے عمال کو گالیاں دے لی جاتی ہیں۔ اسی لئے جاہل عوام بڑے خلوص سے اُن میں شریک ہو کر ثواب حاصل کرنے پہنچ جاتے ہیں اور بعض بقول مجتہد صاحب محض حلوے اور تبرک کے لالچ میں نکالے جانے پر بھی نہیں اُٹھتے حالانکہ اس وقت کھلے بندوں تبرا کا موقع ہوتا ہے۔ انہی بے حیا سنیوں کی موجودگی کی وجہ سے جو اہل مجلس کے لئے تکلیف ہو جاتی ہے یعنی کھلم کھلا تبرا کرتے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی سر پھرا مارنے مرنے پر نہ تل جائے مجبوراً انہیں اشاروں کنایوں میں بات کرنا پڑتی ہے اور یہی اشارے ان مجلسوں کی جان ہوتے ہیں۔ جو مجتہد زیادہ اچھے اشارے کرتا ہے وہی زیادہ مقبول ہوتا ہے۔ اسی کو خطیب اعظم کا خطاب ملتا ہے وہ ایسی سج دھج سے مجلس میں آتا ہے کہ:۔

سر پر عمامہ کالا ہے کالی قبا بھی ہے　　کالا ہی دل ہے کالی ہی دل کی فضا بھی ہے

کالا ہی اس کے چہرے پہ نور خدا بھی ہے　　نورانیوں کے حق میں یہ کالی بلا بھی ہے

چلتا ہے جبرئیل کے پر تولتا ہوا

اردو زبان میں عربی بولتا ہوا

یہاں ہم کاتب حسین صاحب کے ایسے ہی چند اشارے درج کرتے جن کو حضرت بدایونی حضور قلب سے سنتے اور برداشت کرتے ہیں اور دوسرے سنیوں کو بھی شرکت کی ترغیب دیتے ہیں اور اسے اتحاد بین المسلمین قرار دے رکھا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ آئیں گے تو اُن کے چہرے نورانی ہوں گے اور کچھ لوگوں کے منہ کالے ہوں گے۔ یہ وہی ہیں جو ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔ یہ وہ نہیں ہیں جو پہلے ہی سے کافر تھے۔ بلکہ آیت اس بیان میں صاف ہے کہ پہلے مومن ہوئے پھر کافر۔ تو اب کسی کا سابق الاسلام ہونا سببِ فخر نہیں بلکہ یہ ثابت کیجئے کہ آخر تک ایمان پر کون باقی رہا۔ اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ (مجالس الشیعہ ص۳۵)

یہاں نام نہیں لیا گیا ہے۔ کچھ لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو پہلے مسلمان رہے پھر کافر ہو گئے۔ مگر سابق الاسلام کا لفظ استعمال کر کے واضح کر دیا گیا ہے کہ مجتہد صاحب کس پر تبرا کر رہے ہیں۔ سنی اعتقاد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سابق الاسلام تھے۔ مگر شیعہ دعویٰ ہے کہ وہ خلافت علی غصب کر کے کافر ہو گئے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:-

وہ لوگ جن کو کہتے ہیں شیعانِ مرتضیٰ — سچ پوچھئے تو وہ ہیں عدوانِ مصطفیٰ

قرآن پر بھی ان کو بھروسہ نہیں رہا — اور دل میں یہ بھی شک ہے کہ سچی نہ ہو خدا

مذہب یہی ہے اُن کا یہی روزمرہ ہے

کھاتے ہیں جن کی روٹیاں اُن پر تبرا ہے

(۲) لائے تو تھے اسلام چوتھے یا پانچویں نمبر پر مگر نتیجہ نہ دیکھا کہ شدید کس پر تھے۔ نام کیوں لوں مگر تاریخ میں یوں ہے کہ بعض لوگوں کی کفار نے نعلِ عربی سے اتنی خبر لی کہ منہ بگڑ گیا۔ چند دن صورت بھی نہ پہچانی جاتی تھی۔ (مجالس الشیعہ ص۳۵)

یہ چوتھے پانچویں نمبر پر مسلمان ہونے والے بزرگ جن کا منہ عربی جوتے کھا کھا کر بگڑ گیا تھا۔ آپ ہی کے بزرگ تھے۔ ان کا نام لیتے مجتہد صاحب ڈرتے ہیں۔ مگر حاضرین مجلس سمجھ گئے ہیں یہ داماد رسول حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا ذکر ہے۔

(۳) رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ۔ آپس میں بہت مہربان ہیں۔ کیا وہ مصداق ہیں جو عمر بھر رسولؐ کی مخالفت پر کمر باندھے رہے یہاں تک کہ آخری وقت جس عالم میں غیر بھی مریض کی دل شکنی نہیں کرتے۔ مگر آنجناب نے اس وقت بھی رسولؐ پر رحم نہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں لاؤ قلم دوات کہ میں کچھ لکھوا دوں اور یہ

فرماتے ہیں کہ ہرگز قلم دوات نہ دینا۔ (مجالس الشیعہ ص۵۵)

یہاں اشتباہ کی گنجائش نہیں رکھی ہے۔ پھر بھی نام نہ لینے کی وجہ سے جاہل سنی سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ کس کی طرف اشارہ ہے۔ کس نے عدول حکمی کی۔ اور قلم دوات نہ دیا وہاں حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ حضرت عباسؓ حضرت عقیلؓ بھی موجود تھے۔ مگر یہاں صرف حضرت عمرؓ پر تبرا لازم ہے۔ ہم بھی مجالس میں یہ باتیں سنتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ مردوں کو گالیاں دینے سے ان کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے حضرت عمرؓ پر لعنت بھیجنے والوں کی نیکیاں حضرت عمرؓ کو مل جاتی ہیں اور قیامت تک ملتی رہیں گی۔ اور گالیاں دینے والے رو سیاہ ہونگے۔

(۴) حماد بن عثیم کا اگر کچھ اور مرقع دیکھنا ہو تو چاہئے فاطمہ کا مجروح پہلو دیکھ لیجئے۔ چاہے علی کے گلے میں رسی دیکھ لیجئے اور چاہے رسول کی اکلوتی بیٹی کے ہاتھ سے فدک کا پروانہ پھاڑ ڈالنے کو دیکھ لیجئے۔

(مجالس الشیعہ ص۲۱)

یہ مظالم بھی حضرت عمرؓ سے منسوب ہیں ان کی تشریح ہم باب تولا میں کر چکے ہیں یہاں صرف اس قدر کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان اشاروں کو سنتے ہی حاضرین مجلس ایک کوک مارتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں وہ رو رہے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ کس نے ایسے مظالم جناب شیر خدا پر فرمائے۔ اور شیر خدا اس طرح بکری کیوں بن گئے جو گلے میں رسی ڈلوا کر سارے شہر میں تماشہ دکھاتے پھرے۔ اہل مجلس شیون بلند کرتے ہیں اور لعنت لعنت چیخنے لگتے ہیں اور آپ خاموش بیٹھے دیکھتے رہتے ہیں کچھ نہیں سمجھتے۔

آغا سلطان مرزا چونکہ مجتہد نہیں ہیں وہ اپنی تبرا بجائے نازک اشاروں میں چھپانے کے قانونی زبان کے ہیر پھیر میں چھپاتے ہیں اور کبھی کبھی برملا بھی جو جی میں آئے کہہ جاتے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) بہت سے صحابی ایسے تھے جو جاہل محض تھے اور بغیر سوچے سمجھے فتوے صادر کر دیتے تھے۔ اور وہ غلط ہو جاتے تھے۔ حضرت ابوبکر جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اول قرآن شریف کی طرف رجوع کرتے۔ اگر وہاں جواب نہ ملتا تو سنت رسول خدا کی طرف رجوع کرتے اور اگر وہاں بھی جواب نہ ملتا تو جو اصحاب رسول موجود ہوتے ان سے مشورہ کرتے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان

نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا۔ اب یہ تو نا ممکن ہے کہ کتاب اللہ جیسی جامع کتاب
میں کسی مسئلہ کے لئے حکم نہ ہو۔ یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بزرگوں میں کتاب
الٰہی میں سے اخذ احکام کرنے کی قابلیت نہ تھی (البلاغ المبین ص ۲۴۳)

یہ ایک رافضی سشن جج کا حوصلہ ہے کہ صحابۂ کرام کو برملا جاہل کہتا ہے۔ ان کی کمزوری بتلاتا ہے کہ قرآن سے اخذ احکام کی صلاحیت نہ تھی۔ حالانکہ خود قرآن سے نابلد ہے بلکہ اس کے اجداد نے بھی کبھی قرآن کھول کر نہیں دیکھا۔ دیکھئے کیسے شیعہ قرآن تو امام غائب لے بھاگے جو بارہ سو سال سے مفقود الخبر ہیں۔ رافضی ان کو قرآن لانے کے لئے بلاتے رہتے ہیں۔ عجل اللہ فرجک و سہل اللہ مخرجک یا شریک القرآن۔ یعنی اے قرآن لادے لادے پھرنے والے امام صاحب اللہ آپ کا نکلنا آسان کرے اور جلد آپ کو نکالے۔ گویا امام صاحب ماں کے پیٹ میں قرآن کی ہمراہی کی وجہ سے پھنس گئے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ پہلے قرآن کو باہر دھکیل دو۔ پھر خود نکل آنا یا خود نکل آؤ قرآن نکلتا رہے گا۔ فرماتے ہیں حدیث الثقلین میں ہے کہ قرآن اور اہل بیت کبھی جدا نہ ہوں گے۔ تو اب آپ ہی جانے جدا نہ ہوں گے تو نکل بھی نہ پائیں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

مصری کتابیں جلانے کا بہتان

ایک جگہ لکھتا ہے۔ ایک نہایت قیمتی مشورہ حضرت علی نے حضرت عمر
کو دیا کہ اسکندریہ کی لائبریری کو نہ جلایا جائے۔ بلکہ اس کی کتابوں کو محفوظ
کرلیا جائے (البلاغ المبین حصہ دوم ص ۹۰)

بظاہر اس میں تبرا کی گنجائش نہ تھی مصر کے کتب خانے سے رافضیوں کو کیا کام مگر نہیں وہ عمرؓ کو بدنام کرنے کے لئے جو بھی بات بنا سکیں گے بنا کر پیش کر دیں گے اچھا چلئے۔ تسلیم کریں کہ حضرت عمرؓ نے مصر فتح کیا اور وہاں کی کتابیں اپنی لاعلمی کی وجہ سے جلانے بیٹھ گئے۔ مگر یہ مولا علی ان کو منع کرنے کیسے پہنچے۔ آپ کو اپنے دشمن غاصب خلافت کو نیک مشورہ دینے کا مشورہ کس نے دیا۔ اپنے گلے کا پھندا بھول گئے۔ فاطمہ کا مجروح پہلو یاد نہ آیا۔ اور سقط محسن کا بھی خیال نہ کیا۔ مشورہ دینے پہنچ گئے۔ دیکھئے آغا صاحب آپ پڑھے لکھے بھی ہیں پھر سشن جج بھی رہ چکے ہیں۔ قانونی داؤں پیچ بھی جانتے ہیں پھر ایسے جھوٹ کیوں پیش کرتے ہیں۔ جنہیں خود آپ کے بزرگ جھٹلا دیں آپ کا یہ افترا ایک آپ سے بڑا جج ہائیکورٹ جھٹلا چکا ہے

شاید آپ نے عام تاریخوں کے علاوہ سید امیر علی کی تاریخ اسلام بھی کبھی پڑھنے کی زحمت نہیں فرمائی وہ لکھتا ہے۔ اور خود شیعہ ہوتے ہوئے لکھتا ہے:۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا جانا بالکل بے اصل اور جھوٹا واقعہ ہے۔ قیصر جولیس اور شہنشاہ تھیوڈیس نے وہاں چھوڑا ہی کیا تھا جو مسلمان ساتویں صدی میں جاکر برباد کرتے۔ مصری کتابیں قبل مسیح اور چوتھی صدی عیسوی میں تباہ کر دی گئی تھیں (تاریخ اسلام ص ۲۵)

علامہ حتی تاریخ ملت عربی میں لکھتے ہیں یہ صرف ایک رافضی عبداللطیف بغدادی کی شرارت ہے جس نے پہلی بار یہ کہانی لکھ کر ۱۲۳۱ء میں مشہور کی اور بعد کے مصنفوں نے اس پر حاشیہ آرائی کی۔ (ص ۲۵۲)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مدفن

اسی طرح کی ایک اور شرارت کا نمونہ دیکھئے اور سبائی ذہنیت کی خباثت کا اندازہ لگائیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان کے مذہب کی بنیاد بغض اصحاب اور ازواج رسول پر ہے۔ ان کو بدنام کرنے کے لئے یہ ذلیل سے ذلیل جھوٹ بولنے اور بہتان لگانے سے نہیں چوکتے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان تو مسلمان بے دین ہندو اور عیسائی بھی ان کی روایتوں کو پڑھ کر شرم سے سر جھکا لیتے ہیں مگر ان کو غیرت نہ آنا تھی نہ آئی۔ کوئی سمجھانے کی کوشش کرے تو اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اسے بھی لعنت ملامت کا مرکز بنا لیتے ہیں جیسا کہ عباسی صاحب کے ساتھ کیا جا رہا ہے عنوان بالا پر ایک رافضی روایت سنئے اور پھر دوسرے مجتہد صاحب کی تردید دیکھئے۔ پہلا حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف جذبات ابھارنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرا شاہ سعود کے خلاف سنیوں کو ورغلانے کے لئے اپنے بزرگ کو جھٹلاتا ہے۔ اور ازواج رسول کا ہمدرد بن جاتا ہے۔

کتاب حبیب السیر و ربیع الابرار میں ہے کہ ۵۵ھ میں معاویہ یزید کے لئے بیعت لینے مدینہ آیا اور امام حسین۔ عبدالرحمن بن ابی بکر و عبداللہ بن زبیر کو رنجیدہ کیا۔ اس وقت عائشہ نے (یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ) زبان طعن و ملامت معاویہ پر کھولی۔ معاویہؓ نے اپنے گھر میں ایک چاہ کھدوایا اور اس چاہ کے منہ کو خاشاک سے پوشیدہ کر دیا

اور اُس پر ایک کرسی آبنوس کی بچھوائی بعد ازاں عائشہ کو بہ بہانہ
ضیافت طلب کیا اور اس کرسی پر بٹھایا تا عائشہ اُس چاہ میں گر پڑی اور
معاویہ اُس چاہ کے منہ کو چونہ اور بچ سے مستحکم کر کے مکہ کو چلا گیا۔
(ایقاظ النائمین ص۳۰ وکنز المطاعن ص۴۴۳)

مگر سید العلما سید علی نقوی کو ضرورت پڑتی ہے کہ بدایونی قسم کے ملاؤں کو
بلا کر شاہ سعود اور اُس کی قوم پر لعنت بھیجے تو ایک رسالہ موسومہ قبہ وقبور تالیف کرتا ہے
جس میں سارے اماموں معصوموں اور مظلوموں کے قبوں کو کھود پھینکے جانے کا ذکر کرنے
کے بعد سُنیوں کی غیرت کو للکارتا ہے۔

"جنت البقیع وہ مقام ہے جہاں اصحاب رسول ازواج رسول
اولاد رسول۔ اقربائے رسول۔ آئمہ دین، آئمہ علم، غرض ہر وہ گروہ جو اسلامی
نظر سے معزز ہے اور جس کی عظمت مسلمانوں کے لوح دل پر نقش ہے مدفون ہے۔"
(قبہ وقبور ص۴۳)

دیکھئے مجتہد صاحب کے دل میں اصحاب رسول وازواج رسول کا کتنا قلق ہے
کس محبت سے جنت البقیع کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں۔ امہات المومنین یعنی ازواج رسول کی قبریں اسی بقیع
میں تھیں۔ چنانچہ وقت وفات حضرت عائشہ نے فرمایا کہ مجھکو وہیں بقیع
میں دفن کرنا جہاں میری اور بہنیں (ازواج رسول) دفن ہیں۔ چنانچہ اسی
وصیت کی بنا پر جناب عائشہ بھی عام روایت کے مطابق جنت البقیع میں
دفن ہیں۔ (قبہ وقبور ص۴۶)

آپ کہیں گے کہ اس مجتہد کو اصحاب وازواج رسول سے ہمدردی نہ بھی ہو
تو کم سے کم یہ واقعات دیانت داری سے سپرد قلم کر گیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اُس کے
آخری فقرے میں عام روایت کے شوشے سے اُس نے سبائیوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ
میرا ایمان تو وہی ہے جو تمہارا ہے۔ یہاں مصلحتاً اس طرح لکھنا پڑ رہا ہے تا کہ عام مسلمان
یعنی سنی بھی شاہ سعود کو قبے کھدوانے پر گالیاں دیں جس طرح بدایونی صاحب جنت البقیع
کے قبوں کے تڑوانے سے ناراض ہیں کہ وہاں جا کر قبروں کی پوجا نہ کر سکے۔

حالانکہ شاہ سعود نے فرمان نبوی کے مطابق صرف وہ قبّے گروا دیئے جو مندروں کی طور پر متولیوں اور مجاوروں کے قبضے میں تھے اور پیٹ پالنے کے دھندے کے طور پر استعمال کئے جا رہے تھے۔ جہاں ناچ گانے اور قوالیاں ہوتی تھیں اور دیغیں اُترتی تھیں خود رسول اکرم نے فرمایا ہے۔

خدا کی لعنت یہود و نصاریٰ پر کہ انبیاء کی قبروں کو مسجد قرار دے لیا ہے	لعن اللہ الیہود والنصاری اتخذوا قبور انبیائہم مساجد۔

تو معمولی اکابرین کی قبروں کی پوجا کے لئے اُن کے مقابر قایم رکھنا اور بے دینی پھیلانا ایک سچے مسلمان بادشاہ کو کیسے گوارہ ہو سکتا تھا۔

معلوم نہیں نقوی صاحب حضرت امام العصر کے خانہ کعبہ اور دیگر مینار والی مسجدوں کے انہدام پر بھی اعتراض رکھتے ہیں یا اُسے ضروری سمجھتے ہیں۔

تبرائی دعائیں

ناظرین کی واقفیت کے لئے چند شیعہ دعائیں نقل کرنا بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اوّل تو مذہب چھپایا جاتا ہے جس سے عوام کو آج تک پتہ نہ چل سکا کہ اصل میں اس مذہب کا کیا ہے۔ دوسرے مجتہدین و شیعہ علما کے مفاد کے خلاف ہے کہ مذہبی اعمال سے ہر کس و ناکس کو واقف کر دیا جائے تاکہ ان کی دست نگری اور ہدایت، خوشی، ختم ہو جائے۔ چنانچہ مولانا نجم الحسن کراروی لکھتے ہیں۔

واضح ہو کہ مذہب حقہ اثنا عشری میں اس قدر وظائف و اعمال ہیں کہ یہ مختصر تحفۃ العوام ان کے لکھنے کی گنجایش رکھتا ہے۔ نہ ہر شخص اُن کے عشر عشیر کو بھی بجا لا سکتا ہے۔ (تحفۃ العوام مقبول ص ۵۷)

یعنی مذہب کی اجارہ داری پنڈتوں اور پروہتوں کے ہاتھوں میں رہنا ضروری ہے سیکڑوں اعمال اور ہزاروں دعائیں اسی لئے داخل مذہب کی گئی ہیں کہ آدمی دیکھ کر گھبرا جائے اور ان پر عمل کرنا ناممکنات سے سمجھ لے پھر آسان نسخے نجات کے مولویوں سے پوچھے تو وہ بتلائیں کہ میاں محرم میں چند آنسو بہانے سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ شب غدیر میں گناہ کرنے سے وہ شمار میں نہیں آتے۔ زیارت امام حسین پڑھنے سے سیکڑوں حج کا ثواب مل جاتا ہے۔ اور آدمی چالیس سال قبل حشر و نشر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

اعمال شب عاشورہ۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول

ہے کہ جو مومن شب عاشورہ زیارت امام حسین بجا لائے ایسا ہے کہ
ہمراہ حضرت کے شہید ہوا ہو۔ اور اگر شب بیداری کرے اور باگریہ وزاری
رہے تو ایسا ہے کہ عبادت جمیع ملائکہ اور ثواب ستر برس کے عمل خیر کا
واسطے اس کے لکھا جائے گا۔ (تحفۃ العوام مقبول ص ۲۱۴)

زیارت عاشورہ بہت طویل ہے اس میں چند سلام ہیں اور باقی تبرا یعنی یزید
پر لعنت اور پھر ان کی قوم پر لعنت۔ اُن کی اولاد پر لعنت اور اُس اُمت پر لعنت جو اُن کو خلیفہ
جانے درج ہے۔ اور اُس کے فضائل وہ ہیں جو اوپر درج ہیں۔ زندگی میں صرف ایک بار
پڑھ لینے سے امام حسین کے ساتھ شہید ہونے کا مرتبہ مل جاتا ہے۔

لیکن اگر یہ طویل دعا پڑھی بھی نہ جا سکے اور وہی مراتب حاصل کرنا مقصود ہو تو
رافضی علامہ مجلسی کی بتائی ہوئی حسب ذیل دعا سو بار پڑھے۔

اَللّٰھم العن اوّل ظالم۔ ظلم حق محمّدٍ وآل محمّدٍ وآخر تابع لہ علیٰ ذالک اللّٰھم العن العصابۃ التی جاھدہ الحسین صلوٰۃ اللہ علیہ وشایعت وبایعت وتابعت علیٰ قتلہ۔ اللّٰھم العنھم جمیعاً۔ (تحفۃ العوام مقبول ص ۲۱۵)	اے اللہ لعنت بھیج پہلے ظالم پر جس نے محمد اور آل محمد کا حق غصب کیا اور اُس کے بعد ہونے والے خلیفاؤں پر بھی اُسی طرح سے۔ اے اللہ لعنت بھیج اُس جماعت پر جس سے حسین صلوٰۃ اللہ علیہ نے جنگ کی۔ اور ان پر جنھوں نے حسین کے قتل میں حصّہ لیا۔ شرکت کی یا تائید کی۔ اے اللہ ان سب پر لعنت بھیجتا رہ۔

اس میں حضرت ابوبکرؓ سے لے کر موجودہ دور کے بدایونی تک سُنّی مسلمان شامل ہیں۔

دعائے صنمی قریش

ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک رات نماز کے بعد امیرالمومنین کو کچھ دعائیں پڑھتے سُنا۔ پوچھا یہ کیا دعا تھی۔ فرمایا
دعا صنمی قریش ہے۔ قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضے میں محمد اور علی کی جان
ہے جو شخص اس دعا کو پڑھے۔ اس کو ایسا ثواب ہو گا گویا اس نے آنحضرت
کے ساتھ جنگ اُحد میں اور جنگ تبوک میں جہاد کیا اور حضرت کے روبرو
شہید ہوا۔ نیز اس کو ثواب سو حج اور عمرے کا ملے گا۔ حضرت کے ساتھ

بجا لائے گا۔ اور ہزار مہینوں کے اور دن کا ثواب حاصل ہوگا اور قیامت
میں اس کا حشر جناب رسالتمآب اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ ہوگا۔
اور خداوند عالم اُس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ اگرچہ بعدد ستارہ ہائے
آسمان و ریگ ہائے صحرا اور برگ ہائے درختاں ہوں۔ اور وہ شخص عذاب
قبر سے امان میں ہوگا۔ اُس کی قبر میں ایک دروازہ بہشت کا کھول دیا جائیگا۔
جس حاجت کے لئے پڑھے گا پوری ہوگی۔ (تحفۃ العوام ص۱۰۵)

یہ دُعا کے فضائل بیان ہو رہے ہیں یا اللہ میاں کے ثواب کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ اس کا اندازہ خود صاحب شعور ناظرین کریں۔ مگر اتنا ضرور واضح ہوگیا ہے کہ شیعہ مجتہدوں نے ایسی ہی مفسدہ پرداز روایتوں سے شیعوں کے دلوں سے دین و مذہب خدا اور رسول۔ امام اور معصومین سب کی عزت ختم کر دی ہے اور ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ سمجھتے ہیں جب بھی کوئی تبرائی دُعا پڑھیں گے ساری عمر کی عبادت ادا ہو جائے گی۔ گویا ثواب بھی بھوسی ٹکڑوں کی طرح ٹوکروں میں بھر بھر کے تقسیم ہوگا۔ اور شیعہ اُسے ساتھ لیکر پہنچیں گے۔

اس صنمی قریش والی دعا میں ہے۔ اللّٰھم صل علی محمد وال محمد۔ اللّٰھم العن صنمی قریش وجبتیہا وطاغوتیہا وافکیہا۔ وغیرہ وغیرہ طویل لغویات حضرت علی کے منہ سے ادا کروائی گئی ہیں۔

پہلے جملے ہی کو دیکھئے اے اللہ محمد پر صلوٰۃ بھیج اور اس کی آل پر صلوٰۃ بھیج اور اے اللہ صنمی قریش پر لعنت بھیج یہ صنمی قریش ان کی زبان میں خلفائے ثلاثہ ہیں اور باقی سب اُن کے دوست اور ان کے ساتھی ہیں جن پر حضرت علی لعنت بھیج رہے ہیں جس سے مذہب بنانے والوں کی دلی خباثت کا اندازہ ہوتا ہے۔

باب متعہ متعہ نہ اصول دین میں ہے نہ فروع دین میں مگر مذہب شیعہ میں اس کا مرتبہ سب اعمالِ حسنہ سے بلند ہے۔ اور اس کا ثواب نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور جہاد سب سے زیادہ ہے۔

متعہ کے فقہی مسائل حدیث میں فرمایا کہ عذاب نہ کیا جائیگا وہ مرد اور وہ عورت کہ متعہ کرے۔ کیونکہ یہ حرام سے اپنے اختیار سے بچا مگر عورت عفیفہ ہو۔ شوہر دار نہ ہو (تحفۃ العوام)

۵۔ فائدہ ۷:۔ جاننا چاہیئے کہ متعہ کرنا زنِ مسلمہ یا اہل کتاب یعنی یہودیہ یا نصرانیہ سے درست ہے اور زنِ بت پرست اور ناصبیہ اور خارجیہ سے درست نہیں۔ مگر اہل کتاب کو منع کرے کہ اکل نجاست اور شراب و خمر وغیرہ سے اور نہ جانے دے اُن کو معابد میں اُن کے اور کسی کی کنیز سے بغیر اجازت اُس کے آقا کے متعہ درست نہیں۔ اور اگر زوجہ منکوحہ حرّہ کی بھانجی بھتیجی سے متعہ کرے تو اجازت زوجہ درکار ہے۔ اور زنِ زانیہ یا فاحشہ سے خصوصاً بازاری کسبیوں سے جن کا پیشہ ہے متعہ کرنے سے حضرات معصومین نے ڈرایا ہے۔ مگر یہ توبہ کرلیں تو جائز ہے۔

(تحفۃ العوام مقبول ص۳۳۷)

یہاں قابل غور باتیں پھر سن لیجئے :۔

۱۔ متعہ کرنے والے مرد اور عورت پر عذاب نہ کیا جائے گا یعنی معصوم ہوجاتے ہیں۔

۲۔ متعہ عفیفہ و پاکباز شیعہ عورتوں سے کرنا چاہیئے۔ نہ ملیں تو یہودیہ و نصرانیہ سے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن آئمہ کرام نے مشرکہ بت پرست ناصبیہ یعنی سنّی عورتوں سے متعہ حرام بتایا ہے غالباً حضرت عمر کے ڈر سے جنھوں نے متعہ حرام کر دیا تھا۔

۳۔ بیوی کی بھانجی بھتیجی پر دل آجائے تو بیوی کی اجازت سے بغیر اُس کے ماں باپ کے اطلاع کے بھی متعہ کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ بازاری عورت سے متعہ کرنا ہو تو اُس سے توبہ کرا لینا چاہیئے۔ اور نہ کریں تو ڈرتے ڈرتے متعہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اماموں نے ڈرایا ہے۔

۶۔ زنِ ممتوعہ صغیرہ اور نادیان اور مرتدہ اور مطلقہ باین کا نفقہ ساقط ہے اور زنِ ممتوعہ کا سوائے زرِ مہر کے کوئی حق ذمّہ شوہر کے نہیں ہے۔

(تحفۃ العوام ص۳۴۲)

یہ دوسری سہولتیں ہیں یعنی صغیرہ و نافرمان بیویاں اور متاعی عورتیں نان نفقہ کا حق نہیں رکھتیں غالباً یہ بیوی کی بھانجی بھتیجی سے متعلق ہے جس سے ماں باپ کی اطلاع کے بغیر بیوی کی اجازت سے متعہ ہوا تھا۔ ظاہر ہے چھوٹی بچیاں خالو جان یا پھوپھا میاں سے

نفقہ طلب نہیں کر سکتیں نہ گھر جا کر اماں ابا سے شکایت کر سکتی ہیں پھر نفقہ کون دلائیگا۔
ان کے لئے وہی زر مہر کافی ہے جو خالو جان دے دیں۔

فائدہ ۳۔ تمام ہونا مدت متعہ کا یا بخش دینا بقیہ مدت کا زن متوعہ کو بجائے طلاق ہے۔ پس عورت علیحدہ ہو جائے بغیر طلاق کے اور اتنی مدت تک عدت رکھے کہ حمل کا شبہ جاتا رہے۔ اور ان میں سے ایک دوسرے کو میراث نہ ملے گی۔ (تحفۃ العوام صـ ۳۴۳)

متعہ چونکہ مرد عورت کا باہمی معاہدہ ہوتا ہے جس میں وکیل اور گواہ کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے طلاق کی بھی شرط نہیں ہے۔ البتہ بقیہ حصہ معاف کر دایا جا سکتا ہے۔ مثلاً شب بھر کا متعہ بعوض مہر مبلغ بیس ۲۰ روپیہ سکہ رائج طے پایا تو نصف شب کے بعد عورت کو اجازت ہے کہ باقی حصہ رات کا معاف کرالے اور اپنے گھر چلی جائے تاکہ والدین خفا نہ ہوں۔ مگر یہ نہیں کہ وہاں سے جا کر فوراً دوسرا متعہ کر لے۔ اسے عدت گزارنا چاہیئے۔ یہ عدت کیا ہے۔ علامہ نقی النقوی کی معرکتہ الآرا کتاب متعہ اور اسلام میں ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی سے سنئے۔

ابو بصیر کی روایت ہے کہ شرائط متعہ میں ضروری ہے کہ مرد عورت سے کہے میں تجھ سے شادی کرتا ہوں بطور متعہ اتنے دنوں کے لئے اتنے مہر پر شرعی طریقے سے بغیر عنوان غیر مشروع کے کتاب خدا وسنت نبی کے مطابق اس طرح کہ تجھے میری میراث نہیں ملے گی اور نہ میں تیرا وارث ہونگا۔ اور تجھکو افتراق کے بعد ۴۵ دن عدۃ رکھنا ہوگا۔

(متعہ اور اسلام صـ ۹۴)

یعنی متعائی عورت سوائے زر مہر کے اور کسی چیز کی حقدار نہیں ہوتی، جیسے واجد علی شاہ تاجدار اودھ قید ہو کر جیل گئے اور ان کی چار پانچ سو ممتوعائیں اپنے اپنے ماں باپ کے گھر جا کر آبائی پیشہ کرنے لگیں۔ رنڈیوں۔ کہاریوں۔ بھنگنوں، دھوبنوں اور ڈومنیوں کا۔ انھیں شاہی ورثہ میں کچھ نہیں ملا (پریخانہ۔ واجد علی شاہ اختر لکھنوی)

اور عدت کا معاملہ جو نقوی صاحب نے ۴۵ دن بتایا ہے اتنا سخت نہیں ہے اس میں کمی زیادتی کی بڑی گنجائش ہے۔ دوسری حدیث سنیئے۔

پس واضح ہو کہ اگر متعہ میں مہر اور مدت معین نہ ہوں تو متعہ باطل ہے جیسا حدیث جناب صادق علیہ السلام میں ہے۔ اور مقدار مہر و تعین مدت حسب مراضی طرفین ہوگی۔ ہر چند مہر ایک کف آرد گندم ہو یا ایک درہم اور عدۃ پینتالیس روز ہیں اور احتیاط اس میں ہے کہ پینتالیس شبیں بھی دن میں شامل ہوں، جیسا امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں، اور قبل انقضائے مدت عدت دوسرے شخص پر اس سے نکاح یا متعہ حرام ہے۔

(اصلاح الرسوم ص۱۴۴)

اِن روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کی شرطیں آسان اور لوچدار ہیں متعہ کی مدت ایک گھنٹہ سے لیکر ایک ہفتہ، ایک ماہ، ایک سال یا ایک صدی بھی ہو سکتی ہے مگر عورت کے حقوق منکوحہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ متعہ کا مہر، مہر فاطمی سے بھی کم ہے یہ چٹکی بھر آٹے اور ایک چونی سے بھی ادا ہو سکتا ہے۔ اور رہی عدت تو اس کے لئے ۴۵ دِن بارہ بارہ گھنٹے کے بھی شمار کئے جا سکتے ہیں یعنی ۲۳ دن اور ۲۲ راتیں تیئیسویں رات دوسرے متعہ کا انتظام ہو سکتا ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ ۴۵ دن رات صبر کیا جائے، لیکن عمر رسیدہ عورتوں کو کچھ مزید رعائتیں حاصل ہیں۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ متعہ میں بھی لحاظ عدت ضروری ہے تا ختم عدۃ دوسرے شخص سے وہ عورت متعہ نہیں کر سکتی مگر جو عورت ساقط الحیض ہے اس کے لئے عدت کا دیکھنا ضروری نہیں بعد ختم میعاد دوسرے شخص سے متعہ کر سکتی ہے۔ (شمس الضحیٰ ص۲۳۸)

یعنی چالیس سال کی عمر کے بعد ساری پابندیاں اٹھ جاتی ہیں کیونکہ حمل کا خطرہ نہیں رہتا ایسی عمر والی ہر شب نیا متعہ کر سکتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ متعہ کے ثواب کو دیکھتے جتنے زیادہ متعہ کرے گی اتنی ہی زیادہ پاکباز اور عفیفہ مومنہ سمجھی جائیگی۔ وہ دن کو بھی نیا متعہ کر سکتی ہے۔ اس لئے سال میں تین سو پینسٹھ کے بجائے ۷۳۰ متعہ کرے تو زیادہ ثواب ہے۔

متعہ دوریہ

متعہ دوریہ کے جائز ہونے سے علامہ نقوی اپنی کتاب متعہ اور اسلام میں انکار فرماتے ہیں۔ آپ نے بڑی لمبی چوڑی صفائی پیش فرمائی ہے۔

متعہ کے مسئلہ میں علمائے شیعہ کے متعلق جو تہمت طرازیاں کی۔

گئی ہیں اُن کی فہرست طویل ہے لیکن عجیب وغریب حیرت انگیز اور انتہائی شرمناک اتہام جو کہا جاسکتا ہے وہ یہ کہ شیعوں کے یہاں متعہ دوریہ کا وجود ہے۔ یعنی ایک عورت سے متعدد مرد بوقت واحد متعہ کر سکتے ہیں اس طرح کہ از اوّل یہ قرار داد ہو کہ صبح سے ظہر تک مثلاً وہ ایک کے پاس اور ظہر سے عصر تک دوسرے اور عصر سے مغرب تک تیسرے اور اسی طرح متعدد اشخاص کے پاس باری باری رہتی رہے۔ یہ ہے متعہ دوریہ جو مخالفین متعہ کے دل و دماغ کی ایجاد اور اُن کے نفسانی خیالات کی پرواز کا نتیجہ ہے لیکن جس کا پتہ علمائے شیعہ کی کتب فقہ اور مسانید حدیث و اخبار سے نکال دینا ویسا ہی ناممکن ہے کہ جیسے مغرب سے طلوع آفتاب (متعہ اور اسلام ص۴۳)

مگر معلوم ہوتا ہے کہ نقوی صاحب اپنے بزرگوں کو جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس نکاح دوریہ کا ثبوت ان کی ہر مذہبی کتاب میں موجود ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری مصائب النواصب میں اس کو جائز لکھتے ہیں۔ نقوی صاحب بتلائیں کہ شوستری جھوٹا تھا یا آپ جھوٹے ہیں۔ سید مہدی علی مؤلف آیات بینات نے بھی شیعہ سے سنی ہو کر اسی اعتقاد کی مذمت کی ہے۔

آپ کہیں گے متعہ کی یہ خوبیاں تو کچھ بھی نہ ہوئیں محض زناکاری کو حلال کر دینے سے تو کوئی صاحب ہوش باایمان انسان اس مذہب کو اختیار نہیں کر سکتا پھر کیسے یقین کیا جائے کہ نواب رامپور محض متعہ کی خاطر رافضی ہو گیا تھا۔ اور نظام حیدرآباد نے جب اس کے حرم کی تعداد پچاس سے اوپر ہو گئی تو خود کو شیعہ مشہور کر دیا اور اس طرح چار سے زیادہ بیویوں کا جواز پیدا کر لیا۔ ظاہر ہے برطانوی حکومت کے زمانے میں وہ لونڈیاں اور کنیزیں نہیں کہہ سکتا تھا۔ جن کی خرید و فروخت انگریزوں نے بند کرادی تھی۔ مگر متعہ کے معاملے میں وہ بھی دخل نہیں دے سکتے تھے۔ اچھا تو اب وہ فضائل سنیئے جن سے جاہل لوگوں کے منہ میں پانی آجاتا ہے اور وہ اپنا مذہب چھوڑ کر شیعہ بن جاتے ہیں۔

متعہ کے فضائل ۱۔ ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ

متعہ کرنے والے کو ثواب ہے فرمایا کہ اگر رضائے خدا در مخالفت اس کے منکر کی مطلوب ہو تو عورت سے کوئی کلام نہ کرے گا مگر بعوض اس کے خدا ایک حسنہ اس کے اعمال میں لکھے گا۔ اور اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیگا مگر ایک حسنہ اس کے اعمال میں لکھے گا۔ اور جب اُس سے مقاربت کرے گا تو خدا اس کا ایک گناہ بخشے گا۔ اور جب غسل کرے گا تو خدا بقدر بال کے جن پر پانی جاری ہوگا گناہوں کو بخشے گا میں نے کہا بقدر بالوں کے فرمایا کہ جب جناب رسول خدا کو معراج ہوئی تو فرمایا کہ مجھ سے جبرئیل ملحق ہوئے اور کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں نے بخش دیا متعہ کرنیوالوں کو جو تمہاری اُمت سے عورتوں کے ساتھ متعہ کرتے ہیں (ص۴۴۲ اصلاح الرسوم)

یہاں ذرا ان تین باتوں کو نوٹ کر لیجئے جنھوں نے متعہ کی اہمیت رافضیوں میں بڑھادی ہے۔

۱۔ امام باقر نے کہا "متعہ کرنے والے کو ثواب ہے اگر رضائے خدا اور مخالفت اُس کے منکر کی مطلوب ہو" یعنی زنا کرنے سے پہلے دل میں سوچ لے کہ خدا اس سے خوش ہوگا۔ اور میں یہ کام متعہ کے منکروں کا دل جلانے کے لئے کر رہا ہوں یعنی وہی تولا و تبرا کا سہارا لیکر یہ حرامکاری بھی داخل زیب کرلی گئی ہے۔ جاہل شیعوں کو سوچنے کے لئے موقعہ نہیں رکھا گیا ہے کہ امام باقر جیسے امام اور علامہ مجلسی جیسے غالی رافضی اور دشمنِ اسلام کے ارادوں میں فرق کر سکیں۔

۲۔ بیوی کے ساتھ مقاربت کرنے میں اللہ میاں نے ایسے فضائل نہیں رکھے مگر ایک ہوس کا کیا ہے جو ہر روز نیا ایک آدمی چاہتی ہے مقاربت میں جسم کے بالوں کے برابر گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ قوم اُسے باور بھی کرتی ہے یا کم سے کم نقوی صاحب باور کروانا چاہتے ہیں۔

امام جعفر سے اس حرامکاری کی خوبیاں سُنیئے۔

(۲) فرمایا جناب صادق علیہ السلام نے کہ نہیں ہے کوئی مرد جو متعہ کرے پھر غسل کرے مگر یہ کہ خدا خلق کرے گا۔ ہر قطرۂ غسل سے ستر لاکھ ملائکہ جو استغفار کریں گے اُس کیلئے روز قیامت تک اور لعنت کریں گے اُس سے اجتناب کرنیوالوں

تاقیامت۔ (اصلاح الرسوم ص۱۶۲)

یعنی سپائی زنا کر کے نہانے سے جو پانی بہتا ہے اُس کے ہر قطرے سے ستر لاکھ فرشتے پیدا ہوتے ہیں اور وہ اُس زانی پر قیامت تک درود بھیجتے ہیں اور زنا سے پرہیز کرنے والوں پر لعنت بھیجتے ہیں ۔ اور یہ حکم اُن رافضیوں کے بارے میں معلوم ہوتا جنھوں نے متعہ سے پرہیز کیا ہے یا جو متعہ سے انکار کرتے ہیں۔

۳۔ وسائل الشیعہ ابواب المتعہ میں ہے ۔ فرمایا جناب صادق علیہ السلام نے کہ مستحب ہے مرد کے لئے تزویج متعہ کرے اور نہیں درست ہے مرد کے لئے تم میں سے کہ دنیا سے نکلے بغیر متعہ کئے ، ہرچند ایک بار ہو۔ (اصلاح الرسوم ص۱۶۳)

یعنی جو بغیر متعہ کئے ہوئے مرجائے گا۔ امام صاحب اُس کی شفاعت نہ کریں گے موجودہ دور کے شیعہ بھائی سوچیں ۔ اپنے گھر والوں کو محروم نہ رکھیں۔

۴۔ فرمایا امام باقر علیہ السلام نے کہ کھیل ہے مومن کا تین چیزوں میں عورتوں سے متعہ کرے آپس میں مزاح کرے یا نماز شب پڑھے ۔

(اصلاح الرسوم ص۱۶۳)

یعنی شیعوں کے لئے یہ تینوں کام ایک مرتبے کے ہیں۔ خواہ دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں رات گزار دو۔ خواہ جیب میں پیسے نہ ہونے کی وجہ سے ساری رات نماز میں گزار دو یا پیسے ہوں تو متعہ کرو اور ثواب حاصل کرو اور مزے اُڑاؤ۔

اب تو آپ کو یقین آگیا ہوگا کہ متعہ شیعہ زندگی میں سب سے زیادہ متبرک کام ہے ہر ہر حرکت پر گناہ دھلتے ہیں اور غسل کے ہر ہر قطرے سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں اور یہ اسلام کا نام لینے والے اہل بیت کی محبت کا دم بھرنے والے سچے مومنین کہلاتے ہیں

مکتبہ امامیہ لاہور کی مطبوعہ کتاب "متعہ اور اسلام" میں علامہ نقوی لکھتے ہیں:۔

"حضرت اسماء بنت ابوبکر سے مروی ہے کہ رسالتماب کے زمانے میں ہمارے ساتھ متعہ ہوا۔" کہاں ہیں متعہ کو زنا و حرامکاری کے ناپاک الفاظ سے یاد کرنے والے زرا آنکھیں کھول کر دیکھیں قریشی بھی شیخ المہاجر

رسول اکرم کے خسر محترم اور آیندہ ہونے والے خلیفۃ المسلمین حضرت
ابوبکر بن ابی قحافہ کے سے باپ کی بیٹی اور وہ کیا کہتی ہے ۔
(متعہ اور اسلام ص ۱۸۹)

اِس ولد المتعہ خبیث و بے دین رافضی کی جُرات دیکھئے اپنی ماں بہنوں کی حرامکاری کی پردہ پوشی کرنے کے لئے کس بے حیائی سے خلیفۂ اوّل کی پاک دامن طاہر اور مطہر بیٹی سے اپنی ناپاک روایت کو جو کسی دشمن اسلام خبیث رافضی نے تراشی ہے منسوب کرتا ہے اور مسلمانوں کی غیرت کو للکارتا ہے۔ مگر افسوس نہ ملا بدایونی اس کتاب کو ضبط کرانے کے لئے بولتے ہیں اور نہ ملا مودودی جن کا تائیدی ارشاد گرامی زینت گردپوش کیا گیا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان رافضیوں کو متعہ کرنے سے آخر روکا کس نے ہے اسلامی دنیا میں جگہ جگہ چکلے آباد ہیں۔ عیاشیاں ہو رہی ہیں۔ کراچی میں تو زائیدہ بچے نالیوں میں پھینکے جا رہے ہیں کوئی روک ٹوک نہیں کرتا پھر اگر آپ اپنے آبائی ذریعہ معاش کو اختیار کرلیں یعنی اپنی ماں بہنوں کو اس دھندے سے لگا دیں تو کون اعتراض کرتا ہے۔ بلکہ آپ ایک سائن بورڈ لگا دیجئے۔ "لولائی متعہ گھر" سمجھنے اور جاننے والے وہاں پہنچ جائیں گے۔

آپ کہیں گے یہ متعہ بھی عجیب مسئلہ ہے جس رافضی سے پوچھو وہ گرجاتا ہے اور جس مجتہد کو دیکھو وہ چیخ رہا ہے۔ آفت مچائے ہوئے ہیں جیسے متعہ روکا گیا ہے ان کی ماں بہنوں کے ساتھ زیادتی کردی گئی ہے۔ مذہب امامیہ کے شسٹن جج بھی اس ماتم میں سب سے آگے آگے ہیں۔ ان کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ متعہ کو روکنے کی ساری ذمہ داری حضرت عمرؓ پر ہے۔ اسی لئے آپ نے اماموں کے اقوال میں دیکھا ہے کہ جہاں متعہ سے خدا اور رسول خوش ہوتے ہیں اور فرشتے دعا کرتے ہیں وہاں منکرین متعہ پر لعنت بھی بھیجتے ہیں اور یہ اشارہ دراصل حضرت عمرؓ کی طرف ہوتا ہے۔ آغا صاحب چونکہ پاک بے حیا ہیں وہ اشارہ کے بجائے صاف الفاظ میں لکھ دینے سے گھبراتے نہیں فرماتے ہیں

"حضرت عمرؓ کی مداخلت فی امور دین کی بہت سی مثالیں پہلے گزریں پھر واقعہ یہ ہے کہ خود اپنے علم پر اعتماد و بھروسہ نہ کرکے ہر ایک صحابیٔ رسول کو جو امور فقہ میں مداخلت کی اجازت حضرت عمرؓ نے دی اس نے

اسلام میں بہت سی خرابیاں پیدا کر دیں۔ صرف ایک مثال ہم بیان کرتے
جس نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ جناب رسول خدا نے بحکم خدا
متعۃ النساء کو جاری کیا۔ حضرت عمر کی عقل نے بتلایا کہ وہ زنا کے مرادف
ہے لہذا منسوخ کر دیا" (البلاغ المبین حصہ دوم ص۵۱۹)

دیکھئے آغا صاحب کو بھی متعہ کے رک جانے کا بڑا قلق ہے۔ رد کرنے والے
کو کھلے بندوں کم عقل اور دین میں مداخلت کرنے والا ٹھیرا رہے ہیں۔ کیونکہ اس نے
ان خبیثوں کی افترا پردازی اور شرارت کا قبل از وقت سدباب کر دیا تھا ورنہ آج اسلام
انہی رافضیوں کے رحم و کرم پر ہوتا۔ خیر سے آغا صاحب ایسے دور میں پیدا ہوئے ہیں۔
کہ اگر خود متعہ کی اولاد ہوں یا آپ کے اہل بیت متعۃ النساء بلکہ متعہ دوریہ کرنا شروع کر دیں
تو بھی کوئی اعتراض نہ کرے۔ یہی سمجھے کہ جج صاحب کی پنشن اخراجات کو مکتفی نہ ہوتی ہوگی
بلکہ ہمارا تو خیال ہے کہ لوگوں کو ہمدردی پیدا ہو جائے اور وہ اپنی خدمات پیش کرنا شروع
کر دیں۔ مگر آپ ہیں کہ شور مچا رہے ہیں۔ ظلم کی دہائی دے رہے ہیں اور تبرا فرما رہے ہیں۔
آپ کو قانون کے علاوہ فلسفہ پر بھی عبور حاصل ہے۔ آپ کا فلسفہ ملاحظہ فرمائیے۔

فلسفۂ متعہ نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے کہ جس کو ایک فریق اپنی مرضی سے جب
جی چاہے فسخ کر سکتا ہے۔ لفظ طلقت کہا اور معاہدہ فسخ ہوا۔
جس کو آپ نکاح دائمی کہتے ہیں وہ دائمی تو کیا اس میں تو ایک لمحے کی بھی
مدت یقینی نہیں ہے۔ بغیر وجہ بتائے ہوئے۔ خاوند طلاق دے سکتا ہے۔
متعہ میں عورت کو اتنا تو یقین ہو سکتا ہے کہ زمانہ متعہ تک وہ امن میں ہے۔
متعہ تو در اصل مرد کی اس آزادی طلاق پر ایک قید ہے۔ وہی مہر وہی
عدت۔ وہی فرائض و حقوق پرورش اولاد صرف یقین مدت و عدم
میراث کا فرق ہے سو اتنی آزادی رحمت خداوندی ہے جو فریقین کے
لئے مفید ہے۔ اس میں اتنی خوبیاں ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں۔
(البلاغ المبین ص۵۲۳)

مرزا صاحب قانون دان آدمی ہیں۔ جو کچھ لکھتے ہیں عدالت کے کانٹے پر
ناپ تول کر لکھتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے بڑھاپے کی وجہ سے عقل ماری گئی ہے اور خود اپنی

بات سمجھنے سے عاری ہو چکے ہیں۔ دائمی اور عارضی نکاح کا مقابلہ کیا اور اس کی خوبیاں
بس خود ہی سمجھ لیں یہ نہیں لکھا کہ ہمارے باپ دادا کی بھی سمجھ سے بعید تھیں ہم کیا لکھیں مگر
چونکہ ہمارا مذہب بنانے والے شیعہ پیشوا عبداللہ بن سبا حرام کاری کے ذریعہ
اسلام کو بدنام کرنا چاہتے تھے ہم وہ سب خوبیاں فرشتوں کے پیدا اور گناہوں کے
معاف ہونے کی ماننے پر مجبور ہیں۔ بہر حال اگر اس بحث سے رافضی عقیدتمند مطمئن ہیں
تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ خدا انھیں مبارک کرے۔ وہ سب اپنے دائمی نکاح
عارضی کر کے اپنی اپنی بیویاں بدل ڈالیں۔ مگر بیچارے عمرؓ کی جان کو کیوں روتے ہیں۔
اُس نے جس کو منع کیا وہ جانیں اور اُن کا کام جانے تمھیں اس سے کیا مطلب ہے۔
آغا صاحب نے دائمی اور عارضی نکاح کا مقابلہ کیا اور دائمی نکاح کی خرابیاں
بتلا دیں کہ طلاق کہہ دینے سے عورت گھر سے باہر ہو جاتی ہے اور شوہر پر کوئی ذمّہ داری
باقی نہیں رہتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آغا صاحب نے دائمی نکاح دیکھا ہی نہیں ہے
نہ ان کے خاندان میں کسی نے دائمی نکاح کیا ہے نہ اُن کو میسر آیا۔ ورنہ دائمی نکاح والے
طلاق میں جو دشواریاں محسوس کرتے ہیں اُن سے انکار نہ کرتے۔ اُن کے زمانہ عدالت
میں بھی شاید نان نفقے کے مقدمے نہیں آئے۔ اور آئے تو انھوں نے عارضی نکاح کے
اصول پر فیصل فرما دیئے ہوں گے۔ افسوس جس قوم کو ایسے سشن جج مل جائیں کتنی
بے گناہ عورتوں کو اس جاہل سشن جج نے نان نفقے اور مہر کے حقوق سے محروم کیا ہوگا
البتہ متعہ کے فوائد جنھیں لکھا نہیں ہے بے انتہا سمجھتا ہے۔ اس کے سوا کیا
ہو سکتے ہیں۔ وہ کہتا ہے متعہ میں عورت کو کتنا بھروسہ یعنی خود اعتمادی ہوتی ہے۔
جانتی ہے کہ ایک رات تمھارے ساتھ بسر کرے گی۔ صبح کو تم اس کا مہر دو گے جو
زمانۂ عدت کا کفیل ہوگا یعنی ۴۵ دن کا خرچ۔ کچھ تحفے تحائف بھی دو گے۔ کچھ کپڑے
دیئے ہوں گے کچھ مٹھائی ساتھ کر دو گے۔ وہ سب لیکر خوشی خوشی اپنے ماں باپ کے
پاس جائیگی۔ روپیہ باپ کے ہاتھ میں رکھے گی۔ کپڑے ماں کو دے گی۔ بھائی بہنوں کو
مٹھائی کھلائے گی محلے کی لڑکیاں جمع ہوں گی۔ جشن منے گا۔ خیریت خیر ملا ہوگی۔
مبارک سلامت ہوگی۔ اور پینتالیس دن گزر جائیں گے تو نئے آپ والے
کی تلاش شروع ہوگی شکار ڈھونڈا جائے گا کہ پھر عید منے اور جشن ہوں سیر مزے

دائمی نکاح میں کہاں۔ وہاں تو ایک دفعہ جا پھنسے تو عمر بھر کی چھٹی ہو گئی۔ قید میں جو ملو ایک ہی سی روکھی سوکھی کھاؤ اور مر کے گھر سے نکلو۔

اس بے حیائی کے بعد بھی آغا صاحب کے پاس بہت کچھ کہنے کو موجود ہے۔ آپ مرد اور عورت کے حقوق پر بھی فلسفہ بگھار سکتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

> مرد کا حق ہے کہ عورت پر حکومت کرے۔ لہذا عورت کی زندگی محض مرد کے لئے ہونا چاہئیے۔ مرد اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے لیسکن الیھا یعنی مرد کو عورت سے تسکین حاصل ہوتی ہے۔ وہ آدمی جس کو تسکین ہی حاصل نہ ہو۔ ہر وقت پر گندہ خیال و پریشان رہے گا اور دنیا کا کوئی کام نہ کر سکے گا۔
>
> (البلاغ المبین ص ۵۲۸)

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ شیعہ فرقے میں عقل کا اتنا کال ہے کہ وہ ایسی لغویات بھی نہیں محسوس کر سکتے۔ کوئی چند بے رابط باتیں اماموں کے حوالے سے لکھ دے تو اسے بڑا کارنامہ سمجھ لیتے ہیں۔ یہاں آغا صاحب کہتے ہیں۔ عورت کی زندگی کا مقصد صرف مردوں کی تسکین ہے۔ انہیں چاہئیے کہ بجائے ایک کی ہو رہنے کے خود کو ضرورتمندوں کے لئے وقف کر دیں جس کا دل کام میں نہ لگے اس کے پاس پہنچ جائیں آگے لکھتے ہیں۔

> نکاح کی غرض و غایت یہی ہے۔ لور متعہ میں بھی یہی غرض مد نظر ہے سفر میں گئے۔ یا تو زنا کرو۔ یا خیالات پراگندہ سے اپنے تئیں خراب کرو یا نکاح کر کے طلاق کی ناخوشگواری پیدا کرو۔ (البلاغ المبین ص ۵۲۹)

بعض باتیں آغا صاحب کی بڑی دلنگتی ہوتی ہیں۔ دورے پر جاتے ہوں گے۔ خیالات پریشان رہتے ہوں گے کام میں جی نہ لگتا ہو گا۔ اس لئے متعہ گرد ڈالتے ہوں گے اور دوسرے دن سکون سے فیصلے کرتے ہوں گے۔ اب سشن جج صاحب کی عدل گستری سے کیا آپ اتنی بھی توقع نہیں رکھتے کہ گھر میں اجازت دے جاتے ہوں گے کہ ان کے بھی خیالات پریشاں ہوں اور گھر کے کام کاج میں دل نہ لگے تو کچہری سے کوئی منشی یا چپراسی یا کوئی قیدی ہی بلالیں۔ اور پھر قیدی پر رحم کرنا تو انگریز بھی بتا گئے ہیں بڑے ثواب کا کام ہے۔

مرزا صاحب کو قانون اور فلسفے پر تو عبور تھا ہی۔ آپ کو حیرت ہو گی کہ علم طب میں بھی آپ

یہ طولیٰ رکھتے ہیں چنانچہ متعہ کے طبی فوائد بھی بتلاتے ہیں۔

متعہ کے طبی فوائد

بڑھاپے میں مرد کو عورت کی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔ اور خصوصاً کم عمر عورت کی۔ لوگ اس بات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ ضعیف العمر آدمیوں پر ظلم ہے کیونکہ انکی یہ خواہش حرص پر محمول نہیں کی جاسکتی بلکہ طبعی و فطری ہوتی ہے۔ اندر سے اُن کا سارا جسم جوان خون اور طاقتور خون و حرارت عزیزی سے مل کر اپنی کمزوری کو دور کرنا چاہتا ہے۔ یہ طبی اصول ہے۔ اگر مرد میں عقل سلیم باقی ہے اور وہ کم سن عورت کا استعمال دوا کے طور پر عیش و عشرت کے لئے نہیں کرنا چاہتا ہے۔ تو یہ نسخہ کبھی خطا نہیں کرے گا۔ متعہ کرلو۔ تھوڑے عرصے کے لئے تم اس دوا کو استعمال کر دپھر اس کو چھوڑ دو۔

مگر افسوس ہے کہ حضرت عمر نے کیسی غلط جگہ اپنی محدود عقل کا استعمال کیا ہے۔ اس سے اسلام ہند بھی اتنا زنا ہو گیا جتنا دیگر ممالک میں ہے۔

(البلاغ المبین۔ حصہ دوم ص ۵۳۰)

بڑھاپے میں جوان خون کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے آغا جی متعہ کا نسخہ تشخیص فرماتے ہیں جسے دوا لینا ہو آغا صاحب کی ڈسپنسری سے رجوع کرے یقین ہے کہ تازہ خون کا کافی اسٹاک جمع کر رکھا ہوگا۔ جب ہی تو اتنی تشہیر ہو رہی ہے۔

لیکن ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ اس فرقے کی بے حیائی یہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ مذہب اسلام کو بدنام کرنے والا مفسدہ انگیز مذہب بنانے والے یہودی، ایرانی اور عراقی اپنے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے ذلیل سے ذلیل حرکت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ نہ صرف خباثت آمیز حدیثیں بنائیں بلکہ ہر طرح کی برائیاں اماموں اور معصوموں کے سر تھوپ دی ہیں جن کو پڑھ کر شرم سے سر جھک جاتا ہے مگر یہ جاہل شیعہ محض خلفاء کو ذلیل کرنے پر بغلیں بجاتے ہیں اور اپنے اماموں کی توہین محسوس نہیں کرتے۔

ایک حدیث دیکھئے جس میں (نقل کفر کفر نباشد) رسول اللہؐ اور حضرت علی کو متعہ کرتے دکھایا گیا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ متعہ کی اہمیت کے لئے یہ حدیث اور اس سے متعلقہ روایتیں بیان کرنے میں رسولؐ اور علی کی توہین نہیں ہوتی۔

وسائل الشیعہ ابواب المتعہ میں ہے۔ پوچھا جناب صادق علیہ السلام سے کہ جناب رسول خدا نے بھی متعہ کیا تھا۔ فرمایا ہاں کیا تھا۔ اور ابن بابویہ نے روایت کی ہے کہ امیر المومنین نے ایک عورت قبیلہ بنی نہشل سے متعہ کیا تھا۔ (اصلاح الرسوم ص ۱۶۲)

چنانچہ ان کی (ناپاک کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ متعہ کے جواز کے لئے رکیک سے رکیک روایات آئمہ معصومین اور اہلبیت زادیوں سے منسوب کرتے انھیں شرم نہیں آتی۔ یہاں چند مثالیں پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔

حضرت علی کے متعہ کا قصہ

ایک شب کو عمر نے علی مرتضیٰ کو اپنے گھر بلایا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو وہیں سو رہنے کو کہا۔ پس علی مرتضیٰ نے وہیں آرام کیا۔ صبح کو عمر گھر سے باہر آیا تو بطور تعریض علی مرتضیٰ کو کہنے لگا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مومن کو مناسب نہیں کہ اپنے شہر میں بغیر عورت کے مجرد شب بسر کرے۔

پس فرمایا علی مرتضیٰ نے میرے مجرد رہنے کا تمہیں کہاں سے علم ہوا۔ تحقیق میں نے آج شب کو تمہاری فلاں بہن سے متعہ کیا۔

پس عمر کو اس واقعہ سے جو قلق اور خفت حاصل ہوئی اس کو مخفی رکھا اس وقت تک کہ ان کو متعہ کی حرمت کی قدرت حاصل ہوئی پس متعہ عمر نے حرام کر دیا۔ (شواہد الصادقین حکیم سید احمد الموسوی ص ۹۲ بحوالہ انوار نعمانیہ نور طہارت وصلوٰۃ ص ۲۳)

مولف حکیم صاحب اس پر تبصرہ فرماتے ہیں۔ اس حکایت سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے اول یہ کہ وقوعہ خلافت ابوبکر سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ خلافت ابوبکر برائے نام تھی درحقیقت اس وقت بھی خلافت عمر ہی تھی۔ ورنہ فوراً متعہ کو بند کر دیتا پس معلوم ہوا کہ زمانہ رسول خدا کی حیات کا تھا۔ جبکہ عمر کی ایسے امور میں دال نہ گلتی تھی۔

دوئم یہ قلق بطور وراثت عمر کے مریدوں میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ مریدان عمر نے بھی بغرض مسرت عمر حضرت رسول خدا کی اس سنت اور اس کے عامل علی مرتضیٰ سے نفرت اور بغض پیدا کر لیا حتیٰ کہ اس بغض خاص کی وجہ سے بہ نیت حقارت علی مرتضیٰ نکاح ام کلثوم

بنت علی با عمر تراشا گیا۔ ورنہ جس اُمِ کلثوم کا عمرؓ کے ساتھ نکاح ہوا وہ اُمِ کلثوم دختر ابوبکر تھی۔ (شواہد الصادقین)

اللھم صلی علی محمد سبحان اللہ حضرت علی مرتضیٰ کی منقبت میں اس سے عمدہ کارنامہ پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عمرؓ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ شیعوں کو مبارک مگر جناب امیر نے جس طرح حق بھائی ادا کیا ہے اس کا جواب نہیں۔ ملا تقیہ اس واقعہ سے جناب امیر کی توہین نہیں بلکہ تعریف مقصود ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ نادان دوست سے دانا دشمن بھلا۔ افسوس ہے حضرت علی خود اپنے ذلیل دوستوں کے ہاتھوں رسوا ہو رہے ہیں۔

اس کذاب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت ابوبکر الصدیق کی یہ صاحبزادی ام کلثوم آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد ۱۲ھ میں پیدا ہوئیں تھیں اور حضرت علی کی صاحبزادی ام کلثوم سے حضرت عمر فاروقؓ کا نکاح ۱۷ھ میں ہوا تھا۔ جب حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم کی عمر بارہ تیرہ برس کی تھی جبکہ اس وقت کی عرب سوسائٹی میں لڑکی کا نکاح بالعموم نو دس سال کی عمر میں ہو جاتا تھا۔

حضرت بی بی سکینہ کا متعہ

ایک قریشی کہتا ہے کہ میری دختر عم نے میرے پاس کہلا بھیجا اور وہ بہت مالدار تھی کہ تم جانتے ہو کہ مجھ سے کتنے لوگ درخواست نکاح کی کرتے ہیں۔ مگر میں راضی نہیں ہوتی۔ میں نے بسبب رغبت کے مردوں کی جانب تمہارے پاس کہلوایا ہے۔ مگر میں نے سنا ہے کہ متعہ کو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور سنتِ رسول اس میں جاری ہے لیکن زفر نے اس کو حرام کیا۔

پس میں چاہتی ہوں کہ اطاعت خدا و رسول کروں اور معصیتِ زفر کروں۔ پس تم مجھ سے متعہ کر دو۔ میں نے کہا کہ میں بعد مشورہ امام علیہ السلام جواب دوں گا۔ پس میں حضرت کی خدمت میں گیا۔ اور حال بیان کیا۔ حضرت نے کہا خدا تم دونوں پر رحم کرے بیجھو گا۔

(اصلاح الرسوم ص ۱۶۴)

حاشیہ پر ایک نوٹ ہے زفر سے مراد ثانی ہے۔ بوجہ تقیہ اس طرح لکھتا ہے۔ یعنی خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ کی عدول حکمی اتنا بڑا ثواب ہے کہ ایک قریشیہ عورت اپنی عزت، عصمت، عفت حتیٰ کہ سب

جسمانی صرف اس لیے کہ نباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے کہ عمرؓ کی روح کو صدمہ پہنچ جائے۔ اور ہر رات کو ایک نیا متعہ کرتی ہیں آج کوئی نہ ملا تو اپنے چچازاد بھائی کو بلا بھیجا وہ بیچارہ گھبرا کر امام وقت کے پاس پہنچا۔ انھوں نے ڈھارس بندھائی اور یقین دلایا کہ یہ کام اتنا متبرک ہے کہ جب تم دونوں مشغول ہوگے (نعوذ باللہ) اللہ میاں باہر بیٹھے درود پڑھا کریں گے اور کسی کو آنے نہ دینگے۔ اور ایسی حفاظت کے باوجود خوف کا یہ حال تھا کہ عمرؓ کو زہر کھانا پڑتا تھا تاکہ گرفت نہ ہو سکے۔

آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ یہ واقعہ حضرت بی بی سکینہ دختر حضرت حسین سے (جن کا نام رافضی گلی گلی کوچے کوچے پکارتے پھرتے ہیں) منسوب کیا گیا ہے جسے بعض مستشرقین نے بھی شیعہ کتب کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ جو سبائی شرارت کی انتہا ہے۔ چنانچہ حتی تاریخ ملت عربی میں لکھتا ہے :۔

سیدہ سکینہ کا گھر ایک سیلون تھا۔ جہاں شعراء و فقہا کے مجمع رہتے اور مالکہ خانہ کی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کی بدولت کبھی بے لطفی نہ ہونے پاتی انھیں اپنی عالی نسبی اور اپنی بیٹی کے حسن پر بڑا ناز تھا۔ انھوں نے بالوں کو گوندھنے کی ایک خاص وضع ایجاد کی تھی جو طرہ سکینہ کے نام سے مشہور تھی۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اُس کو عام ہونے سے روک دیا۔ اُن کے ایک بھائی نے سکینہ سے یکجائی کے بغیر نکاح کیا تھا۔ اُس کے بعد یکے بعد دیگرے جس قدر طلبگاروں سے وہ تھوڑی یا زیادہ مدت کے لئے نکاح کرتی رہیں۔ ان کو انگلیوں پر شمار کرنا مشکل ہے۔ ایک سے زیادہ موقعوں پر انھوں نے نکاح سے قبل اپنی آزادی کی شرط کر لی جسے عرف عام میں متعہ کہتے ہیں۔ (بحوالہ کتاب الاغانی ۱۶ ص ۱۴۲، ۱۷ ص ۹۴)

دیکھئے ایک متعہ کو رائج اور جائز کرنے کے لئے ان بدبختوں کو کہاں کہاں سے روائتیں فراہم کرنا پڑتی ہیں۔ اور کس کس کو ذلیل کرنا پڑتا ہے۔ مولا کو بخشیں نہ اماموں کو اور نہ امام زادیوں کو۔ کوئی پوچھے تمہیں متعہ کرنے سے کون روکتا ہے۔ تیرہ سو سال سے تمہارے یہاں متعہ ہوتے چلے آرہے ہیں۔ عید غدیر منائی جارہی ہے۔

نوروز کے مزے لوٹے جارہے ہیں۔ واجد علی شاہ نے تین چار سو متعہ کر ڈالے۔ (بریحانہ)
ایک والی ریاست نے مجوسیوں کی طرح اپنی سگی بیٹی تک کو نہ چھوڑا۔ (دربار حرامسود)
یا کسی کی بہن نے متعہ کرایا تو کس نے روک دیا؂

ہمشیر نے متعہ کیا بھائی ہے سرخ رو | عید غدیر میں جو ہے لیتا وہ ہے آبرو
کچھ اپنی ناک کی بھی نہیں اِن کو جستجو | اللہ کے حضور بھی جاتے ہیں بے وضو

کٹوا کے ناک اور بھی بیباک ہو گئے
غوطہ کثافتوں میں کیا، پاک ہو گئے

پھر یہ لعن طعن اور شور و شیون کیوں۔ سوائے اس کے کہ اسلام کے خلاف تخریبی کارروائیاں کرنے سے ابھی جی نہیں بھرا ہے۔ خیر یہ تمہاری قسمت ہے۔ رونا لکھا ہے۔ روؤ گے اور روتے ہوئے جہنم رسید ہو جاؤ گے اسلام کا نہ تمہارے اجداد کچھ بگاڑ سکے نہ تم کچھ کر سکو گے جب تک جناب صاحب العصر کا انتظار نہ چھوڑ دو گے کسی قابل نہ ہو سکو گے محرم کا رونا دھونا تو ظاہر ہے رسمی ہے بلکہ شیعوں کا تہوار ہے۔ بقول لیکہ :۔

سچ پوچھئے تو ان کی محرم میں عید ہے | کھانے کو ہے پلاؤ۔ تبرک مزید ہے
دس گھر میں چولہا جلے یہ بعید ہے | رزاق اس زمانے میں انکا یزید ہے

شمر بھی شیعوں پہ یہ احسان کر گیا
رو دی تو کیا پلاؤ کا سامان کر گیا۔

ماضی کے سیاسی مناقشات کو جس مقصد سے مذہبی رنگ دیا گیا تھا وہ فوت ہو چکا موجودہ عہد میں نہ خلافت قایم ہونے کی کوئی صورت ہے اور نہ کسی ہاشمی دا صوبی گھرانے میں سیاسی اقتدار محدود کیا جا سکتا ہے پھر یہ ماضی کے واقعات پر ہائے ہائے کرنا محض بے سود اور بے نتیجہ نہیں تو کیا ہے۔ معزالدولہ دیلمی نے اپنی سیاسی مصلحت سے یہ ماتم کی رسم قائم کی تھی اس کے خاندان کو ختم ہوئے بھی نو سو برس کی مدت گذر چکی۔ اپنے بزرگوں کی یاد تازہ کرتے رہو۔ مگر یہ گالی گفتہ تو بند کرو۔ اور ملت میں افتراق کی آگ نہ بھڑکاؤ۔

حرف آخر

تبرائی و تولائی لٹریچر کا بطور نمونہ مشتے نمونہ از خروارے ان اوراق میں جو مختصر سا لٹریچر ہم نے پیش کیا ہے اور جا بجا تشریحی فقرات بھی لکھ دیئے ہیں وہ اس غرض و مقصد سے کہ ناواقف مسلمانوں کو اخذ مطالب میں آسانی ہو۔ یہ کتاب نہ مناظرے کی ہے اور نہ مذہبی مجادلے کی بلکہ ناظرین کتاب کو "سبائی سبز باغ" کی سرسری طور سے سیر کرائی گئی ہے چنانچہ یہ مختصر سا جواب ہے برعکس نہند نام زنگی کافور" البلاغ المبین" مؤلفہ آغا محمد سلطان مرزا ایم اے۔ ال' ال' بی۔ سابق سشن جج و صدر شیعہ کانفرنس اور بعض دیگر شیعہ مؤلفین کے ہفوات لایعنی کا۔ ہمیں نہ شیعہ معتقدات سے بحث ہے اور نہ ان کے مذہبی مراسم سے۔ پاکستان میں شیعہ اپنی تنظیم تعلیم دولت اور اثرات کے اعتبار سے صف اول میں ہیں باعتبار تعداد نفوس اقلیت ہیں لیکن اقلیت کو یہ حق تو نہیں پہنچتا کہ اکثریت کے بزرگانِ دین کی علی الاعلان بدگوئی کریں اُن کی توہین و تنقیص میں کتابیں شائع کریں اور ناواقف مسلمانوں خاص کر نوجوانوں کو گمراہ کریں اور اکثریت کی دل آزاری کر کے ملت میں پھوٹ ڈالیں۔ ان کے اس قابل نفرت رویہ کے بارے میں ان ہی کے بعض سمجھدار لوگ وقتاً فوقتاً اظہار بیزاری کرتے رہے ہیں مولف "مجاہد اعظم" نے تبرے کی رسم بد کے بارے لکھا تھا کہ:۔

> " یہ طریقہ جو شیعوں میں رسماً اور اتفاقاً رواج پا گیا ہے خود شیعوں کے قومی مفاد کے لئے سخت مُضر بلکہ مہلک رہا ہے اور رہے گا اس دل آزاری کی بدولت خواہ وہ عمل میں لائی جائے یا نہ لائی جائے شیعہ ایسے بدنام ہو چکے ہیں کہ اہل سنت کی بدگمانی گریز اور پرہیز لازمی و فطری امور ہیں اس میں ایسی کشیدگی اور بدگمانی کی وجہ سے فریقین کے درمیان عزاداری کے متعلق ایک بیّن تفریق پیدا ہو گئی اہل سنت مجالس میں کم شریک ہوتے ہیں ...... اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس سے شیعہ مشن کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے (ص ۳۱۶)

چنانچہ وہ اپنے اہل مذہب کو مشورہ دیتے ہیں اور کس خوبصورتی سے تینوں خلفائے

راشدین صلوٰۃ اللہ علیہم کو غاصب اور دشمن اہل بیت کہہ کر دیتے ہیں :-

"اب تیرہ سو برس کے بعد واقعات ماضی کے لئے ہائے ہائے کرنا بے سود اور بے نتیجہ باتیں ہیں ہم اپنی قوم سے بادب عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ سلسلہ خلافت کی پہلی تین ہستیوں کو خلیفہ رسول تسلیم نہیں کرتے نہ کیجئے اگر آپ کے عقیدے میں ان کا ایک مستحق کی حق تلفی کرکے خود اس منصب پر فائز ہو جانا غاصبانہ اور ناجائز تھا بہت بہتر یوں ہی سہی اگر وہ دشمن اہل بیت تھے اور آپ ان سے بیزار ہیں تو بہتر ہے بیزار رہیئے۔ اگر اہل بیت کی تولّا کے ساتھ ان کے دشمنوں میں تبرا لازمی ہے تو اس سے کسی کو انکار نہیں مگر اس تبرا اور بیزاری کو اپنے دل تک رکھئے اور وہ رکیک حرکتیں نہ کیجئے جو آپ کے مذہب کے آپ کے رسوم عزاداری کے حق میں بدنام کن باعث نفرت و حقارت اور موجب نقصان ہو"

ص ۱۶

ہم نے شیعہ مولفین کی ایسی ہی باعث نفرت و حقارت حرکتوں کا تار و پود بکھیرا ہے تاکہ مسلمانوں کو احساس ہو کہ روح ایران نے عہد فاروقی میں مفتوح ہو جانے کے بعد سے خفیہ سازشوں کا جال پھیلا کر مسلمانوں کے دین و مذہب کو مسخ کرنے کے جو پاکھنڈ بکھیرے تھے وہ آج تک کس کس روپ میں جلوہ گر ہیں۔ سارا رونا سیاسی اقتدار حاصل کرنے سے محرومی کا ہے چنانچہ ایک شیعہ ادیب و مصنف جنھوں نے ایران کی جو شیعیت کا گڑھ ہے خوب سیر بھی کی تھی یعنی مولوی محمد حسین آزاد اپنی مشہور تالیف دربار اکبری میں شیعہ سنی اختلاف پر لکھتے ہیں :-

"سنی اور شیعہ کا اختلاف ایک منصب خلافت پر ہے جس کے واقعہ کو آج کچھ کم تیرہ سو برس گزر چکے ہیں۔ وہ ایک حق تھا کہ سنی بھائی کہتے ہیں جنھوں نے لیا حق لیا۔ شیعہ بھائی کہتے ہیں کہ نہیں، حق اوروں کا تھا ان کا نہ تھا۔ اگر پوچھیں کہ انھوں نے اپنا حق آپ کیوں نہ لیا؟ جواب یہی دیں گے کہ صبر کیا اور سکوت کیا تم لینے والوں سے لیکر اس وقت دلوا سکتے ہو؟ نہیں لینے والے موجود ہیں؟ نہیں۔ طرفین میں سے کوئی ہے؟ نہیں۔ اچھا جب یہ صورت ہے تو آج ۱۳ سو برس کے بعد اس معاملہ کو اس قدر طول دینا کہ قوم میں ایک فساد عظیم کھڑا ہو جائے، کام چلتے ہوں تو بند ہو جائیں، دوستیاں ہوں تو دشمنیاں ہو جائیں۔ دنیا جو مزرعۃ الآخرت ہے اس کا وقت کارہائے مفید سے ہٹ کر جھگڑے میں جا گیا، قوم کی اتحادی قوت ٹوٹے کر چند در چند نقصان گلے پڑ جائیں۔

یہ کیا ضرور ہے! بہت خوب' تم ہی حق پر سہی لیکن اُنھوں نے سکوت اور صبر کیا۔ پس اگر اگر اِن کے ہو تو تم بھی صبر او رسکوت ہی کرو۔ زبانی بدگوئی اور بدکلامی کرنی اور بھٹیاروں کی طرح لڑنا کیا عقل ہے؟ اور کیا انسانیت ہے؟ کیا تہذیب ہے؟ اور کیا حسن خلق ہے؟ ۱۳ سو برس کے کے معاملے کی بات ایک بھائی کے سامنے اس طرح کہدینی جس سے اس کا دل آزردہ بلکہ جل کر خاک ہو جائے اس میں خوبی کیا ہے؟ میرے دوستو! اوّل ایک ذراسی بات تھی۔ خدا جانے کن کن سببوں سے تلواریں درمیان آ کر لاکھوں خون بہہ گئے۔ خیر اب وہ خون خشک ہو گئے۔ زمانہ کی گردش نے پہاڑوں خاک اور جنگلوں مٹّی ان پر ڈال دی۔ اِن جھگڑوں کی تہ یاں اکھیڑ کر تفرقہ کو تازہ کرنا اپنایت میں فرق ڈالنا کیا ضرور ہے؟ اور دیکھو اس تفرقہ کو تم زبانی باتیں نہ سمجھو۔ یہ وہ نازک معاملہ ہے کہ جن کے حق کے لئے تم آج جھگڑے کھڑے کرتے ہو وہ خود سکوت کر گئے۔ تقدیری بات ہے اسلام کے اقبال کو ایک صدمہ پہنچنا تھا' سو نصیب ہوا۔ فرقہ کا تفرقہ ہو گیا۔ ایک کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ پورا زور تھا آدھا آدھا ہو گیا۔ اور دیکھو تم! ۱۳ سو برس کے حق کے لئے آج جھگڑتے ہو؟ نہیں سمجھتے کہ اِن جھگڑوں کے تازہ کرنے میں تمہاری جمعیت اور مسکین فرقہ میں ہزاروں حقداروں کے حق برباد ہوتے ہیں' بنے ہوئے کام بگڑتے ہیں۔ روزگار جاتے ہیں' روٹیوں سے محتاج ہو جاتے ہیں۔ آیندہ نسلیں لیاقت اور علم و فضل سے محروم رہی جاتی ہیں۔ میرے شیعہ بھائی اس کا جواب ضرور دیں گے کہ جوشِ محبت میں مخالفوں کے لئے حرف بد زبان سے نکل جاتے ہیں۔ اس کے جواب میں فقط اتنی بات کا سمجھنا کافی ہے کہ عجیب جوشِ محبت ہے جو دو لفظوں میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور عجب دل ہے جو مصلحت کو نہیں سمجھتا۔ ہمارے مقتداؤں نے جو بات نہ کی' ہم کریں اور قوم میں فساد کا منارہ قایم کریں۔ یہ کیا اطاعت اور پیروی ہے! محبت تم جانتے ہو کیا شے ہے؟ ایک اتفاقی پسند ہے۔ تمھیں ایک شے بھلی لگتی ہے۔ دوسرے کو بھلی نہیں لگتی اسی طرح بالعکس۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جو چیز تمھیں بھاتی ہے وہی سب کو بھائے؟ یہ بات کیونکر چل سکے گی؟ ابوالفضل ہی نے ایک جگہ کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے کہ جو شخص تمھارے خلاف رستہ پر چلتا ہے' یا حق پر ہے یا ناحق پر ہے' اگر حق پر ہے تو احسانمند ہو کر پیروی کرو' ناحق پر ہے تو یا بیخبر ہے یا جان بوجھ کر چلتا ہے۔ بے خبر ہے تو اندھا ہے' واجب الرحم ہے' اس کا ہاتھ پکڑ' جان بوجھ کر چلتا ہے تو ڈرو اور خدا سے پناہ مانگو۔ غصّہ کیا اور جھگڑنا کیا؟

میرے باکمال دوستو! میں نے خود دیکھا اور اکثر دیکھا کہ بے لیاقت شیطان جب حریف کی لیاقت اپنی طاقت سے باہر دیکھتے ہیں تو اپنا اچھا بڑا حاکیو مذہب کا جھگڑا بیچ میں ڈال دیتے ہیں کیونکہ ان میں فقط دشمنی ہی نہیں بڑھتی، بلکہ کیسا ہی بالیاقت حریف ہو، اس کی جمعیت ٹوٹ جاتی ہے اور ان شیطانوں کی جمعیت بڑھ جاتی ہے۔ دنیا میں ایسے نافہم بے خبر بہت ہیں کہ بات تو نہیں سمجھتے، مذہب کا نام آیا اور آپے سے باہر ہو گئے بھلا دنیا کے معاملات میں مذہب کا کیا کام ؟

ہم سب ایک ہی منزل مقصود کے مسافر ہیں اتفاقاً گزرگاہ دنیا میں یکجا ہو گئے ہیں، رستہ کا ساتھ ہے، بنا بنایا کارواں چلا جاتا ہے۔ اتفاق اور ملنساری کے ساتھ چلو گے، مل جل کر چلو گے، ایک دوسرے کا بوجھ اٹھاتے چلو گے، ہمدردی سے کام بٹاتے چلو گے تو ہنستے کھیلتے راستہ کٹ ہی جائیگا۔ اگر ایسا نہ کرو گے اور ان جھگڑالوؤں کے جھگڑے تم بھی پیدا کر دو گے، تو نقصان اٹھاؤ گے، آپ بھی تکلیف پاؤ گے، ساتھیوں کو بھی تکلیف دو گے، جو مزے کی زندگی خدا نے دی ہے بدمزہ ہو جائے گی"۔

ہمیں مندرجہ بالا اقتباس سے حرف بحرف اتفاق ہے۔ اے کاش پاکستان کے شیعہ اور سبائی حضرات وقت کی نزاکت اور مملکت خداداد پاکستان کے عظیم تر مفادات کے پیش نظر اپنے مذموم طریقہ بدگوئی اور سب و شتم میں مناسب ترمیم کرنے پر آمادہ ہوں اور ماضی کے اندوہناک واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے عرض کریں گے کہ پاکستان کی سالمیت کی خاطر حتی الامکان صبر و تحمل سے کام لیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے بجائے ناواقف بھائیوں کے اضافہ معلومات کے لئے سبائیوں کی بکواس کا معقول و مہذب جواب دیں۔ اور جھگڑالو مولویوں اور پیشہ ور خطیبوں کے پھیر میں نہ پڑیں جو ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ کو دقیانوسی کہانیوں سے مفلوج کر کے اصلی اسلام سے برگشتہ کرنے کا موجب ہیں۔ ایسے پاکستان کو بھی ایسے بلند خیال نجیب الطرفین کے رہبری کی ضرورت ہے جو ملائیت کا طلسم چاک کر دے تاکہ خانقاہوں درگاہوں اور امام باڑوں کی اجارہ داری ختم ہو کر صحیح اسلام کی ابدی روشنی سے ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ منور ہو سکیں۔ وما علینا الا البلاغ المبین

عزیز احمد صدیقی عفی عنہ
کراچی ۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۶۳ء

گھر کے بھیدی

واقف ہے زمانہ کہ ہم اثنا عشری ہیں	••اپشت سے لعنت زدہ نوحہ گری ہیں
ہر چند تبرے کی تلاوت میں جری ہیں	واللہ ہم الزام شجاعت سے بری ہیں
شیعوں نے کبھی جنگ میں تیغ سنبھالی	اِس داغ سے تاریخ کے اوراق ہیں خالی
اِن ہاتھوں نے چھوئی نہیں شمشیر ہلالی	کی جنگ بھی ہم نے لسانی وخیالی
ہم اہل نہیں معرکہ ورزم ووفا کے	استاد ہیں ہم فلسفہ مکرودغا کے
دھوکے میں ہے جو ہم کو سمجھتا ہے مسلماں	کب شیعہ کا خالص ہے اسلام پر ایمان
مسلم کا تو ہے لفظ بھی اپنے لئے بہتان	قرآن کو ہم کہتے ہیں بازیچہ عثمانؓ
کچھ واسطہ نبی سے نہ تعلق ہے خدا سے	وابستہ ہیں ہم سلسلہ ابن ِ سبا سے
جس گھر میں امان پائیں اسے آگ لگا دیں	مہماں جو ہمارا ہوا سے زہر کھلا دیں
دھوکے دیئے حیدرؓ کو حریفوں سے لڑا کے	شبیر کو مقتول کیا ہم نے بلا کے

بعد محبوبِ خدا اور جنابِ صدیقؓ
ناشرِ دینِ خدا کے دوسرا یعنی عمرؓ

برملا آپ نے اعلان کیا مکے میں
سامنے آئے کسی شخص میں ہمت ہو اگر

تھے کہاں اور زمانے نے یہ پہلا اٹھ تنت
جب نماز آپ نے کعبہ میں پڑھی ہو کے نڈر

اہلِ ایراں کو ہے آپ سے بغضِ دیریں
کر دئے زیر و زبر آپ نے ان کے لشکر

صولت و دبدبۂ سطوتِ فاروقی سے
غیر اقوام کا ابھرا نہ مخالف عنصر

غزوۂ بدر ہو یا جنگِ احد کا میدان
ہر جگہ آپ نے ہمت کے دکھائے جوہر

آج تک گونج رہی ہے یہ حدیثِ محکم
"بعد میرے کوئی ہوتا تو نبی ہوتے عمرؓ"

حضرتِ فاطمہؓ زہرا سی ملیں خوشدامن
اور علیؓ بن ابی طالب سا ملا ان کو خسر

ام کلثوم کوئی غیر تھیں یا بنتِ علیؓ
تھے بہرحال وہ دامادِ علیؓ حیدر

ان سے جو بغض رکھے ابنِ سبا کے مانند
اس کی تقدیر میں ہوں آخری طبقاتِ سقر

ان سے جو بغض رکھے وہ نہیں مسلم ہرگز
حکمِ قرآں ہے یہی اور یہی حکمِ خبر

تھے ہر اک بات میں اخلاقِ محمد کی مثال
تھے مجسم عمل و قولِ نبی کے مظہر

یہ جگر اور دگر تو ہیں پئے حسنِ سخن
ورنہ اصل اس کی سمجھتے ہیں ہر ایک اہلِ نظر

اہلِ دل غور کریں اور حقیقت دیکھیں
آج پہلوئے محمدؐ میں دگر ہیں کہ جگر

شمس خوش حال رہیں ان کے ہی خواہ تمام
ان کے بدخواہ رہیں سینہ زن و خاک بسر